Marfat.com

معالم العرفان

فی

دروس القرآن

افادات

مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی

خطیب جامع مسجد نور

مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

مرتب

الحاج لعل دین ایم اے (علوم اسلامیہ)

شالامار ٹاؤن ○ لاہور

Marfat.com

Marfat.com

روزانہ درس قرآن پاک

تفسیر

سورۃ ملک
تا
سورۃ نوح

افادات

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی
خطیب جامع مسجد نور گوجرانوالہ

135368

نام کتاب	ــــــــ	معالم العرفان فی دروس القرآن (سورۂ ملک تا سورہ نوح)
افادات	ــــــــ	حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی خطیب جامع مسجد نور گوجرانوالہ
مرتّب	ــــــــ	الحاج لعل دین صاحب ایم اے (علوم اسلامیہ) شالامار لاہور
مطبع	ــــــــ	طفیل آرٹ پرنٹرز لاہور
تاریخ طباعت	ــــــــ	۱۹۸۲ء
تعداد طبع	ــــــــ	ایک ہزار
سرورق	ــــــــ	سیّد الخطاطین سیّد نفیس رقم مظلہٗ
کتابت	ــــــــ	محمد امان اللہ قادری گوجرانوالہ
طابع و ناشر	ــــــــ	الحاج بابو غلام حیدر صاحب و الحاج منیر احمد نارو صاحب
قیمت	ــــــــ	۱۸ روپے

ملنے کے پتے

۱۔ ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

۲۔ مکتبہ حفظیہ حمید مارکیٹ، مینا بازار، گوجرانوالہ

باہتمام و انتظام الحاج بابو غلام حیدر و الحاج منیر احمد نارو، فاروق گنج گوجرانوالہ

Marfat.com

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی علم القرآن، وعمّ الاحسان علی نوعِ الانسان، لا سیّما علی المسلمین اھل الایمان، والصلوٰۃ والسلام علی افضل الانام سیدنا ومولانا محمد وآلہ واصحابہ وازواجہ واتباعہ اجمعین۔ امّا بعد

قرآن کریم خدا تعالیٰ کے نور وحکمت کا خزانہ ہے۔ جو شخص بھی اس سے جس قدر فیضیاب ہوگا۔ اسی قدر اس کو خدا تعالیٰ کا تقرب، اور آخرت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی معیت ورفاقت نصیب ہوگی۔ اسی خیال سے قرآن کریم کی تعلیمات اور فیض کو عام کرنے کے لیے قرآن کریم کا درس، ترجمہ اور مطلب عوام کے سامنے بھی بیان کیا جاتا ہے تاکہ عام لوگ بھی اس کے فیض سے محروم نہ رہیں، ہماری حقیر کوشش بھی یہی رہی ہے کہ ہمارا تعلق اور رشتہ آخر دم تک قرآن کریم کے ساتھ قائم رہے۔ اور اس کی اشاعت وتعلیم میں ہماری حقیر کوششیں بھی شامل ہوں۔ گذشتہ تیس سال کے عرصہ میں جامع مسجد نور میں متعدد بار قرآن کریم کا درس، ترجمہ، مسائل، احکام بیان ہوتے رہے ہیں۔ لیکن گذشتہ سال سے ایک نیک بخت نوجوان بلال احمد صاحب ناگی کے دل میں اللہ تعالےٰ نے یہ خیال ڈال دیا کہ اس نے احقر کے درس قرآن کو ٹیپ کے ذریعہ کیسٹ میں محفوظ کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ سورۂ حشر سے آخر تک یہ مکمل طور پر محفوظ کر لیا گیا۔ پھر اللہ تعالےٰ نے الحاج لعل دین صاحب (دائم اسلامیات) جیسے نیک اور اہل دل کو اس کی توفیق بخشی کہ انہوں نے اپنی حسن عقیدت اور قرآن کریم کے ساتھ گہرے لگاؤ اور محبت سے، اس کو کیسٹ سے صفحہ قرطاس پر منتقل کرنا شروع کیا، نہ صرف یہی کیا بلکہ مناسب سرخیاں اور موزوں عنوانات لگانے کی توفیق ارزانی بھی ہوئی، چنانچہ سب سے پہلے سورۃ فاتحہ کا حصہ شائع ہو کر عام وخاص سے خراجِ عقیدت

Marfat.com

وصول کر چکا ہے ۔ اب پارہ ۲۹ سورۃ ملک سے سورۃ نوح تک پانچ سورتوں کے دروس کا حصہ پیش خدمت ہے ۔ تاکہ قرآن کریم سے استفادہ کرنے والے عوام وخواص اس سے مستفید ہوں۔

اللہ تعالیٰ الحاج بابو غلام حیدر صاحب اور الحاج منیر احمد نارو صاحب اور ان کے رفقاء کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ وہ اس سلسلہ کی اشاعت کے لیے تگ و دو فرما رہے ہیں ۔

قرآن کریم کی آسان تفہیم اور عام فہم اردو زبان میں مختصر تشریح اور ضروری تفسیر کا بیان ۔ اور سلف صالحین اور اکابر مفسرین کے مقرر کردہ اصولوں کی روشنی میں وضاحت ۔ باطل اور گمراہ فرقوں ۔ اور آزاد خیال ، خود رو مفسرین کی تفاسیر سے اجتناب وگریز اس کا خاص امتیاز ہوگا ۔ اور ولی اللہی فکر کی چھاپ اس پر نمایاں ہوگی ۔ ضروریات وقت پر خاص نظر ۔ اور اکابر علماء حق کی علمی تحقیقات کی روشنی میں بقدر ضرورت تفصیل خاص نمایاں ہوگی ۔

اس خیال سے کہ عوام بھی قرآن کے فیضان سے محروم نہ رہیں ۔ اور قرآنی فکر کو سمجھ کر اپنا دستور العمل بنائیں اور قرآن کی تفسیر یعنی سنت خیر الانام سے بھی مانوس ہوں ۔ اور صحابہ کرامؓ اور اہل بیتؓ جو قرآن اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ مبارکہ اور آپؐ کے طور طریقوں کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے ، ان سے اور ان کے علوم ومعارف سے بھی باخبر ہوں اور ان کو اپنا پیشوا ومقتدا خیال کریں ۔

قرآن کریم چونکہ تمام دینی اصولوں کا مجموعہ ہے خیر کثیر اور حکمت کا مکمل کورس ہے ۔ انسانیت کے لیے ایسا کمال کہ اس سے بڑھ کر کوئی کمال نہیں ۔ ایسا پروگرام کہ اس سے بہتر کوئی پروگرام نہیں ہو سکتا ۔ اس کی تعلیم واشاعت کا انتظام انسانیت کا ہر دور میں سب سے اہم ترین تقاضا ہے ۔ جو قوم بھی قرآن کریم کے پروگرام کو نہیں اپنائے گی اس کو کبھی فلاح نصیب نہیں ہو سکتی ۔

اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق فَاتَّخِذُوْهُ ذُخْرًا وَزَادًا (الحدیث) کہ قرآن کریم کو ہی ذخیرہ آخرت اور زاد راہ بنا لو ۔ اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہمارے لیے بھی ذریعہ نجات وفلاح بنائے اور خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ کا مصداق بنا دے ۔ اور جو حضرات بھی اس کی اشاعت میں حصہ لے رہے ہیں اور کوشش کر رہے ہیں تاکہ اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت ہو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا و آخرت میں کامیابی عطا فرمائے ۔ آمین ۔ واللہ علی ما نقول وکیل

احقر عبد الحمید سواتی خادم مدرسہ نصرۃ العلوم وجامع مسجد نور
نزد گھنٹہ گھر شہر گوجرانوالہ (پاکستان) (۳۰ ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ - ۲۹ اکتوبر ۱۹۸۱ء)

Marfat.com

فہرست عنوانات

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
سورۃ الملک		دوزخ کا غیظ وغضب	۲۴
درس اوّل (آیت ۱ تا ۵)	۱۶	دوزخ والوں سے سوال وجواب	۲۵
وجہ تسمیہ اور کوائف	۱۷	کفار کا اظہار افسوس	۲۶
دیگر سورتوں سے مناسبت	۱۷	نجات کے دو ذرائع	۲۶
فضائل سورۃ	۱۷	بے عقل مکلف نہیں	۲۷
موضوع سورۃ	۱۸	اجتہاد اور تقلید	۲۷
برکت کا مفہوم	۱۸	کفار کا اعتراف معصیت	۲۷
فلسفہ موت وحیات	۱۹	ایمان بالغیب والوں کے لیے انعام	۲۸
موت وحیات کی تخلیق کا مقصد	۱۹	خوفِ خدا مدارِ حکمت ہے	۲۸
صفاتِ الٰہی	۲۰	اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے	۲۸
سات آسمان	۲۰	اللہ تعالیٰ لطیف وخبیر ہے	۲۹
اللہ کی پیدا کردہ اشیاء نقص سے پاک ہیں	۲۱	درس سوئم (آیت ۱۵ تا ۲۲)	۳۰
ستارے۔ آسمان دنیا کی زینت	۲۱	گزشتہ سے پیوستہ	۳۱
شہاب ثاقب	۲۲	دلائل قدرت۔ تسخیر الارض	۳۱
ستاروں کے ذریعے راہنمائی	۲۲	اللہ ہی رازق ہے	۳۲
حاصل کلام	۲۲	قیامت کی آمد	۳۳
درس دوئم (آیت ۶ تا ۱۴)	۲۳	خوفِ خدا	۳۳
گزشتہ سے پیوستہ	۲۴	فی السّماء سے مراد بلندی ہے	۳۳
شیاطین اور کفار جہنم کے سزاوار ہیں	۲۴	خداخوفی کی مثال	۳۴

Marfat.com

اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے	۳۴
زمین کا دھنس جانا	۳۵
پتھروں کے ذریعے عذابِ الٰہی	۳۵
جھٹلانے والوں کا حشر	۳۶
پرندوں کی مثال	۳۶
عذابِ الٰہی کو کوئی ٹال نہیں سکتا	۳۷
رازق صرف خدا تعالیٰ ہے	۳۷
الٹی اور سیدھی چال	۳۷
درسِ چہارم (آیت ۲۳ تا ۲۴)	۳۹
انسانی وجود کی نعمت	۳۹
کان، آنکھ اور دل	۳۹
حواسِ خمسہ	۳۹
حصولِ علم کے ذرائع	۴۰
قلب جسم کا مرکز ہے	۴۰
کان اور آنکھ کی اہمیت	۴۱
شکر گزاری اور ناشکری	۴۲
زمین انسان کے لیے قرار گاہ ہے	۴۳
انسان کے بنیادی حقوق	۴۳
دینی تعلیم کی اہمیت	۴۴
خلاصہ کلام	۴۴
خدا کے حضور پیش ہونا پڑے گا	۴۵
درسِ پنجم (آیت ۲۵ تا ۳۰)	۴۶
گذشتہ سے پیوستہ	۴۶
قیامت کب آئے گی	۴۸
وقوعِ قیامت کا علم صرف اللہ کو ہے	۴۸
قیامت اچانک وارد ہوگی	۴۸
حدیث جبریل	۴۸
قیامت کی نشانیاں	۴۹
قیامت میں کفار کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے	۴۹
اس دن اللہ کا وعدہ پورا ہو جائے گا۔	۴۹
قیامت کے لیے تیاری	۵۰
کفار عذاب سے نہیں بچ سکیں گے	۵۰
گمراہ کون ہیں	۵۱
شفاف پانی کی بہم رسانی نعمتِ عظمیٰ ہے	۵۱
ایک فلسفی کا انجام	۵۲
اختتامِ آیت پر اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ	۵۲
سورۃ القلم	
درسِ اوّل (آیت ۱ تا ۷)	۵۴
وجہ تسمیہ اور کوائف	۵۴
مضامینِ سورۃ	۵۴
زمانہ نزول	۵۵
نماز کی ابتداء	۵۵
کفار کا اعتراض	۵۵
عقیدۂ توحید سے انحراف	۵۵
توحید کی رمق	۵۶
کفار کے طعن کا جواب	۵۶

Marfat.com

حرف نؔ کے مختلف معانی	۵۶
قلم عام اور خاص معانی میں	۵۷
قسم اور اس کا جواب	۵۸
حضورؐ کا ہر فرمان علم و حکمت کا خزانہ ہے	۵۸
حجرِ اسود کی تنصیب کا کارنامہ	۵۸
حضورؐ کے لیے بے انتہا اجر	۵۹
آپ کا خلقِ عظیم	۵۹
حضورؐ سے قرب کا مدار اچھے اخلاق پہ ہے	۶۰
امت محمدیہ کا فتنہ مال ہے۔	۶۰
مفتون کون ہے؟	۶۰
درس دوئم (آیت ۸ تا ۱۶)	۶۲
گذشتہ سے پیوستہ	۶۲
مشرکین کی پیش کش	۶۳
مداہنت حرام ہے۔	۶۳
حسنِ اخلاق اور مداہنت کا فرق	۶۳
دین کے معاملے میں سودے بازی نہیں ہو سکتی	۶۴
مجنون کہنے والے کی مذمت	۶۵
جھوٹی قسمیں کھانے والا اور ذلیل	۶۵
طعنہ باز، عیب جُو اور چغل خور	۶۵
نیکی سے روکنے والا اور تعدی کرنے والا گنہگار	۶۶
اکھڑ خو اور متہم	۶۶
مال اور اولاد پہ فخر	۶۶
پہلے لوگوں کی کہانیاں	۶۶
دشمنانِ دین کی ذلت و خواری	۶۷
درس سوئم (آیت ۱۷ تا ۳۳)	۶۸
گذشتہ سے پیوستہ	۶۹
مال کی فراوانی مقبولیت کی علامت نہیں	۶۹
مال و اولاد ذریعہ آزمائش ہیں	۶۹
باغ والوں کی مثال	۷۰
باغ کے مالک کی فیاضی	۷۰
حضرت جعفر طیارؓ	۷۱
باغ والے کے بیٹوں کا بخل	۷۱
بیٹوں کا منصوبہ	۷۲
انشاء اللہ کی اہمیت	۷۲
غریبوں کی حق تلفی	۷۲
عذاب الٰہی	۷۲
بیٹوں کی محرومی	۷۳
درمیانی اشیاء کی افضلیت	۷۳
اللہ تعالیٰ فراخی اور تنگی رزق پہ قادر ہے	۷۳
اسلام کا نظام معیشت	۷۴
غریب پروری سے مجتنب سوسائٹی ذلیل ہوگی	۷۵
غیر مسلم اقوام کی غریب پروری	۷۶
مسلمان قوم کی غفلت	۷۶
باغ والوں کا اعترافِ معصیت	۷۶
باغ کا نعم البدل	۷۷
حاصل کلام	۷۷

درس چہارم (آیت ۳۴ تا ۴۱)	۷۸
گذشتہ سے پیوستہ	۷۸
مشرکین کی خوش فہمی	۷۹
حضرت خبابؓ کا واقعہ	۷۹
عذابِ آخرت	۷۹
متقین کے لیے انعامات	۸۰
متقی کون ہیں ؟	۸۰
تقوے کا مفہوم	۸۰
ورع کے برابر کوئی چیز نہیں	۸۲
جزا کا مدار تقوے پر ہے	۸۲
مسلمین اور مجرمین برابر نہیں	۸۲
مشرکین سے دلائل کا مطالبہ	۸۳
مشرکین کے لیے شرکاء کی امداد	۸۴
علامہ زمخشریؒ کی تفسیر	۸۴
درس پنجم (آیت ۴۲ تا ۴۷)	۸۶
گذشتہ سے پیوستہ	۸۶
عبادت کا اثر اس کی صحت پر منحصر ہے	۸۶
ساق کے حقیقی معنے	۸۷
ساق کے مجازی معنے	۸۸
خدا کی ذات پر پنڈلی کا اطلاق	۸۸
ساق خدا کے کمال کی ایک جہت ہے	۹۰
کشفِ ساق سے مراد تجلی کا ظہور ہے	۹۰
مومن سجدہ ریز ہو جائیں گے	۹۱
کشفِ ساق سے مراد انکشافِ حقیقت ہے	۹۱
صحتِ عبادت کا انحصار معرفتِ الٰہی پر ہے	۹۱
عقیدہ تشبیہ اور شرک	۹۲
حجاب سوءِ معرفت	۹۳
استدراج کیا ہے ؟	۹۳
خیر خواہوں کی نصیحت سے اعراض	۹۴
آج کے دولت مند کل کے قلاش	۹۴
درس ششم (آیت ۴۸ تا ۵۲)	۹۶
گذشتہ سے پیوستہ	۹۶
صبر کی تلقین	۹۶
صبر اور اطاعت لازم و ملزوم ہیں	۹۷
صبر و صلوٰۃ کے ذریعے استعانت	۹۸
حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ	۹۸
انبیاء کی معمولی سی لغزش پر بھی گرفت ہوتی ہے	۹۹
دفع مصیبت کا بہترین وظیفہ	۱۰۰
یونس علیہ السلام کی پریشانی	۱۰۱
کدو کے خواص	۱۰۲
یونس علیہ السلام کی واپسی	۱۰۲
یونس علیہ السلام کی بزرگی	۱۰۲
نبی کی لغزش کا بلاوجہ بیان کرنا مکروہ تحریمی ہے	۱۰۳
تبلیغ جاری رکھنے کا حکم	۱۰۴
نظر بد برحق ہے	۱۰۵
قرآن پاک نصیحت ہے	۱۰۵

Marfat.com

سورۃ الحاقہ

درس اول (آیت ۱ تا ۱۲)	۱۰۸
کوائف سورۃ	۱۰۹
سابقہ سورۃ کے ساتھ ربط	۱۰۹
مضامین سورۃ ہذا	۱۰۹
الحاقہ کا مفہوم	۱۰۹
جزائے عمل کا معین وقت	۱۱۰
الحاقۃ کیا ہے ؟	۱۱۰
قوم ثمود اور عاد کی سرکشی	۱۱۰
سزا کی دو قسمیں	۱۱۱
قوم ثمود اور عاد کی ہلاکت	۱۱۱
ہلاکت کے بیان میں تقدیم و تاخیر	۱۱۲
فرعون اور قومِ لوط کی ہلاکت	۱۱۳
قوم عاد کا حال	۱۱۳
قومِ ثمود کا حال	۱۱۳
دنیا کی ترقی یافتہ اور ترقی پذیر اقوام	۱۱۳
فرعون اور الٹی بستیوں والے	۱۱۴
طوفانِ نوح	۱۱۴
حاصل کلام	۱۱۴
درس دوم (آیت ۱۳ تا ۲۴)	۱۱۶
گذشتہ سے پیوستہ	۱۱۶
صورِ اسرافیل	۱۱۷
زمین و آسمان ریزہ ریزہ ہو جائیں گے	۱۱۷
قیامت برپا ہو جائے گی	۱۱۸
حاملین عرش فرشتے	۱۱۸
نظام کائنات کے لیے اللہ کی آٹھ صفات	۱۱۹
عرشِ الٰہی پر تجلی اعظم	۱۲۰
مخلوق کی پیشی خالق کے روبرو	۱۲۰
دائیں ہاتھ والے	۱۲۱
جنت کا پاسپورٹ	۱۲۱
جنت کی نعمتیں	۱۲۱
جنت میں کوئی تکلیف نہیں ہو گی	۱۲۱
جزائے عمل	۱۲۲
درس سوم (آیت ۲۵ تا ۳۷)	۱۲۳
گذشتہ سے پیوستہ	۱۲۳
بائیں ہاتھ والے	۱۲۴
اظہار افسوس	۱۲۴
مال کچھ کام نہیں آئے گا	۱۲۵
اقتدار بھی جاتا رہے گا	۱۲۶
امتِ محمدیہ کا فتنہ مال ہے	۱۲۶
مخصوص اخلاق حیا ہے	۱۲۶
مال وجاہ کا غلط استعمال	۱۲۶
مجرمین کا جہنم رسید ہونا	۱۲۶
خدائے عظیم کا انکار	۱۲۷
اطعام مسکین سے اعراض	۱۲۷
دین کا خلاصہ	۱۲۷
حقوق اللہ اور حقوق العباد	۱۲۷
باعزت روٹی انسان کا بنیادی حق ہے	۱۲۸

Marfat.com

گداگری حرام ہے	۱۲۸
غرباکی دستگیری مسلمان سوسائٹی کا فریضہ ہے	۱۲۹
دوزخی بے یارو مددگار رہ جائیں گے	۱۲۹
درس چہارم (آیت ۳۸ تا ۵۲)	۱۳۱
گذشتہ سے پیوستہ	۱۳۱
لاَ تاکیدی یا لاَ نفی	۱۳۲
غیراللہ کے نام کی قسم کھانا شرک ہے	۱۳۳
اللہ تعالیٰ خود مخلوق کی قسم اٹھاتا ہے	۱۳۳
مبصرات اور غیر مبصرات	۱۳۴
کلام الٰہی، زبانِ رسول	۱۳۵
قرآن پاک شاعر کا کلام نہیں	۱۳۵
قرآن پاک کاہن کا کلام نہیں	۱۳۶
قرآنِ پاک اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے	۱۳۶
قرآنِ پاک کی مثل لانے کے لیے چیلنج	۱۳۶
رسول خود کلام بنا کر اللہ کی طرف منسوب نہیں کرسکتا	۱۳۷
قرآنِ پاک متقین کے لیے نصیحت ہے	۱۳۸
منکرین جھوٹے ہیں	۱۳۸
قرآن پاک حق الیقین ہے	۱۳۸
تسبیح بیان کرنے کا حکم	۱۳۸
سورۃ المعارج	
درس اوّل (آیت ۱ تا ۱۴)	۱۴۲
کوائف اور مضامین	۱۴۳
سابقہ سورۃ سے ربط	۱۴۳
عذاب کا مطالبہ	۱۴۳
کیا سائل سے مراد پیغمبر خدا ہے؟	۱۴۴
سائل سے مراد کافر اور مشرک ہیں	۱۴۴
لفظ معارج کی تشریح	۱۴۵
عروجِ ملائکہ	۱۴۵
پچاس ہزار سال کا دن	۱۴۶
مسلمانوں کا عروج و زوال	۱۴۶
غیر اقوام کی رخنہ اندازی	۱۴۷
مسلمانوں کے زوال کی وجہ	۱۴۷
مومن کے لیے لمبا عرصہ بھی مختصر ہوگا	۱۴۸
صبر کی تلقین	۱۴۸
قیامت قریب ہے	۱۴۹
سارا نظام درہم برہم ہوجائے گا	۱۴۹
دوست، دوست کو نہیں پوچھے گا۔	۱۴۹
بیٹے کسی کام نہیں آئیں گے	۱۵۰
بیوی اور بھائی بھی فدیہ نہیں بنیں گے	۱۵۰
خاندانی بڑائی ناکام ہوجائے گی	۱۵۰
روئے زمین کا کوئی فدیہ قابلِ قبول نہیں ہوگا	۱۵۱
درس دوم (آیت ۱۵ تا ۲۸)	۱۵۲
گذشتہ سے پیوستہ	۱۵۲
دوزخ مجرم کو خود طلب کرے گی	۱۵۳
مجرمین پر فردِ جرم	۱۵۳
کسبِ حلال اور کسبِ حرام	۱۵۴

جمع مال میں حلال وحرام کی تمیز	۱۵۵
جائز اور ناجائز اخراجات	۱۵۵
رفاہیت بالغہ	۱۵۶
حضورؐ کا اسوۂ حسنہ	۱۵۶
انسانی فطرت	۱۵۶
جائز ضروریات کے لیے خرچ کرنے کی اجازت	۱۵۷
نمازی بخیل نہیں ہوتا	۱۵۷
نماز میں مداومت	۱۵۷
سائل ومحروم کی حق رسی	۱۵۸
سائل اور محروم کون ہیں؟	۱۵۸
روزِ قیامت کی تصدیق	۱۵۸
ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے	۱۵۹
درس سوم (آیت ۲۹ تا ۳۵)	۱۶۰
گذشتہ سے پیوستہ	۱۶۰
شرمگاہ کی حفاظت	۱۶۱
جائز ذرائع۔ نکاح اور ملکِ یمین	۱۶۱
شرعی لونڈی کون ہے؟	۱۶۱
لونڈی کے لیے بعض شرائط	۱۶۲
اس دور میں واحد ذریعہ نکاح ہے	۱۶۲
نکاح کے لیے بعض شرائط	۱۶۳
متعہ اور نکاح میں فرق	۱۶۳
اسلام اور لونڈی غلام	۱۶۳
لونڈی غلام بنانا فرض واجب نہیں	۱۶۳
امانت اور عہد کی حفاظت	۱۶۴
شہادت کی درستگی	۱۶۵
انگریزی قانونِ شہادت	۱۶۵
اللہ کے ہاں پسندیدہ عمل	۱۶۵
قبولیتِ نماز کے لیے شرائط	۱۶۶
نماز مقرب الی اللہ ہے	۱۶۶
نمازی کے لیے بشارت	۱۶۶
درس چہارم (آیت ۳۵ تا ۴۴)	۱۶۷
گذشتہ سے پیوستہ	۱۶۷
انسان کی فطری بے صبری پہ اشکال	۱۶۸
جواب۔ انسانی ترقی کا انحصار بے صبری پہ ہے	۱۶۸
دو چیزوں میں حسد جائز ہے	۱۶۹
قرآن وسنت کی بعض اصطلاحات	۱۷۰
کفار کی گروہ بندی	۱۷۰
کفار کی خام خیالی	۱۷۰
حقیر قطرۂ آب سے پیدائش	۱۷۱
مشرکین۔ نجاست در نجاست	۱۷۱
تزکیہ مدارِ فلاح ہے	۱۷۱
تمام تصرفات قبضۂ قدرت میں ہیں	۱۷۲
کفارِ مکہ کا نعم البدل انصارِ مدینہ	۱۷۲
کفار کو ان کے حال پہ چھوڑ دیں	۱۷۳
قبروں سے نکلیں گے تو دوڑتے ہوئے جائیں گے	۱۷۳
کفار کی ذلت ورسوائی	۱۷۳

Marfat.com

سورۃ نوح

درس اوّل (آیت ۱ تا ۷) ۱۷۶
کوائف اور مضامین ۱۷۷
سابقہ سورۃ سے ربط ۱۷۷
حضرت آدم سے حضرت نوح تک ۱۷۷
حضرت نوح کے حالاتِ زندگی ۱۷۸
طوفان نوح کی کیفیت ۱۷۹
کیا طوفان ساری دنیا پر آیا تھا ۱۷۹
پہلے صاحب شریعت رسول ۱۸۰
پورے سال کے روزے ۱۸۰
عوج بن عنق ۱۸۰
موجودہ نسل انسانی حضرت نوح کی اولاد سے ہے ۱۸۱
حضرت نوح کی بعثت اور انذار ۱۸۱
انذار کا تقدم ۱۸۲
حضرت نوح کی تعلیم ۱۸۲
مافوق الاسباب استمداد غیر اللہ سے شرک ہے ۱۸۲
عبادت صرف اللہ کی روا ہے ۱۸۳
عبادت الٰہی کا صلہ ۱۸۳
حضرت نوح کی شب و روز دعوت ۱۸۳
دعوتِ حق سے بیزاری ۱۸۴
باطل عقیدے پر اصرار اور تکبر ۱۸۴
درس دوم (آیت ۸ تا ۹) ۱۸۶
گذشتہ سے پیوستہ ۱۸۶
برملا دعوت ۱۸۷
علی الاعلان دعوت ۱۸۷
پوشیدہ طور پر دعوت ۱۸۷
تبلیغ کے پانچ اصول ۱۸۸
اصول تبلیغ کا اطلاق ہر زمانے پر ہوتا ہے ۱۸۸
لاؤڈ سپیکر کا غلط استعمال ۱۸۸
عبادت میں خلل ۱۸۹
عناد و تعصب دین نہیں ۱۸۹
نمازی کے آگے سے گزرنا سخت گناہ ہے ۱۹۰
دین قیامت تک قائم رہے گا ۱۹۰
اُسوۂ حسنہ پر عمل کا فقدان ۱۹۰
قول و فعل میں تضاد ۱۹۱
اسلام کے نام پر الحاد کی تبلیغ ۱۹۱
درس سوم (آیت ۱۰ تا ۲۰) ۱۹۳
گذشتہ سے پیوستہ ۱۹۳
استغفار کی ترغیب ۱۹۴
استغفار کی برکات ۱۹۴
بارش کے لیے استغفار ۱۹۴
نمازِ استسقاء کی حقیقت ۱۹۵
ہر پریشانی کا حل استغفار ۱۹۵
ایک اشکال اور اس کا جواب ۱۹۵
استغفار سے روحانی خوشی ۱۹۶
استغفار کی کثرت کا حکم ۱۹۶

Marfat.com

فوت شدہ والدین کے لیے استغفار ۱۹۶
استغفار گناہوں کی میل دور کرتا ہے ۱۹۷
ہر نبی کا وظیفہ - استغفار ۱۹۷
دلائلِ توحید ۱۹۷
تخلیقِ انسانی ۱۹۷
آسمانوں کی تخلیق ۱۹۹
شمس و قمر کی ضیا پاشیاں ۱۹۹
انسان ہر حالت میں زمین سے وابستہ ہے ۲۰۰
آسمانی راستے ۲۰۰
درس چہارم (آیت ۲۱) ۲۰۲
گذشتہ سے پیوستہ ۲۰۲
نام اور لقب ۲۰۲
اتباعِ رسول فرض ہے ۲۰۲
صاحبِ مال و دولت کا اتباع ۲۰۳
سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظامِ معیشت ۲۰۴
سوسائٹی کے اعضائے فاسدہ ۲۰۴
لائسنس یافتہ رنڈیاں ۲۰۵
حلال و حرام کی تمیز ۲۰۵
شادی بیاہ کی رسوم ۲۰۶
فوتیدگی کی رسوم ۲۰۶
مال اچھا ساتھی ہے ۲۰۷
اسلامی نظامِ معیشت ۲۰۷
معیارِ اتباع ۲۰۸
درس پنجم (آیت ۲۲ تا ۲۴) ۲۰۹
گذشتہ سے پیوستہ ۲۰۹
قومِ نوح کے داؤ پیچ ۲۰۹
نبوت میں شبہات پیدا کرنا ۲۱۰
اللہ تعالیٰ کی الوہیت سے انکار ۲۱۰
مظہرِ خدا کا عقیدہ ۲۱۱
اپنے علم پر تکبر ۲۱۱
معبودانِ باطلہ پہ اصرار ۲۱۲
معبود کیسے بنے ۲۱۵
گمراہی کی طرف دعوت ۲۱۶
درس ششم (آیت ۲۵ تا ۲۸) ۲۱۸
گذشتہ سے پیوستہ ۲۱۸
انسان کے اندرونی معبود ۲۱۹
قومِ نوح کی غرقابی کا سبب ۲۲۰
تمام منکرین غرق ہو گئے ۲۲۱
آگ کی سزا ۲۲۲
حضرت نوح کی بد دعا ۲۲۲
حضرت نوح کی دعائے مغفرت ۲۲۳
ظالموں کے لیے تباہی کی بد دعا ۲۲۴

Marfat.com

سورة

الملك

درس اول

آیت ۱ تا ۵

سُورَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ ملک مکی ہے اور یہ تیس آیات اور اس میں دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۙ ﴿١﴾ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ﴿٢﴾ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۭ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ﴿٣﴾ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ﴿٤﴾ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ﴿٥﴾

ترجمہ :۔ وہ بڑی ہی برکت والی ذات ہے۔ جس کے قبضے میں بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے (۱) جس ذات نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے اعمال کون کرتا ہے خدا تعالیٰ کمال قدرت کا مالک ہے (۲) اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو تہ بر تہ پیدا کیا۔ رحمٰن کی پیدا کی ہوئی چیزوں کے اندر تم کوئی فرق نہیں دیکھ پاؤ گے، نگاہ اٹھا کر دیکھو تمہیں کوئی شگاف یا دراڑ نظر آتی ہے؟ (۳) دوبارہ یعنی بار بار نگاہ اٹھا کر دیکھو تمہیں کوئی دراڑ یا شگاف نظر نہیں آئے گا۔ بلکہ تمہاری نگاہ تمہاری ہی طرف لوٹ آئے گی اس حالت میں کہ تھکی ہوئی ہوگی (۴) اور البتہ تحقیق ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں (ستاروں) کے ساتھ زینت دی اور ہم نے ان ستاروں کو شیطانوں کو مارنے والا بنایا اور ان شیاطین کے لیے دوزخ کی سزا بھی مقرر کی ہے (۵)

Marfat.com

وجہ تسمیہ اور کوائف

اس سورۃ کا نام سورۃ ملک ہے۔ اس کی پہلی آیت میں لفظ "ملک" آیا ہے۔ اسی لفظ سے اِس سورۃ کا نام لیا گیا ہے۔ ملک سے مراد اللہ تعالیٰ کی بادشاہی اور حکومت ہے۔

حدیث میں اِس سورۃ کے اور بھی نام آئے ہیں۔ اس کا ایک نام سورۃ واقیہ ہے یعنی نجات دلانے والی سورۃ اور بچانے والی۔ اور ایک نام سورۃ مانعہ یعنی اللہ کے عذاب سے روکنے والی ہے۔ اس کا ایک نام سورۃ منجیہ ہے عذاب سے نجات دلانے والی، اور سورۃ ملک بھی ہے۔

یہ مکی سورۃ ہے، ہجرت سے پہلے نازل ہوئی۔ اس میں تیس ۳۰ آیات دو رکوع، ۳۳۵ الفاظ اور ۱۳۱۳ حروف ہیں۔

دیگر سورتوں سے مناسبت (ربط)

یہ سورۃ اور اس کے بعد والی سورۃ مکی سورتیں ہیں۔ اس سے پہلی سورۃ تحریم میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کا ذکر تھا۔ آپ کی ازواج مطہرات سے معمولی سی لغزش ہو گئی تھی، اس پر اللہ تعالےٰ نے سخت تنبیہ فرمائی۔ اور نبی علیہ السلام کے حقوق کا خیال رکھنے کا حکم دیا، اور دیگر باتوں کا ذکر فرمایا۔ اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی توحید کے حقوق کا ذکر ہے۔ تو گویا اس طریقے سے ان سورتوں کو آپس میں مناسبت ہے۔

فضائل سورۃ

اس سورۃ مبارکہ کی فضیلت کے سلسلہ میں حضور نبی کریم ؐ نے فرمایا کہ ایک سورۃ تیس آیات پر مشتمل ہے۔ اور اُس سورۃ نے کسی شخص کے لیے اللہ کے ہاں سفارش کی (شَفَّعَتْ) تو اللہ تعالےٰ نے اُس شخص کو نجات دی۔ اور اس کی سفارش کو قبول فرمایا۔ وہ تیس آیتیں اسی سورۃ مبارکہ کی ہیں۔

ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے صحابہ کرام کسی سفر پر تھے۔ انہوں نے ایک جگہ پڑاؤ کیا۔ اور خیمہ لگایا۔ اور انہیں معلوم نہیں تھا کہ جس جگہ خیمہ لگا رہے ہیں، اُس کے نیچے قبر ہے۔ تو اس صحابی نے اُس قبر والے کو اِس سورۃ مبارکہ کی تلاوت کرتے ہوئے سنا۔ صحابی کو بڑا تعجب ہوا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ اُس صحابی نے اِس واقعہ کا ذکر جب نبی علیہ السلام کے سامنے کیا۔ تو آپ نے فرمایا هِيَ مُنْجِيَةٌ، هِيَ الْمَانِعَةُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ یعنی یہ سورۃ انسان کو نجات دلانے والی ہے اور عذاب قبر سے بچانے والی ہے۔ تو اس واقعہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ بتلا دیا۔ کہ اس سورۃ کے پڑھنے والے کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ جب چاہے کسی کو کوئی بات سنا دے۔ اس لیے اس سورۃ کا نام منجیہ اور مانعہ ہے۔

Marfat.com

یعنی اللہ کے عذاب سے اور قبر کے عذاب سے بچانے والی سورۃ۔

امام باقرؒ امام زین العابدینؒ کے فرزند اور امام ابو حنیفہؒ کے اُستاد اور پیر ہیں۔ ان کی عادت تھی کہ عشاء کے بعد دو نفل بیٹھ کر پڑھتے تھے، اور ان میں اس سورۃ مبارکہ کو تلاوت فرماتے تھے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق حضور نبی کریمؐ سونے سے پہلے سورۃ تبارک الذی اور سورۃ السجدۃ ضرور تلاوت فرماتے تھے۔

موضوع سورۃ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ کی صفات اور توحید کا ذکر ہے۔ اس کے علاوہ آیاتِ قدرت یعنی اُس کی نشانیوں کا بیان ہے۔ اور اس کے بعد سزا کی منزل اور قیامت کا حال بھی مذکور ہے۔ لیکن مرکزی مضمون اِس کا توحید ہے۔

برکت کا مفہوم اِس سورۃ کی ابتدا برکت کے لفظ سے ہوئی ہے۔ تَبٰرَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ۔ برکت اُس زیادتی کو کہتے ہیں، جس میں پاکیزگی، طہارت اور تقدس کا مفہوم پایا جائے۔ اور جن اذکار کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جاتا ہے، اُس کی بہت سی صورتیں ہیں۔ جیسے بِسْمِ اللّٰہ، لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ، سُبْحَانَ اللّٰہِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اور انہیں اذکار میں ایک تبارک اللّٰہ ہے۔ تَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ، تَبٰرَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ۔ ایسے ہی اور بھی کئی اذکار ہیں، جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جاتا ہے۔

دوسری قابلِ ذکر بات یہ ہے، کہ برکت دینے والا صرف خدا ہے۔ مگر مشرک لوگ دوسروں سے برکت کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ تو اس کا ردّ ہے یہ مضمون اور بھی کئی سورتوں اور آیات کے اندر آیا ہے جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن پاک میں موجود ہے۔ جَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا یعنی اللہ تعالےٰ نے مجھ کو بابرکت بنایا۔ یعنی برکت اللہ تعالےٰ نے عطا کی۔ اسی طرح تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ یعنی وہ ذات بڑی برکت والی ہے۔ جس نے اپنے بندۂ کامل پر قرآن حکیم نازل فرمایا۔ اس سورۃ میں ارشاد ہے۔ تَبٰرَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ یعنی وہ بڑی ہی برکت والی ذات ہے۔ جس کے قبضے میں بادشاہی ہے۔ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اور وہ ہر چیز پہ قدرت رکھتا ہے۔ اور سب اختیارات اُسی کے پاس ہیں۔ ساری سلطنت اُسی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کوئی کام کرنا چاہے، اُسے کوئی اُسے روک نہیں سکتا۔ نہ اس کے سامنے کوئی ٹھہر سکتا ہے۔ اُس کے ارادے اور مشیت کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ وہ قادرِ مطلق ہے۔

Marfat.com

فلسفۂ موت وحیات

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیاں بیان فرمائی ہیں۔ اَلَّذِی خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ جس ذات نے موت اور زندگی کو پیدا کیا۔ اور پھر یہ بھی فرمایا یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وہ زندہ کرتا اور موت دیتا ہے۔ ان کو پیدا کرنے والا خدا ہے۔

موت کی حقیقت کے متعلق دو نظریات پائے جاتے ہیں۔ بعض لوگ اسے عدمی چیز مانتے ہیں جب کہ بعض دوسرے اسے وجودی تسلیم کرتے ہیں۔

موت کے ساتھ چونکہ تخلیق کا ذکر آیا ہے اس لیے ظاہر ہے۔ کہ یہ ایک وجودی چیز ہے نہ کہ عدمی۔ حدیث پاک میں آتا ہے۔ اُتِیَ بِالْمَوْتِ کَالْکَبْشِ الْاَمْلَحِ یعنی قیامت کے روز حساب کتاب ہو جانے کے بعد موت کو لایا جائے گا۔ اس کی شکل وصورت سیاہ رنگ کے مینڈھے کی ہوگی پھر اسے جنت اور دوزخ کے درمیان ایسی جگہ لاکر کھڑا کیا جائیگا۔ جہاں سب لوگ اسے دیکھیں گے اور پھر ہر ایک سے پوچھا جائے گا، یہ کیا ہے؟ سب کہیں گے یہ موت ہے۔ پھر سب کے سامنے اُسے ذبح کر دیا جائے گا۔ اور اہلِ جنت سے کہا جائے گا خُلُوْدٌ وَلَا مَوْتٌ یعنی اب تم ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہو گے تمہیں موت نہیں آئے گی۔ اسی طرح اہلِ دوزخ بھی ہمیشہ دوزخ میں ہی رہیں گے، انہیں بھی موت نہیں آئے گی۔ ایسے لوگ جن کے متعلق قرآن پاک میں قطعی فیصلہ ہو چکا ہے۔ اور قرآن پاک نے انہیں دوزخ میں روک دیا ہے حَبَسَہُ الْقُرْاٰنُ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ یہ دن مومنوں کے لیے بڑی خوشی کا، کافروں کے لیے بڑی حسرت کا دن ہوگا، یہ سارا ذکر صحیح احادیث میں موجود ہے۔

موت وحیات کی تخلیق کا مقصد

موت وحیات کی تخلیق کا مقصد یہ بیان فرمایا کہ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے اعمال کون کرتا ہے۔ اگر موت کا تصور نہ ہوتا تو کوئی شخص نیکی کرنے کے لیے تیار نہ ہوتا۔ یہ موت کا تصور ہی ہے۔ جو انسان کو نیکی کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے۔ کہ ایک نہ ایک دن اُسے مرنا ہے۔ اور یہ دنیا فانی ہے۔ یہی تصور انسان کو اچھے اعمال پر آمادہ کرتا ہے۔ تاکہ دوسرے جہان پہنچ کر اُسے پریشانی نہ اٹھانی پڑے۔ تو گویا موت نیکی کے لیے بمنزلہ شرط ہے۔ اور حیات تو خود ایک ظرف ہے۔ جس کے اندر رہ کر انسان کام کرتا ہے۔ اور نیکی کی طرف راغب کرنے والی چیز صرف موت ہی ہے۔

متنبی کہتا ہے وَلَا فَضْلَ فِیْهَا لِلشَّجَاعَةِ وَالنَّدٰی وَصَبْرِ الْفَتٰی لَوْلَا لِقَاءُ شَعُوْبِ

یعنی اگر موت سے ملاقات نہ ہوتی تو کسی نوجوان کے صبر اور کسی سخی کی سخاوت کو کوئی فضیلت حاصل نہ ہوتی۔ موت سے ملاقات ہی ان چیزوں کی قدر وقیمت سے روشناس کراتی ہے۔ اعمال صالحہ کو اپنانے اور دولت ایمان کے حصول کے لیے موت ایک بڑی حقیقت ہے۔ اگر یہ نہ ہوتی تو کچھ بھی نہ ہوتا۔

تو گویا موت اور حیات کی تخلیق کا مقصد اللہ تعالیٰ نے یہی بیان فرمایا۔ کہ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا کہ تم میں سے اعمال صالحہ کون کرتا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ اچھا انسان وہ ہے جس نے لمبی عمر پائی اور اچھے اعمال کر کے لمبی عمر سے فائدہ اٹھایا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ اچھا انسان وہ انسان ہو سکتا ہے۔ جو اچھی عقل رکھنے والا، اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے بچنے والا، اور اللہ کی اطاعت میں سبقت حاصل کرنے والا ہو۔

تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے۔ جو برکتیں دینے والا ہے۔ قادرِ مطلق ہے، اس نے موت و حیات کو پیدا کیا۔ تاکہ انسان کی آزمائش ہو کہ کون اچھے عمل کرتا ہے۔

صفاتِ الٰہی

اس کے بعد ارشاد فرمایا ہے۔ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ یعنی خدا تعالیٰ کمال قدرت کا مالک ہے وہ عزیز ہے، غالب ہے۔ اور عزت دینے والا ہے اور الغفور ہے یعنی لغزشوں کو معاف کرتا ہے۔ اگرچہ وہ نافرمانی پر گرفت کرتا ہے، مگر لغزشوں اور غلطیوں کو معاف بھی کرتا ہے۔ بسا اوقات مجرموں کو سنبھلنے کا وقت دیتا ہے۔ یہ بھی اس کی بخشش کا ایک ذریعہ ہے۔

سات آسمان

موت و حیات کی پیدائش کے بعد اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں کا بیان ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا یعنی اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو تہ بہ تہ پیدا کیا حدیث میں ایسا ہی ذکر آتا ہے کہ آسمانوں کو تہ بہ تہ یعنی اوپر نیچے پیدا کیا۔ پھر ایک آسمان سے دوسرے آسمانوں تک اتنا ہی فاصلہ ہے۔ جتنا زمین سے پہلے آسمان تک۔ اس کے بعد بہشت آتی ہے۔ جیسا کہ نبی علیہ السلام کے واقعہ معراج میں مذکور ہے۔ تو گویا سارے آسمانوں کو طے کرنے کے بعد جنت آتی ہے۔ جیسے فرمایا عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰى۔ اور اسی جگہ سدرۃ المنتہیٰ والا مقام بھی آتا ہے۔ رہا یہ سوال کہ آسمانوں کی یہ تہیں کیسی ہیں تو اس جگہ ہمارا تصور کام نہیں کرتا۔ ہمیں صرف اس بات پر ایمان رکھنا چاہیئے کہ آسمان سات ہیں اور اوپر نیچے ہیں۔

ایک مقام پر سَبْعًا شِدَادًا کا لفظ آیا ہے۔ یعنی وہ آسمان بڑے مضبوط ہیں۔ پھر ان آسمانوں

Marfat.com

میں دروازوں کا ذکر بھی موجود ہے۔ جیسا کہ معراج والی حدیث میں دروازے کھولنے کا ذکر ہے۔ اور آپ کا وہاں سے گذر کر آگے جانا معلوم ہے۔

اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اشیاء نقص سے پاک ہیں

موت وحیات اور سات آسمانوں کی تخلیق کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا مَا تَرٰى فِىْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ یعنی رحمان کی پیدا کی ہوئی چیزوں کے اندر تم کوئی فرق نہیں دیکھ پاؤ گے۔ یہاں پر تفاوت سے مراد چھوٹا بڑا ہونا نہیں، بلکہ نقص مراد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں کوئی نقص نہیں ہے اُس نے ہر چیز کو اپنی حکمت کے ساتھ کمال درجے پر پیدا کیا۔ آسمان ہوں یا کرّے، زمین ہو یا اُس کی کوئی چیز، کسی میں تم کوئی نقص نہیں پاؤ گے۔

اسی طرح انسان کی پیدائش، حیوانات اور نباتات اور دیگر عناصر کو اللہ تعالیٰ نے کمال حکمت اور بصیرت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ ان میں تم کوئی نقص نہیں پاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ انسان کو خود دعوتِ نظارہ دے رہے ہیں کہ ذرا نگاہ اٹھا کر دیکھو فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ کیا تمہیں کوئی شگاف یا دراڑ نظر آتی ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کی دلیل ہے۔ پھر نگاہ اٹھا کر دیکھو ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ دوبار یعنی بار بار نگاہ اٹھا کر دیکھو تمہیں کوئی دراڑ یا شگاف نظر نہیں آئے گا۔ بلکہ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ تمہاری ہی طرف لوٹ آئے گی اس حالت میں کہ تھکی ہوئی ہوگی مگر اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں کوئی نقص تلاش نہیں کر سکے گی۔

ستارے آسمان دنیا کی زینت

اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کا ایک اور شاہکار آسمانِ دنیا کو ستاروں سے زینت دینا ہے۔ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ اور البتہ تحقیق ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں کے ساتھ زینت دی۔ اگر یہ نہ ہوتے تو آسمان بالکل بے رونق دکھائی دیتا۔ اب رات کے وقت جب فضا صاف ہوتی ہے۔ تو آسمان میں کمال درجہ کی رونق معلوم ہوتی ہے۔ جگہ جگہ چراغ جل رہے ہیں۔ کوئی چھوٹا، کوئی بڑا، عجیب وغریب قسم کی زینت اور رونق ہے

ستاروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے تین باتیں صراحت کے ساتھ بیان کی ہیں۔ اوّل یہ کہ آسمان دنیا کی زینت ہیں۔ دوسری یہ کہ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ یعنی شیطانوں کو مارنے کے آلات ہیں۔ شیطان فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے جب اوپر جاتے ہیں تو اوپر سے شہاب پڑتے ہیں۔

Marfat.com

شہاب ثاقب

حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ حضور علیہ السلام سے کہانت کی حقیقت دریافت کی گئی۔ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ شیطان اوپر جا کر فرشتوں کی گفتگو سنتے ہیں۔ اور کوئی ایک آدھ بات اُن کے کان میں پڑ جاتی ہے تو وہ اسے دوسروں تک پہنچاتے ہیں اور آگے سے اُن پر شہاب ثاقب پڑتے ہیں۔

جو کلمہ وہ فرشتوں سے سُن پاتے ہیں اُسے وہ اپنے کاہن کے کان میں پھونک دیتے ہیں اور وہ اس کے ساتھ سینکڑوں جھوٹ ملا کر آگے چلا دیتا ہے۔ یہی کہانت کی حقیقت ہے۔

کاہن سے واقعات اور خبریں معلوم کرنا شرک میں شمار کیا گیا ہے وہ غیب دان تو ہیں نہیں۔ عالم الغیب تو صرف خدا ہے۔ لہٰذا کاہن کے پاس نہیں جانا چاہیئے۔

یہ ستارے تو ابتدائے آفرینش سے ہی ٹوٹا کرتے تھے۔ مگر جیسا کہ سورۃ جنّ میں مذکور ہے حضورؐ کی بعثت کے بعد یہ سلسلہ بہت زیادہ ہو گیا۔ کیونکہ نزول قرآن کے بعد جو شیطان گفتگو سننے کے لیے اوپر جاتے ہیں، انہیں مارنے کے لیے ستاروں کے ٹوٹنے کا عمل بھی تیز تر ہو گیا ہے۔

ستاروں کے ذریعے راہنمائی

ستاروں کے متعلق تیسری بات اللہ تعالیٰ نے یہ فرمائی۔ کہ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ (پارہ ۱۴۔ سورۃ نحل) یعنی انسان ستاروں کے ذریعے راہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ سینکڑوں اور ہزاروں میلوں پر پھیلے ہوئے سمندروں، جنگلوں اور بیابانوں میں سفر کے دوران صحیح سمت کی طرف صحیح راہنمائی ستاروں کے ذریعے سے ہی ممکن ہے۔ چودہ کروڑ مربع میل میں پھیلے ہوئے سمندروں، بڑے بڑے صحراؤں اور جنگلوں میں سفر کے دوران بھٹک جانا معمولی بات ہے۔ ایسے میں رستے کے تعین کے لیے یہ ستارے ہی کارآمد ثابت ہوتے ہیں، اور مسافر اپنی منزل تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔

حاصل کلام

فرمان خداوندی ہے۔ کہ ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں کے ساتھ زینت بخشی۔ اور ان ستاروں کو شیطانوں کو مارنے والا بنایا۔ اور پھر وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ان شیاطین کے لیے دوزخ کی سزا بھی مقرر کی کہ اس میں انہیں ڈالا جائے گا۔

135368

Marfat.com

درس دوئم — آیت ۶ تا ۱۴

وَلِلَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٦﴾
إِذَا أُلْقُوا فِيهَا سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا وَهِيَ تَفُورُ ﴿٧﴾ تَكَادُ تَمَيَّزُ
مِنَ الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ
يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ﴿٨﴾ قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ فَكَذَّبْنَا
وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ
﴿٩﴾ وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ
﴿١٠﴾ فَاعْتَرَفُوا بِذَنْبِهِمْ فَسُحْقًا لِأَصْحَابِ السَّعِيرِ ﴿١١﴾ إِنَّ
الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿١٢﴾
وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ ۖ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١٣﴾
أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿١٤﴾

ترجمہ :- اور جو لوگ اپنے رب کے منکر ہوئے اُن کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے ⑥ جب ان لوگوں کو اُس دوزخ کے اندر ڈالا جائے گا تو اس کی خوفناک آواز سنیں گے اور وہ اچھل رہی ہوگی ⑦ قریب ہے کہ غصے کی وجہ سے پھٹ پڑے ۔ جب کوئی گروہ دوزخ میں ڈالا جائے گا تو وہاں پہ مقرر داروغے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا ⑧ وہ جواب دیں گے کیوں نہیں تحقیق ہمارے پاس ڈرانے والے آئے مگر ہم نے جھٹلا دیا اور ہم نے کہہ دیا اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز نازل نہیں کی تم بڑی گمراہی میں ہو ⑨ تو وہ کہیں گے کاش ہم سنتے یا ہم سمجھتے تو ہم دوزخ والوں میں نہ ہوتے ⑩ اپنے گناہوں کا اقرار کریں گے جہنم والوں کے لیے دوری ہے ⑪ بے شک جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں بن دیکھے ان کے لیے بخشش اور مغفرت ہے اور ان کے لیے اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے ⑫ تم اپنی بات کو چھپاؤ یا ظاہر کرو خدا سینے کے رازوں کو بھی جانتا ہے ⑬ کیا وہ نہیں جانے گا جس نے خود پیدا کیا اور اللہ مہربانی کرنے والا ہر ایک کی خبر رکھنے والا ہے ⑭

گذشتہ سے پیوستہ

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی بادشاہی اور حکومت کا ذکر ہوا۔ کہ تمام برکات اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ قادر مطلق بھی وہی ہے۔ جس نے موت وحیات کو انسانوں کی آزمائش کے لیے پیدا کیا۔ تاکہ اس بات کو ظاہر کر دے کہ اچھا عمل کون کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ عزیز اور غفور ہے۔ اُس نے سات آسمانوں کو تہ بر تہ پیدا کیا۔ اس کی پیدا کی ہوئی چیز میں تم کسی قسم کا نقص نہیں دیکھو گے، تم بار بار اپنی نگاہ اٹھا کر دیکھو۔ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی مخلوق میں کوئی دراڑ، شگاف یا نقص نظر نہیں آئے گا۔ نگاہ تھکی ہوئی واپس لوٹ آئے گی۔ دیکھو! آسمان دنیا کو ہم نے زینت بخشی ہے ستاروں کے چراغوں کے ساتھ اور ان ستاروں سے دوسرا کام یہ لیا جاتا ہے۔ کہ یہ شیاطین کو مارنے کا ذریعہ ہیں۔ جو شیطان ملاء اعلیٰ یا ملائکہ کی گفتگو سننے کے لیے اوپر جاتے ہیں۔ ان کو آگ سے شہاب مارتے ہیں۔ شیاطین دوزخ کی سزا کے مستحق ہیں۔ یہ اغوا اور اضلال کرتے ہیں۔ لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور برے راستے پر ڈالتے ہیں۔ اس لیے وہ جہنم کے سزاوار ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے عذاب سعیر یعنی بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب بھی تیار کر رکھا ہے۔

شیاطین اور کفار جہنم کے سزاوار ہیں

جو لوگ شیاطین کے اغوار اور وسوسوں میں آئیں گے، اُن کی باتوں پر عمل کریں گے، اُن کا اثر قبول کریں گے، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اُس کے نازل کردہ احکام اور شرائع کا انکار کریں گے، وہ بھی جہنم کے سزاوار بنیں گے۔ شیاطین تو ظاہر ہے۔ کہ اپنے اغوار اور گمراہ کرنے کے فعل کی وجہ سے دوزخ کے سزاوار ہیں، مگر جو لوگ کفر کا راستہ اختیار کر رہے گے اور شیطانوں کے اغوار میں آئیں گے تو ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وَلِلَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ" یعنی جو لوگ اپنے رب کے منکر ہوئے یعنی خدا کی توحید، یا صفت یا اُس کے احکام یا شرائع یا اُس کے فرشتے یا رسول کسی کا بھی انکار کریں گے وہ درحقیقت خدا تعالیٰ کی ربوبیت کا انکار کریں گے۔ اور ربوبیت کا انکار الوہیت کا انکار ہے۔ یہ ساری چیزیں آپس میں مربوط ہیں۔ تو فرمایا۔ جنہوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا عَذَابُ جَهَنَّمَ اُن کے لیے جہنم کا عذاب ہے۔ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ اور بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ یعنی جس جگہ یہ گمراہ کرنے والے شیطان جائیں گے اسی جگہ اُن کا اثر قبول کرنے والے لوگ بھی جائیں گے۔ اور یہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

دوزخ کا غیظ وغضب

اس کی تھوڑی سی کیفیت اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔ إِذَا أُلْقُوا فِيهَا جب ان لوگوں کو اُس دوزخ کے اندر ڈالا جائے گا۔ سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا تو اُس کی خوفناک آواز سنیں گے

Marfat.com

شہیق گدھے کی آواز کو بھی کہتے ہیں۔ وہ ابتدائی حصے میں زور کی آواز نکالتا ہے۔ تو اس سے مراد ہے جوش کی آواز۔ وَهِيَ تَفُوْرُ اور وہ اچھل رہی ہوگی۔ تفور کا معنیٰ جوش مارنا۔ ابلنا۔ اس میں انتہا کا جوش ہوگا۔ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ قریب ہے کہ غصے کی وجہ سے پھٹ پڑے۔ دوزخ کا یہ حال ہوگا۔ اس کی آواز نہایت کریہہ اور خوفناک ہوگی۔

دوزخ والوں سے سوال و جواب

كُلَّمَا اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ جب کوئی گروہ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَا تو وہاں پر مقرر داروغے جو اللہ تعالے کے حکم سے وہاں انتظام و انصرام کرتے ہیں وہ پوچھیں گے اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا، تنبیہ کرنے والا، سمجھانے والا نہیں آیا تھا۔ جو تمہیں بتاتا۔ کہ جس کفر و شرک کے راستے پر تم چل رہے ہو، اس کا نتیجہ خراب ہوگا، خطرناک ہوگا، اس راستے پر مت چلو۔ نذیر کا معنیٰ ڈرانے والا، سمجھانے والا۔ تنبیہ کرنے والا ہے۔

قَالُوْا بَلٰى وہ جواب دیں گے کیوں نہیں۔ قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ تحقیق ہمارے پاس ڈرانے والے آئے۔ فَكَذَّبْنَا مگر ہم نے اُن کو جھٹلا دیا۔ اُن کی بات نہیں مانی۔ اور انہیں کہا کہ تم جھوٹ کہتے ہو کہ دوزخ ہوگا۔ سزائیں مبتلا ہوں گے اور پکڑ ہوگی۔ ہم نے ان کی تکذیب کردی وَقُلْنَا اور ہم نے کہہ دیا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ یعنی اللہ تعالے نے کوئی چیز نازل نہیں کی۔ اللہ تعالےٰ نے نہ کوئی وحی نازل کی ہے، نہ کتاب نازل کی ہے۔ اے ڈرنے والو! تم جھوٹ کہتے ہو۔

جیسے عام طور پر مشرک کہتے تھے۔ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۔ خدا پر جھوٹ بولتا ہے۔ کہاں خدانے وحی نازل کی ہے۔ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ خدا تعالے نے کسی انسان پر کوئی وحی یا کتاب نازل نہیں کی۔ یہ اپنے پاس سے بنا کر لاتا ہے۔ محض چوہدری بننے کے لیے، بڑا بننے کے لیے خدا پر افترا کرتا ہے۔

تو وہاں کہیں گے کہ ہم نے تو کہا تھا۔ فَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ خدا نے کوئی چیز نازل نہیں کی۔ سب انکار کیا اور ہم نے نذیروں کو جھٹلا دیا۔ اور یوں کہا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ

اسکا تعلق ان کافروں سے بھی ہو سکتا ہے اور الگ بھی ہو سکتا ہے۔ اگر پہلے کلام کے ساتھ جوڑا جائے تو یہ معنیٰ ہوگا کہ دوزخ میں جانیوالے لوگ اقرار کریں گے کہ ہمارے پاس ڈرانے والے آئے ہم نے ان کو جھٹلایا اور کہا کہ خدا نے کوئی چیز نازل نہیں کی تم جھوٹ کہتے ہو اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ یعنی تم بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو، جو لوگوں کو پھنسانے اور اپنے ساتھ ملانے کے لیے ایسی باتیں کرتے ہو۔ تو گویا انہوں نے نبیوں کو ڈرانے والوں کو کہا کہ تم گمراہی میں پڑے ہوتے ہو۔ جو لوگوں کو کہتے ہو کہ ہم پر وحی آتی ہے۔ خدا نے حکم نازل کیا ہے۔ یا کتاب نازل کی ہے۔ خواہ مخواہ لوگوں کو ساتھ

Marfat.com

ماننے کے لیے ایسی باتیں کرتے ہو۔ تو یہ قَدْ جَاءَ نَا نَذِيرٌ وَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ اسی کے ساتھ مربوط ہے۔

اور بعض مفسرین کہتے ہیں۔ کہ مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ پر مشرکین کی بات ختم ہو گئی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز نازل نہیں کی۔ آگے اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ نہیں ہو تم مگر کھلی گمراہی میں۔ جو ایسی باتیں کرتے ہو۔ یہ فرشتوں کا کلام بھی ہو سکتا ہے۔ جو بار پرس کر رہے ہوں گے۔ وہی کہیں گے اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ تم بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے، تمہارے پاس خدا تعالیٰ کی طرف سے ڈرانے والے بھی آئے۔ شریعت بھی آئی، دین بھی آیا۔ وحی الٰہی بھی آئی۔ مگر تم نے کسی چیز کو نہیں مانا۔ لہٰذا تم ہی کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

کفار کا اظہار افسوس

تو کفر کرنے والے افسوس، حسرت اور ندامت کا اظہار کریں گے وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ کاش ہم سنتے اَوْ نَعْقِلُ یا ہم سمجھتے مَا كُنَّا فِيْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ تو ہم دوزخ والوں میں نہ ہوتے۔ افسوس! نہ ہم نے سنا، نہ عقل سے سوچا۔ دوسری جگہ ہے۔ غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّيْنَ۔ افسوس کہ ہم پر ہماری بدبختی غالب آئی اور ہم گمراہ ثابت ہوئے۔ رسول آئے۔ ڈرانے والے آئے۔ سمجھانے والے آئے مگر افسوس کہ ہماری بدبختی غالب آئی۔ یہاں اس مقام پر ہے۔ کہ کاش ہم نصیحت کرنے والوں کی بات کو سنتے۔

نجات کے دو ذرائع

انسان کی فلاح کے لیے دو چیزیں ہیں۔ یا تو خیر خواہ کی بات سن کر (نَسْمَعُ) آدمی اس پر عمل پیرا ہو جائے، تو اس کی نجات ہے۔ اَوْ نَعْقِلُ یا عقل سے خود غور و فکر کرے، یہ دو ہی چیزیں ہیں۔ تیسرا کوئی راستہ نہیں، جیسا کہ دوسری جگہ موجود ہے۔ کہ یہ کافر بہرے، اندھے اور گونگے ہیں۔ اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ (انفال) یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں عقل جیسا کمال درجے کا جوہر عطا کیا ہے۔ مگر یہ اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے۔ بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ سورۃ آل عمران میں الفرقان کا جو لفظ آیا ہے اس سے مراد جوہر عقل ہے۔ قرآن کا الگ ذکر ہے۔ تورات اور انجیل کا الگ اور فرقان کا الگ ایک درجے تک یہ بات درست معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اچھائی اور برائی میں امتیاز صرف عقل سے ہی کیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

بے عقل مکلف نہیں

حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا تو فرمایا فَاقْبِلْ آگے آ تو وہ آگے آئی۔ فرمایا پیچھے ہٹ جاؤ وہ پیچھے ہٹ گئی۔ پھر ارشاد فرمایا بِكَ اُعْطِيْ وَبِكَ اَمْنَعُ یعنی تیری وجہ سے میں دوں گا اور تیری وجہ سے روکوں گا۔ تمہارے استعمال پر ہی سارا دارومدار ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے عقل نہیں دی، اُس کو مکلف بھی نہیں بنایا۔ تمام پاگل لوگ غیر مکلف ہیں۔ بہائم بے عقل ہیں، اس لیے غیر مکلف ہیں۔ بچے بھی جب تک اُن میں عقل نہیں آتی مکلف نہیں ہوتے تو گو اللہ تعالیٰ نے نجات کا مدار دو ہی چیزوں پر رکھا یعنی خیر خواہ کی بات کو سن کر اُس پر عمل کرنا یا خود اپنی عقل سے کام لے کر اچھائی اور برائی میں تمیز پیدا کرنا۔

اجتہاد اور تقلید

بعض مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ ایک اجتہاد ہے اور ایک تقلید۔ تقلید اسی کو کہتے ہیں۔ کہ کسی اچھے شخص سے بات سن کر اس کو مان لیا جائے۔ تقلید سے لوگ بدکتے ہیں، اِس کو غلط معنی پہناتے ہیں۔ یہاں جاہلوں کی تقلید مراد نہیں ہے۔ اس کی تو اللہ تعالیٰ نے مذمت کی ہے۔ مشرک اور کافر اپنے آباؤ اجداد کی تقلید کرتے تھے۔ غلط اور شرکیہ رسوم میں اپنے بڑوں کی تقلید کرتے تھے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے بے عقلی کی بات فرمایا۔ ہاں اگر کوئی اچھی بات سن کر اُس پر عمل کرتا ہے۔ تو یہ تقلید ہی ہے۔ اس پر بھی نجات ہے۔ یا انسان خود بحیثیت مجتہد عقل کو ٹھیک ٹھیک استعمال کرے۔ غور کرے اور پھر نتیجے پر پہنچے۔ یہ دونوں باتیں ہیں۔

کافر لوگ افسوس کا اظہار کریں گے اور کہیں گے ہم نے دونوں باتیں ہی نہیں کیں۔ خیر خواہ کی بات سن کر بھی عمل نہیں کیا۔ اور عقل کو بھی ٹھیک ٹھیک استعمال نہیں کیا۔ غلط ہی استعمال کیا۔ اگر ہم دونوں میں سے ایک بات پر بھی عمل کرتے تو دوزخ والوں میں نہ ہوتے۔

کفار کا اعتراف معصیت

فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ اپنے گناہوں کا اقرار کریں گے۔ حکم ہو گا سُحْقًا دفع ہو جاؤ، دور ہو جاؤ۔ سحق کا معنیٰ دوری اور بعد ہوتا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ دوزخ میں صحرا کا نام بھی ہے۔ جیسے وَیل جہنم میں ایک وادی کا نام ہے صَعُوْد ایک پہاڑ کا نام ہے۔ جس پر کافروں کو چڑھایا جائے گا۔ اور نیچے اتارا جائے گا۔ ایسا ہی سحق بیابان ہے۔ اس میں کافروں کو دوڑایا جائے گا۔ بعض فرماتے ہیں سحق کا معنیٰ دوری ہے مَكَانٍ سَحِيْقٍ۔ تو گویا جہنم والوں کے لیے دوری ہے خدا کی رحمت اور مہربانی سے۔ اب اس جہنم میں جلتے رہو۔

Marfat.com

ایمان بالغیب والوں کیلیے انعام

یہ تو تھا کافروں کا حال اور ان کا انجام. اب ترہیب کے ساتھ ترغیب بھی ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَیْبِ ۔ بیشک جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں بن دیکھے ہوئے۔ یہ ہے ایمان بالغیب ۔ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ ۔ بالغیب کے معنی بغیر دیکھے ہوئے ۔ نہ دوزخ دیکھا ہے ، نہ جنت ، نہ اس کی وحی اترتے دیکھی ہے ۔ نہ خدا کی ذات ۔ تو جنت بھی برحق ہے ۔ دوزخ بھی برحق ہے احساب بھی برحق ہے ۔ یہ ساری چیزیں برحق ہیں ۔ باطل کوئی نہیں ، کفر کا بُرا انجام سامنے آئے گا ۔ اور ایمان کا اچھا انجام بھی سامنے ہوگا ۔ ان تمام چیزوں پر بن دیکھے ایمان لانا ایمان بالغیب ہے ۔

سورۂ بقرہ کی ابتدا میں یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ اور اخیر میں آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْہِ اُس وحی پر جو خدا نے اتاری ہے اس پر رسول بھی ایمان رکھتا ہے اور مومن بھی ایمان رکھتے ہیں ۔ اور اس کتاب پر ، خدا کے رسولوں پر ، بعث بعد الموت پر ، تقدیر پر ، ملائکہ پر ، تمام نبیوں پر ، اور جو آگے حالات پیش آنے والے ہیں اُن سب پر ایمان رکھتے ہیں ۔ یہ ایمان بالغیب ہے ۔

خوف خدا راز حکمت ہے

تو جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ، اس کی صفات پر بن دیکھے ایمان لاتے ہیں ۔ اس سے لرزتے ہیں ان پر خوف طاری رہتا ہے ، ایسے لوگوں کا بدلہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے ۔ اسی لیے حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے ۔ رَاْسُ الْحِکْمَۃِ مَخَافَۃُ اللّٰہِ یعنی حکمت کی جڑ اور بنیاد ہی اللہ کا خوف ہے ۔ اللہ کا خوف مشاہدے سے نہیں آیا بلکہ رسولوں کے بتلانے اور کتاب کو پڑھنے سے یقین آیا ہے ۔ تو بڑا حکیم وہی ہوگا جس میں خوفِ خدا زیادہ ہوگا ۔

فرمایا جو لوگ اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اُن کے لیے بخشش اور مغفرت ہے ۔ انکی خطائیں اور گناہ ڈھانپ دیے جائیں گے وَاَجْرٌ کَبِیْرٌ اور اُن کے لیے اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے ۔ کہ وہ ایمان لائے ۔ بن دیکھے خدا سے ڈرتے ہیں ، اطاعت کرتے ہیں ۔ کفر و شرک سے بیزار ہیں ۔ ان کے لیے اللہ نے بہت بڑا ثواب تیار کیا ہے ۔

اللہ تعالے عالم الغیب ہے

آگے فرمایا وَاَسِرُّوْا قَوْلَکُمْ اَوِ اجْھَرُوْا بِہٖ تم اپنی بات کو چھپاؤ یا ظاہر کرو ، آہستہ کہو یا بلند کہو ، ہر حالت میں اِنَّہٗ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ خدا سینوں کے رازوں کو بھی جانتا ہے ۔ کفر ، شرک ، نفاق کی بات کو پوشیدہ رکھو گے یا ظاہر کرو گے ۔ برائی اونچے سے اونچے

Marfat.com

یا بڑی سے بڑی، چھپاؤ یا ظاہر کرو، ہر حالت میں خدا تو سینوں کے رازوں کو بھی جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ لطیف و خبیر ہے

فرمایا کیوں نہیں جانے گا۔ اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ کیا وہ نہیں جانے گا جس نے خود پیدا کیا۔ وہ نہیں جانے گا تو اور کون جانے گا۔ وہ تو خالق ہے۔ اور خالق ہونے کے علاوہ اس کی صفات لطیف و خبیر بھی ہیں۔ لطیف یعنی بہت باریک بین۔ لطیف کا معنی مہربان بھی ہوتا ہے اَللّٰہُ لَطِیۡفٌۢ بِعِبَادِہٖ اللہ اپنے بندوں کے ساتھ بڑی مہربانی کرتا ہے۔ اور۔ اَلۡخَبِیۡرُ یعنی ہر ایک کی حالت سے واقف اور ہر ایک کی خبر رکھنے والا ہے۔

لہٰذا کوئی بھی چیز خواہ نیکی کی ہو یا برائی کی۔ تم اُسے چھپاؤ یا ظاہر کرو، ہر حالت میں اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اور اسی کے مطابق آگے چل کر انسان کو اس کا بھگتان کرنا پڑے گا۔

Marfat.com

آیت ۱۵ تا ۲۲

درس سوم

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ
رِزْقِهِ ۖ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ ﴿١٥﴾ ءَأَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمُ
الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ ﴿١٦﴾ أَمْ أَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ
عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۖ فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرِ ﴿١٧﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ
الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿١٨﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ
فَوْقَهُمْ صَافَّاتٍ وَيَقْبِضْنَ ۚ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمَٰنُ ۚ إِنَّهُ بِكُلِّ
شَيْءٍ بَصِيرٌ ﴿١٩﴾ أَمَّنْ هَٰذَا الَّذِي هُوَ جُنْدٌ لَكُمْ يَنْصُرُكُمْ
مِنْ دُونِ الرَّحْمَٰنِ ۚ إِنِ الْكَافِرُونَ إِلَّا فِي غُرُورٍ ﴿٢٠﴾ أَمَّنْ هَٰذَا
الَّذِي يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ ۚ بَلْ لَجُّوا فِي عُتُوٍّ وَنُفُورٍ ﴿٢١﴾
أَفَمَنْ يَمْشِي مُكِبًّا عَلَىٰ وَجْهِهِ أَهْدَىٰ أَمَّنْ يَمْشِي سَوِيًّا عَلَىٰ صِرَاطٍ
مُسْتَقِيمٍ ﴿٢٢﴾

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے جس نے تمہارے لیے بنائی ہے۔ زمین تابع۔ چلو اس کے اطراف
میں اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی روزی میں سے کھاؤ ایک دن خدا کی طرف اکٹھا بھی ہونا ہے ﴿۱۵﴾ کیا تم
نڈر ہو گئے اس سے جو آسمان میں ہے کہ تم کو زمین میں دھنسا دے اور زمین لرزنے لگے ﴿۱۶﴾ کیا تم
اس بات سے بے فکر ہو گئے ہو کہ وہ خدا تعالےٰ جس کا تصرف آسمانوں اور زمین میں ہر جگہ ہے تم پر
پتھروں کا مینہ برسا دے پس تم جان لوگے کہ میرا ڈر سنانے والا کیسا ہے ﴿۱۷﴾ ان پہلے لوگوں کو دیکھ
لو جنہوں نے جھٹلایا میری گرفت کیسی ہوئی ﴿۱۸﴾ کیا انہوں نے پرندوں کی طرف نہیں دیکھا ان کے اوپر کیسے
صف بستہ پر کھولے ہوئے ہیں اور سکیڑتے بھی ہیں ان پرندوں کو سوائے رحمان کے اور کون روکتا ہے
اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اپنی نگاہ میں رکھتا ہے ﴿۱۹﴾ اگر اللہ تعالیٰ تم پر اپنی گرفت ڈال دے تو تمہارا کونسا
لشکر ہے جو خدا تعالیٰ کے سامنے تمہاری حفاظت کر سکے (فرمایا) کافر لوگ دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں ﴿۲۰﴾ اگر
خدا تعالیٰ تمہاری روزی کو روک دے تو روزی پہنچانے والا کون ہے؟ اصرار کرتے ہیں سرکشی میں، اور بدکنے

Marfat.com

میں پڑے ہوئے ہیں ﴿۲۱﴾ بھلا وہ آدمی اچھا ہے جو اوندھے منہ چل رہا ہے یا وہ جو سیدھا چلتا ہے صراط مستقیم پر ﴿۲۲﴾

گذشتہ سے پیوستہ (ربط)

پہلے توحید، قیامت، رسالت اور اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر ہوا۔ پھر آگے جزائے عمل کا ذکر تھا۔ مجرمین کی سزا کا ذکر ہوا۔ قدرت کی نشانیاں ذکر فرمائیں۔ اب اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے چند دلائل اور نشان بیان فرماتے ہیں۔ البتہ زیادہ تر مضمون توحید اور معاد کا ہے۔ پہلے رسالت کا بیان بھی ہو گیا ہے۔ قَالُوْا بَلٰی قَدْ جَآءَنَا نَذِیْرٌ دوزخ کی سزا میں مبتلا ہونے پر جب فرشتے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں ہے۔ لوگ اقرار کریں گے کہ ہمارے پاس ڈرانے والے ضرور آئے مگر ہم نے ان کی تکذیب کی۔ اور پھر افسوس کا اظہار کریں گے۔ لَوْ کُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا کُنَّا فِیْٓ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ اگر ہم خیر خواہوں کی بات کو سنتے یا عقل سے کام لیتے تو کبھی دوزخ میں داخل ہونے والے نہ ہوتے۔ مگر ہم نے یہ دونوں باتیں نہ کیں۔ نہ ہم نے خیر خواہوں کی بات کو سنا اور نہ عقل سے کام لیا۔

دلائل قدرت تسخیر الارض

اب یہاں دلائل قدرت کا بیان ہے۔ جن سے دو چیزوں کا اثبات ہوتا ہے۔ ایک طرف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور دوسری طرف قیامت کا ذکر ہے ارشاد ہوتا ہے۔ هُوَ الَّذِیْ اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ جس نے تمہارے لیے بنائی ہے زمین ذَلُوْلًا یعنی تابع۔ ذلول کا معنیٰ تابع اور ہموار۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے تصرف کے لیے زمین کو تمہارے تابع بنا دیا ہے۔ تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے۔ کہ ہر قسم کے کام زمین میں کر سکو۔ اگر اللہ تعالیٰ زمین کو ایسا نہ بناتا تو سخت دشواری ہوتی۔ دلدلی بنا دیتا یا پانی جیسی ہوتی یا لوہے اور پتھر جیسی سخت ہوتی تو زراعت مشکل ہو جاتی۔ مکان بنانا دشوار ہوتا۔ زمین کو کھود کر اس میں سے چیزیں نکالنا ناممکن ہوتا۔ نہریں چلانا مشکل ہو جاتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے زمین کو ایسا مسخر کر دیا کہ ہر قسم کا کام آسانی سے ہو سکے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔ یہی چیز اللہ تعالیٰ سمجھانا چاہتا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ کِفَاتًا ۙ اَحْیَآءً وَّ اَمْوَاتًا کیا تم نے کبھی غور نہیں کیا کہ ہم نے زمین کو سمیٹنے والی بنایا زندوں کو بھی سمیٹتی ہے، مُردوں کو بھی سمیٹتی ہے۔ دوسری جگہ فرمایا۔ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا زمین پر اتراتے ہوئے مت چلو۔ یہ اللہ کو پسند نہیں زمین میں عاجزی ہے کہ ہر چیز اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے۔ تم زمین پر چلتے ہو۔ کام کرتے ہو۔

Marfat.com

زمین کو کھودتے ہو اس پر نجاست پھینکتے ہو، اللہ تعالیٰ نے اسکو کیسا منقاد اور مسخر بنا دیا ہے خدا کی نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔
اسی لیے فرمایا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا۔ منکب کندھے کو کہتے ہیں۔ یعنی زمین کے کندھوں پر چلو۔ کندھوں سے مراد اطراف زمین ہیں۔ بعض اس سے پہاڑ مراد لیتے ہیں۔ جیسے کندھے اونچے ہوتے ہیں اسی طرح پہاڑ بھی اونچے ہوتے ہیں تو اونچی جگہ پر چلو۔ اونچی جگہ پر چلنے کا سامان بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما دیا۔ پہاڑوں پر جانے کے لیے راستے مقرر کر دیے وہاں بھی کاروبار سرانجام دیتے ہو۔

ہموار زمین پر چلنا آسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے احسان جتلاتے ہوئے قوم ثمود سے فرمایا۔ دیکھو! اللہ نے زمین بنائی ہے۔ پہاڑ بنائے ہیں۔ پہاڑوں کو کرید کر مکان بنا لیتے ہو۔ ہموار زمین پر بڑے بڑے محلات تعمیر کرتے ہو۔ تو فرمایا چلو اس کے اطراف میں وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ اور کھاؤ اس کی دی ہوئی روزی۔ یہ زمین بھی اللہ نے پیدا کی اور اسے تمہارے لیے مسخر بنا دیا۔ اس میں بڑی آسانیاں پیدا کر دیں۔ ذرا سوچو اگر زمین میں دشواریاں ہوتیں تو سب کاروبار رک جاتے اللہ تعالیٰ نے زمین کو مسخر کر کے کتنا احسان فرمایا ہے۔

پھر فرمایا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا چلو اس کے اطراف میں وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ اور کھاؤ اس کی دی ہوئی روزی یہ زمین بھی اللہ نے پیدا کی اور اسے تمہارے لیے مسخر بنا دیا۔ اسمیں بڑی آسانیاں پیدا کر دیں۔ ذرا سوچو اگر زمین میں دشواریاں ہوتیں تو سب کاروبار رک جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو مسخر کر کے کتنا احسان فرمایا پھر فرمایا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا چلو اس کے اطراف میں وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی روزی میں سے کھاؤ۔ خدا نے روزی کے اسباب بھی مہیا کیے ہیں۔ یہ چلنا پھرنا بسا اوقات روزی حاصل کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ جیسے وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ انسان چل پھر کر رزق حلال تلاش کرتا ہے۔ انسان کیلیے یہ بھی ضروری ہے۔ کیونکہ رزق حلال تلاش کرنا فرائض کے بعد ایک فریضہ ہے۔

آگے معاد کا ذکر ہے۔ اس میں دونوں باتیں سمجھا دیں۔ زمین کو خدا نے تمہارے فائدے کے لیے بنایا۔ تاکہ تم زمین میں کاروبار کر سکو۔ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا۔ اور پھر اللہ کی پیدا کی ہوئی روزی میں سے کھاؤ۔ جو بھی تمہارے حصے میں آئے گی۔

اللہ تعالیٰ ہی رازق ہے

روزی بھی اللہ نے دی، زمین کو بھی اللہ نے پیدا کیا۔ کوئی روزی دینے والا نہیں ہے۔ فَاطْلُبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ رزق خدا کے ہاں سے تلاش کرو۔ اللہ ہی رزق کے اسباب

Marfat.com

مہیا کرتا ہے۔ تمام جانداروں کو روزی کی ضرورت ہے۔ جو اللہ ہی مہیا کرتا ہے۔ تمام اسباب اُسی کے تصرف میں ہیں۔ اس کے سوا کوئی روزی نہیں دیتا۔ کوئی کسی کو ایک حبہ بھی نہیں دے سکتا، اب وہ انسان کس قدر بیوقوف اور احمق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو اس کے تابع بنایا ہے۔ اس کی خدمت کے لیے پیدا کیا ہے۔ مگر وہ زمین کو ہی اپنا معبود بنائے۔ دنیا میں ایسے مشرک لوگ بھی ہیں۔ جو زمین کو معبود مانتے ہیں۔ اور ایسے بھی ہیں جو خدا کے سوا دوسروں کے ہاں سے روزی تلاش کرتے ہیں۔ یہاں دونوں باتوں کی نفی کی گئی ہے۔

قیامت کی آمد

پھر فرمایا، زمین پر چلتے ہوئے، کاروبار کرتے ہوئے، خدا کی روزی کھاتے ہوئے یہ نہ سمجھو کہ ہم آزاد ہیں۔ وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ ایک دن خدا کی طرف اکٹھا بھی ہونا ہے۔ جزائے اعمال بھی لازم ہے اور معاد کا آنا بھی ضروری ہے۔ انسان اٹھائے جائیں گے اور خدا کے حضور پیش کیے جائیں گے انہیں اپنے اپنے اعمال کا محاسبہ پیش کرنا پڑے گا یہ بات نہیں ہے کہ زمین پرست ہو جاؤ قیامت بھی کوئی نہیں آئے گی۔ بلکہ قیامت تو آنے والی ہے۔ تو اس طرح گویا توحید کا مسئلہ بھی سمجھا دیا اور معاد کا مسئلہ بھی سمجھا دیا۔

خوف خدا

آگے تخویف ہے۔ انسانوں کو ڈرایا گیا ہے۔ فرمایا ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ کیا تم نڈر ہو گئے ہو بے فکر ہو گئے ہو اُس سے جو آسمانوں میں ہے اَنْ یَّخْسِفَ بِکُمُ الْاَرْضَ کہ تم کو زمین میں دھنسا دے۔ انسان مغرور ہوتا ہے، اترا کر زمین پر چلتا ہے۔ فرمایا اگر آسمان والا تم کو زمین میں دھنسا دے۔ جیسا کہ کئی واقعات پیش آتے ہیں فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ زمین لرزنے لگے۔ جیسے زلزلہ ہوتا ہے بعض اوقات ہزاروں انسان زلزلے میں تباہ ہو جاتے ہیں۔ شہر اور بستیاں تباہ ہو جاتی ہیں۔ بزرتہ (جو الجزائر میں ہے) کی بارہ ہزار کی آبادی یکدم فنا ہو کر رہ گئی تھی۔ ابھی دس پندرہ سال کی بات ہے۔ زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔

۱۹۲۳ء میں جاپان میں جو زلزلہ آیا تھا۔ اس میں تین لاکھ آدمی فنا ہو گئے تھے۔ زمین میں ہزاروں گڑھے نظر آتے تھے۔ دراڑیں پیدا ہو گئیں تھیں۔

تو فرمایا کیا تم اس سے بے فکر ہو گئے ہو، جو آسمانوں میں ہے۔

فی السماء سے مراد بلندی ہے

فی السماء سے کیا مراد ہے۔ یہ مشکل لفظ ہے۔ خدا کی ذات آسمان میں نہیں ہے۔ نہ ہی زمین

Marfat.com

پر ہے۔ یہ اعتقاد درست نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ تو مکان و زمان سے مبرا ہے۔ فی السماء سے مراد آسمانوں سے اوپر ہے۔ کہ آسمانوں کے اوپر بھی اسی کی حکومت اور تسلط ہے کسی اور کا نہیں۔ اور راس سے بلندی مراد ہوتی ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ ایک صحابی نے معمولی غلطی پر ایک لونڈی کو تھپڑ مار دیا۔ حضور علیہ السلام ناراض ہوئے۔ آپ نے لونڈی کو بلایا۔ اُس سے پوچھا، اللہ کہاں ہے، اُس نے کہا آسمانوں میں۔ پھر فرمایا، میں کون ہوں عرض کیا آپ اللہ کے رسول ہیں۔ حضور نے فرمایا یہ مومنہ ہے۔ اس کو آزاد کر دو۔ آسمان کا لفظ اس لیے استعمال کیا کہ عام آدمی کی عقل آسمان تک پہنچتی ہے۔ تو اس سے مراد بلندی ہوتی ہے۔ پڑھا لکھا آدمی ایسا نہیں کہہ سکتا۔ مگر عام لوگوں سے اللہ تعالیٰ اُن کے فہم کے مطابق مؤاخذہ کرے گا۔

خوف خدا کی مثال

بخاری شریف میں اُس شخص کا حال ذکر کیا گیا ہے۔ جس نے کہا تھا کہ میں نے نیکی تو کوئی بھی نہیں کی۔ تو اس نے اپنے مرنے سے پہلے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم کو وراثت تب دوں گا کہ تم میری ایک بات پوری کرو۔ پوچھا کیا شرط ہے۔ کہا کہ جب میں مر جاؤں تو میری لاش کو جلا کر راکھ بنا دینا پھر اُس آدھی راکھ کو خشکی میں اڑا دینا اور آدھی پانی میں بہا دینا۔ بیٹوں نے ایسا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مرنے والے کو برزخ میں اٹھا کر پوچھا تم نے یہ کام کیوں کیا تھا۔ کہنے لگا پروردگار! میں نے ایسا کام تیرے خوف کی وجہ سے کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کو بخش دو، معاف کر دو۔ اب اس کا مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ وہ سمجھتا تھا کہ راکھ اڑا دینے سے وہ معدوم ہو جائے گا، اور خدا اُس پر قادر نہیں ہوگا۔ مگر خدا تو پھر بھی قادر ہے۔ اس کا فہم ہی اس قدر تھا۔ اسی پر اللہ تعالیٰ نے اس کی گرفت کی اور اسی پر اس کا فیصلہ ہوا۔

اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے

الغرض اللہ تعالیٰ آسمان میں تو ہے نہیں۔ مگر آسمانوں میں بھی اس کا تصرف ہے۔ ورنہ اس سے مکانیت لازم آئے گی۔ اور مطلقاً انکار بھی اچھا نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کوئی یوں کہے کہ میں تو نہیں جانتا کہ میرا خدا آسمان میں ہے یا زمین میں تو وہ آدمی کافر ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى یعنی خدا عرش پر مستوی ہے۔ عرش تو ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے۔ آسمانوں کے اوپر بہشت ہے اور پھر عرش الٰہی ہے۔ اس پر استویٰ کیسا ہے۔ یہ ہماری عقل میں نہیں آتا۔ شاہ ولی اللہؒ آسان بات کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں اِستوٰی عَلَى الْعَرْشِ

Marfat.com

سے مراد یہ ہے کہ عرش الٰہی پر اللہ تعالیٰ کی تجلی اعظم پڑتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی ذات بہت بلند اور برتر ہے۔ جب اُس کی تجلی اعظم عرش پر پڑتی ہے۔ تو وہ سارا رنگین ہو جاتا ہے اور اس کے اثرات سارے جہاں پر چھا جاتے ہیں پھر دوبارہ اس کے اثرات واپس لوٹتے ہیں۔ اس طرح اس پر تجلی اعظم پڑتی رہتی ہے۔

زمین کا دھنس جانا

تو فرمایا کیا تم بے فکر ہو اُس ذات سے جو آسمان میں ہے کہ دھنسا دے تم کو زمین میں فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ۔ اور وہ لرزنے لگے۔ ضلع فیروزپور کا ۱۹۴۹ء کا واقعہ اخبار میں پڑھا تھا۔ کہ کسی سکول میں بچے پڑھ رہے تھے۔ کہ اچانک سارا سکول زمین میں دھنس گیا اسی طرح آخیر زمانہ میں بھی دھنسنے والے واقعات آئیں گے حضورؐ نے فرمایا کہ کعبے کو گرانے والا جو لشکر آئے گا، اللہ تعالیٰ اس کو بھی زمین میں دھنسا دے گا۔ اُن کا کوئی اکا دُکا آدمی ہی بھاگ کر بچ سکے گا۔ ورنہ اول آخر سارے کے سارے ہی دھنسائے جائیں گے۔ ایسا ہی قارون کے بارے میں بھی ذکر ہے۔ بخاری شریف میں اُس آدمی کا حال بھی موجود ہے جو رنگین تہ بند پہن کر زمین پر اکڑ کر چلتا تھا ______ اُسکی گردن بھی اکڑی ہوئی تھی۔ خدا نے زمین میں دھنسا دیا۔ وہ قیامت تک زمین میں دھنستا ہی چلا جا رہا ہے۔ جب قیامت کا بگل بجے گا تو وہ کہیں رُکے گا۔

چنانچہ فرمایا کیا تم بے فکر ہو گئے ہو۔ انسان کو غرور نہیں کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو تابع بنایا ہے۔ اکڑ کر مت چلو۔ بے فکر مت ہو۔ کہیں خدا تم کو زمین میں نہ دھنسا دے۔ زمین لرزنے لگے

پتھروں کے ذریعے عذاب الٰہی

اس کے بعد فرمایا اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا یعنی کیا تم اس بات سے بے فکر ہو گئے ہو کہ وہ خدا تعالیٰ جس کا تصرف آسمانوں اور زمین میں ہر جگہ ہے، تم پر پتھروں کا مینہ برسا دے۔ اللہ تعالیٰ نے سابقہ ادوار میں مجرمین کے ساتھ ایسا بھی کیا۔ شرق اردن کے رہنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے پتھروں کا مینہ برسایا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ تہ بہ تہ پتھر برس رہے تھے اور پھر یہ بھی کہ مُسَوَّمَةً جس کے سر پر وہ پتھر پڑتا اس پر اس کا نام بھی لکھا ہوتا تھا۔ مُسَوَّمَةً کے معنی نشان لگے ہوئے۔ جس قوم کو اللہ تعالیٰ نے یہ سزا دی تھی آخر زمین کو بھی الٹ دیا تھا کیونکہ وہ الٹے کام کرتے تھے۔ کہیں ایسا نہ ہو۔

ابرہہ کے لشکر پر بھی اللہ تعالیٰ نے پتھر ہی برسائے تھے۔ چھوٹے چھوٹے پتھر پرندوں کے ذریعے

Marfat.com

برسائے تھے۔ اور ان کو ہلاک کر دیا تھا۔ یہ چھوٹے سنگریزے پرندوں کے ہاتھوں میں ایٹم بم سے زیادہ خطرناک تھے جس کے سر پر لگا ہلاک ہوگیا۔ اور جس کی سائڈ پر لگا، ایسی بیماری لگی کہ وہ کبھی تندرست ہی نہ ہوا۔ ایسا چیچک سا لاحق ہوگیا۔ یا اللہ تعالیٰ بڑے پتھر برسائے، جیسے قوم لوط پر برسائے تھے۔ فَسَتَعْلَمُوْنَ پس تم جان لوگے۔ كَيْفَ نَذِيْرِ کہ میرا ڈر سنانے والا کیسا ہے۔ یا وہ عذاب کیسا ہے جس کے بارے میں تم کو ڈرایا گیا تھا خبردار کر دیا گیا تھا۔

جھٹلانے والوں کا حشر

وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ان پہلے لوگوں کو دیکھ لو جنہوں نے جھٹلایا كَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ میری گرفت کیسی ہوئی۔ سابقہ جھٹلانے والوں کی تاریخ بھی تم قرآن پاک میں پڑھتے ہو۔ کہ جھٹلانے والوں کا کیا حشر ہوا۔ آج بھی اگر جھٹلاؤ گے تو تمہیں محسوس کرنا چاہیئے کہ ہمارا بھی ایسا ہی حال نہ ہو۔ یہ دلائل قدرت اور انذار ہے۔

پرندوں کی مثال

اس کے بعد فرمایا اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ کیا یہ شرک کرنے والے لوگ نہیں دیکھتے۔ معاد کے منکر خدا تعالیٰ کی صفت کو نہیں سمجھتے، ایمان نہیں لاتے، توحید کو قبول نہیں کرتے۔ کیا انہوں نے پرندوں کی طرف نہیں دیکھا۔ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ ان کے اوپر کیسے پر کھولے ہوئے ہیں وَيَقْبِضْنَ اور سکیڑتے بھی ہیں۔ دیکھو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ملہ پرندوں کو فضا میں کس طریقے سے روکتی ہے۔ ان کا پروں کو پھیلانا اور سکیڑنا اللہ کی قدرت سے ہے۔ خدا تعالیٰ نے پرندوں کے پروں میں یہ طاقت دی ہوئی ہے۔ کہ وہ اڑتے ہیں۔ ان پرندوں کو فضا میں کون روکتا ہے۔ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ۔ سوائے رحمان کے اور کون روکتا ہے۔ اللہ ہی نے یہ چیز پرندوں کے اندر رکھی ہے۔ یعنی طاقت رکھی ہے کہ وہ اڑتے ہیں۔ پروں کو سکیڑتے ہیں۔

چنانچہ انسانوں نے بھی پرندوں کے نمونے پر اڑنے والی چیزیں اور آلات بنا لئے ہیں۔ اس میں بڑی محنت اور مشقت کی ہے۔ آٹھ سو سال کے بعد اڑان کا سلسلہ ہوا۔ پہلا آدمی تو ہلاک ہوگیا تھا جس نے اپنے بازوؤں کے ساتھ گدھ کے پر باندھ کر ایک محل سے دوسرے محل تک اڑنے کی کوشش کی تھی۔ اگرچہ وہ ہلاک ہوگیا مگر ایک راستہ بنا گیا۔ اس کے آٹھ سو سال بعد ۱۹۰۴ء میں یہ اڑائی شروع ہوئی۔ یہ وہی پرندوں کا نمونہ تھا۔ دیکھو! پرندوں کو فضا میں سوائے رحمان کے کون روکتا ہے۔ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۢ بَصِيْرٌ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اپنی نگاہ میں رکھتا ہے۔ ہر چیز اس کے سامنے ہے۔

Marfat.com

عذابِ الٰہی کو کوئی ٹال نہیں سکتا

فرمایا، اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اگر اللہ تعالیٰ تم پر اپنی گرفت ڈال دے تو تمہارا کون سا لشکر ہے جو خدا تعالیٰ کے سامنے تمہاری حفاظت کر سکے۔ فرمایا کافر لوگ دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ محض غرور میں پڑے ہوئے ہیں کہ انکار کرتے ہیں سمجھتے نہیں۔ اور معبودانِ باطلہ کی پرستش کرتے ہیں۔ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ فرضی دیوتا بنائے ہوئے ہیں۔ اگر خدا کا عذاب آجائے تو کوئی چھڑانے والا نہیں ہے۔ یہ لوگ آنے والی مصیبت سے اپنا بچاؤ نہیں کر رہے ہیں۔

رازق صرف خدا تعالیٰ ہے

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ اگر خدا تعالیٰ تمہاری روزی کو روک دے تو روزی پہنچانے والا کون ہے۔ کیا کوئی ہے؟ ایک حبہ بھی نصیب نہ ہو۔ خدا تعالیٰ بسا اوقات قحط ڈال دیتا ہے۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے کہ جب قحط پڑتا ہے تو دس دینار میں ایک روٹی بھی نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ اسباب میں تغیر پیدا کر دے، روزی کو روک دے تو کوئی ہے تمہارے لیے روزی لانے والا؟

فرمایا حقیقت یہ ہے بَلْ لَّجُّوْا یعنی اصرار کرتے ہیں فِیْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ سرکشی اور بدکنے میں پڑے ہوئے ہیں۔ محض شرارت اور سرکشی کی وجہ سے خدا کی وحدانیت کو نہیں مانتے۔ اور اس کی صفت پہ ایمان نہیں لاتے۔ اگر اللہ چاہے تو سب دروازے بند کر دے، روزی کو روک دے تو کوئی کسی کو ایک دانہ بھی نہیں پہنچا سکتا۔

یہ سب دلائل توحید ہیں۔ ساتھ ساتھ معاد کا مسئلہ بھی سمجھایا گیا۔

اُلٹی اور سیدھی چال

اس کے بعد فرمایا اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ بھلا وہ آدمی اچھا ہے جو اوندھے منہ چل رہا ہے یا وہ جو سیدھا چلتا ہے۔ سیدھا چلنے والا آدمی مومن ہے۔ اس کا اعتقاد صحیح ہے اور وہ اعمال بھی اچھے کرتا چلا جا رہا ہے۔ اور جو آدمی اوندھے منہ جاتا ہے، اس کا عقیدہ فاسد ہے، شرک اور کفر والا ہے اُس نے ضرور گڑھے میں گرنا ہے۔ ایسا شخص کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ سیدھا چلنے والا ہی صراطِ مستقیم پر ہے۔ تو یہ گویا مومن اور کافر کی مثال بیان کی گئی ہے۔ جو لوگ آج ہدایت کی طرف سے اوندھے منہ چل رہے ہیں کل قیامت کے دن دوزخ میں اوندھے منہ جائیں گے۔

Marfat.com

حضور علیہ السلام نے فرمایا، قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کافروں کو منہ کے بل دوڑائیں گے لوگوں نے تعجب کا اظہار کیا۔ کہ منہ کے بل کس طرح دوڑیں گے، فرمایا اِنَّ الَّذِیْ اَمْشٰی عَلَی الْاَقْدَامِ یعنی جو خدا تعالیٰ پاؤں پہ دوڑا سکتا ہے، وہ سر کے بل بھی دوڑائے گا۔ سر کے بل دوڑتے ہوئے جہنم میں جا گریں گے۔

توحید اور معاد دونوں کا بیان اللہ تعالیٰ نے فرما دیا۔ اور مزید قدرت کی بہت سی نشانیاں بیان فرمائیں تو گویا توحید، معاد اور رسالت تینوں مسائل سمجھا دیئے۔

Marfat.com

درس چہارم

آیت ۲۳ تا ۲۴

قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

ترجمہ :- اے پیغمبر علیہ السلام آپ کہہ دیجئے اللہ کی ذات وہ ہے جس نے تم کو بنایا ہے۔ تمہارے لیے کان آنکھ اور دل بنائے۔ کہ تم بہت ہی کم شکریہ ادا کرتے ہو ﴿۲۳﴾ آپ فرما دیجئے کہ خدا کی ذات وہ ہے جس نے تم کو زمین میں بکھیر دیا تم سب اس کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے۔ ﴿۲۴﴾

انسانی وجود کی نعمت

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی چند نشانیاں بیان کی گئی ہیں اور ان کو توحید اور قیامت پر دلیل بنایا گیا ہے اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کی دلیل کے طور پر اور بھی کئی نشانیاں بیان فرمائی ہیں ساتھ ساتھ انسان سے یہ مطالبہ بھی کیا جا رہا ہے۔ کہ وہ خدا کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرے۔ فرمایا قُلْ اے پیغمبر علیہ السلام آپ کہہ دیجئے هُوَ الَّذِيْ اللہ کی ذات وہ ہے اَنْشَاَكُمْ جس نے تم کو بنایا ہے۔ انشاء کا معنی ایجاد کرنا، بنا کر کھڑا کر دینا یعنی وجود کی نعمت عطا فرمائی۔ تمہارا وجود ذاتی نہیں ہے۔ تم کو اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے۔ تمہارا وجود اور جسم اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے اسی نے بنایا ہے۔

کان، آنکھ اور دل

وجود کی نعمت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ تمہارے لیے کان آنکھ اور دل بنائے۔ ان تین چیزوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر کیا۔ انسان کے جسم میں یہ تینوں چیزیں بڑی نعمت ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے خاص احسانات میں سے ہیں۔ کہ وجود کے بعد انسان کو کان، آنکھ اور دل عطا فرمائے۔

حواس خمسہ

حواس خمسہ تو پانچ ہیں مگر اس مقام پر ان میں سے صرف تین کا ذکر کیا۔ حواس خمسہ میں سننے دیکھنے، سونگھنے، چکھنے اور ٹٹولنے کی طاقت شامل ہے، چھونے کی طاقت اللہ تعالیٰ نے جسم کے سارے حصوں میں رکھی ہے۔ جسم کے جس حصے کے ساتھ چاہے، انسان چھو کر، ٹٹول کر معلوم کر سکتا ہے۔ اور سختی اور نرمی کا پتہ چلا سکتا ہے۔ چکھنے کی طاقت اللہ تعالیٰ نے صرف زبان

Marfat.com

میں رکھی ہے کہ منہ اور زبان کے ذریعے انسان چکھ کر کسی چیز کا ذائقہ معلوم کر سکتا ہے۔ کہ کڑوا ہے یا میٹھا ہے۔ اِسی طرح ناک کے ذریعے انسان سونگھ کر خوشبو یا بدبو والی چیز معلوم کر سکتا ہے۔ یہ قوت اللہ تعالیٰ نے صرف ناک میں رکھی ہے۔

حصولِ علم کے ذرائع

تو حواس خمسہ میں سے مذکورہ تین چیزیں چھوڑ کر یہاں صرف کان اور آنکھ کا ذکر فرمایا کیونکہ یہ دونوں چیزیں حصول علم کا ذریعہ ہیں۔ حواس خمسہ میں سے یہ کان اور آنکھیں ہی ہیں جو حصول علم کا بڑا ذریعہ ہیں، انسان کو جو معلومات حاصل ہوتی ہیں وہ کان اور آنکھوں کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہیں۔

قلب جسم کا مرکز ہے

باقی رہا دل، تو اس میں اللہ تعالیٰ نے بڑے کمالات اور حکمتیں رکھی ہیں، یہ حصہ جسم انسانی کا مرکز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قلب کی شراکت دماغ کے ساتھ جوڑی ہے۔ لیکن بہر حال قوت اور اخلاق کا مرکز قلب ہے۔ انسان جو بھی اعمال سرانجام دیتا ہے۔ اسی میں قلب کے عزائم ارادے اور نیت کارفرما ہوتی ہے۔

حضور علیہ السلام نے قلب کو تمام انسانی جسم کا مرکز قرار دیا، فرمایا کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے۔ اِذَا فَسَدَ فَسَدَ کُلُّہٗ وَاِذَا صَلَحَ صَلَحَ کُلُّہٗ جب وہ درست ہو تو سارا جسم درست ہوتا ہے۔ اگر وہ بگڑا ہوا ہو تو سارا جسم بگڑا ہوا ہوتا ہے۔ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ وہ لوتھڑا قلب ہے اگر قلب کے اندر فساد ہو تو سارا جسم فاسد ہو گا جسم کا کوئی حصہ صحیح نہیں رہیگا اور اگر قلب کی حالت صحیح ہے تو سارا جسم درست ہو گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے قلب کو مرکز قرار دیا ہے۔ انسان جو بھی اعمال کرتا ہے تمام قوتوں کا مرکز قلب ہے۔

تو یہ دو چیزیں یعنی کان اور آنکھ حصول علم کا ظاہری ذریعہ ہیں۔ اور قلب بحیثیت مرکز کے، ایمان اور محبت بھی اس میں ہوتی ہے، اور کفر، شرک اور نفاق بھی اسی میں ہوگا۔ اسی طرح نفرت اور عداوت بھی دل میں ہوگی۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جہاں سزا کا ذکر فرمایا وہاں یہ فرمایا کہ جہنم کی آگ بڑی سخت ہوگی۔ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ یعنی سب سے پہلے وہ دلوں پر چڑھے گی۔ کیونکہ مرکز تو دل ہے۔ اور اسی دل میں انسان نے کفر، شرک، نفاق یا بُرے عقیدے کو جگہ دی ہوئی ہے۔ تو سب سے پہلے آگ کا اثر دل پر ہوگا۔ اس کے بعد جسم پر ہوگا۔ تو قلب مرکز اخلاق اور مرکز اعمال ہے۔ اور کان اور آنکھ حصولِ علم کے

ذرائع ہیں۔ ان کے ذریعے جو چیز حاصل ہوتی ہے۔ وہ مرکز کے اندر پہنچتی ہے۔ مرکز اس کے مطابق سوچتا ہے اور پھر اعمال اور اخلاق ظاہر ہوتے ہیں۔

کان اور آنکھ کی اہمیت

تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کی نشانیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا اَنْشَاَکُمْ یعنی تم کو پیدا کیا، تم کو جسم عطا کیا، یہ خدا کا کتنا کرم اور احسان ہے اور پھر جَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ تمہیں کان اور آنکھیں دیں۔ سمع کو مقدم بیان فرمانے میں بھی مصلحت ہے۔ کہ انسان آنکھ کی نسبت کان کے ذریعے زیادہ فائدہ اٹھاتا ہے۔ اکثر و بیشتر معلومات سماعت کے ذریعے ہوتی ہیں۔ اس کی زیادہ اہمیت کی بنا پر اسے پہلے بیان فرمایا۔

حواس ظاہرہ کے اعتبار سے دوسری اہم ترین چیز انسان کے جسم میں آنکھیں ہیں، ترمذی شریف کی حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ مَنْ سَلَبْتُ کَرِیْمَتَیْہِ فَصَبَرَ فَلَمْ اَرْضَ لَہٗ ثَوَابًا دُوْنَ الْجَنَّۃِ یعنی جس آدمی کے جسم سے یہ دو چیزیں یعنی آنکھیں میں نے اٹھا لیں اور اس نے صبر کیا تو اس کو بہشت تک پہنچانے کے بغیر کسی چیز پر اکتفا نہیں کروں گا۔ میں ضرور اُس کو جنت تک پہنچاؤں گا۔ آنکھیں انسان کے جسم میں نہایت ہی عزت والی چیزیں ہیں۔

اور ہدایت کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے جہاں یہ بیان فرمایا کہ تم نے گمراہی کیوں اختیار کی ہے۔ وہاں یہ بھی فرمایا اَلَمْ نَجْعَلْ لَّہٗ عَیْنَیْنِ کیا ہم نے تمہیں آنکھیں نہیں دی تھیں۔ اگر تمہارے پاس علم نہیں تھا۔ وَلِسَانًا وَّشَفَتَیْنِ تو ہم نے تمہیں زبان اور ہونٹ عطا کیے تھے۔ تم کسی سے پوچھ لیتے جیسے عام قانون ہے۔ فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ یعنی اگر نہیں جانتے تو خود مفتی، قاضی بن کر مت بیٹھو، علم والوں سے دریافت کرو۔ وہ تم کو صحیح چیز بتلائیں گے۔ صحیح چیز پر عمل پیرا ہو کر نجات حاصل ہوگی۔ تو وہاں بھی اللہ تعالیٰ نے آنکھوں کی نعمت کا ذکر فرمایا۔ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّہٗ عَیْنَیْنِ ہم نے تمہیں دیکھنے کے لیے آنکھیں نہیں دی تھیں کہ ان کے ذریعے نشیب و فراز کو دیکھ لو۔ اور اس سے بڑھ کر حصول علم کا ذریعہ کان ہیں۔ ان کے ذریعے انسان علم حاصل کر سکتا ہے۔

لہذا قلب تو مرکز ہے۔ اور کان اور آنکھ دو اہم چیزیں ہیں۔ باقی تین چیزیں حصول علم کے

Marfat.com

اعتبار سے کمزور ہیں، لہٰذا اُن کا ذکر نہیں فرمایا اور اپنی جگہ وہ بھی خدا کی بڑی نعمتیں ہیں۔

جس کے جسم سے لمس کی حس ختم ہو جائے۔ اس کے لیے بڑی تکلیف کا باعث ہوگا۔ کیونکہ اُس سے ٹٹولنے کی طاقت ہی سلب ہو گئی۔ خدا تعالیٰ بعض لوگوں کے اعصاب اس طرح خراب کر دیتے ہیں کہ اُن کو ناک میں بدبو ہی آتی ہے۔ خوشبو نہیں آتی یہ بھی عذاب ہے۔ اسی طرح جس کے آواز کے اعصاب خراب ہو جائیں وہ بول نہیں سکتا۔ تو انسان میں کتنا نقص معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ اور قدرت تامہ کے ساتھ کیسی کیسی نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ اور یہ بڑے بڑے انعامات ہیں۔

شکر گذاری اور ناشکری

ان انعامات کا ذکر فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ کہ تم بہت ہی کم شکریہ ادا کرتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں عطا کیں تاکہ تم اس کا شکریہ کرو مگر شکریہ کرنے والے بہت ہی تھوڑے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے انعامات کا شکریہ کس طرح ادا ہو، اس سلسلہ میں امام رازیؒ، قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ اور دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت کا شکریہ ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے ——————— کہ اُس نعمت کو رضائے الٰہی میں صرف کرے اگر ایسا نہیں کرے گا تو ناشکری ہوگی۔ تو مطلب یہ ہے کہ اپنی آنکھ، کان، زبان اور جسم کو خدا تعالیٰ کے رضا کے کام میں لگاؤ، ناراضگی کے کام میں مت لگاؤ۔ حکماء عام طور پر یہی تعریف کرتے ہیں، کہ نعمت کو اُس کام میں لگاؤ جس مقصد کے لیے وہ دی گئی ہے۔ مگر آنکھ، کان اور دل جیسی نعمت پر بہت تھوڑے لوگ شکریہ ادا کرتے ہیں ———————

——————— اکثر و بیشتر ان نعمتوں کو خدا کی ناراضگی کے کام میں صرف کرتے ہیں۔ اگر انسان کے کان فحش باتیں، لغو گانے، کفر کی باتیں اور بیہودہ باتیں سنیں گے تو اس سے بڑھ کر اور کیا ناشکری ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ آنکھ جیسی نعمت کو ناجائز باتوں پر لگاتے ہیں۔ کسی اجنبی عورت کی طرف نگاہ اٹھانے سے منع کیا گیا ہے۔ حضور علیہ السلام نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ پہلی نگاہ اچانک ہوتی ہے۔ یہ معاف ہے۔ دوسری نگاہ معاف نہیں ہے۔ دوسری نگاہ کا مطلب یہ ہے کہ تم عمداً ایک غیر محرم عورت کو دیکھ رہے ہو، جس کی اجازت نہیں۔ اسی لیے ارشاد خداوندی ہے۔ قُلْ

Marfat.com

لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ مومن مردوں کو حکم ہے کہ اپنی نگاہ پست رکھیں اور عورتوں کو بھی حکم ہے یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ کہ وہ اپنی نگاہیں پست رکھیں۔

اگر آنکھ ان کاموں میں صرف ہوگی تو یہ ناشکر گذاری ہوگی۔ افسوس ہے کہ آنکھ ناراضگی کے کاموں میں لگ رہی ہے۔ کان کے ذریعہ فحش گانے اور بیہودہ باتیں سُنی جارہی ہیں۔ اللہ اور اللہ کے رسول کا کلام، نصیحت کی بات، اچھی بات کان میں نہیں آرہی ہے۔ تو یہ ناشکری ہی تو ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ تم ان نعمتوں کو صحیح مصرف میں نہیں لاتے لہذا تم بہت کم ہی شکریہ ادا کرتے ہو۔

زمین انسان کیلیے قرار گاہ ہے

اس کے بعد پیغمبر علیہ السلام کو خطاب ہے۔ قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ کہ آپ فرما دیجئے کہ خدا کی ذات وہ ہے جس نے تم کو زمین میں بکھیر دیا۔ کیسی یَذْرَؤُكُمْ فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان ہوا پر نہیں رہ سکتا۔ انسان جسم رکھتا ہے اس کو مکان کی ضرورت ہے، جگہ کی ضرورت ہے۔ وَلَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ۝ یعنی قیامت تک تمہارے لیے زمین ہی ٹھکانا اور قرار گاہ ہے۔ انسان ہوا پر زندگی بسر نہیں کرسکتا اگر وہاں جائے گا بھی تو عارضی طور پر۔ اصل قرار گاہ زمین ہی ہے۔ تو فرمایا کہ پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین پر بکھیر دیا۔ جس کا معنیٰ یہ ہے کہ انسان کو جگہ کی ضرورت ہے۔

انسان کے بنیادی حقوق

ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے چار چیزوں کو خاص طور پر انسان کے بنیادی حقوق میں شمار فرمایا ہے۔ یعنی کھانے کے لیے خوراک کہ اس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ پینے کا پانی کہ یہ بھی انسان کے لیے ضروری ہے، جسم ڈھانپنے کے لیے لباس اور ٹھہرنے کے لیے جگہ۔

اس کے علاوہ دو چیزیں اور ہیں جو آج بھی دنیا میں بنیادی حقوق کے طور پر تسلیم کی جاتی ہیں ان میں سے ایک صحت ہے کہ یہ بھی ایک ضروری چیز ہے۔ تندرستی کے بغیر نہ عبادت ہوسکتی ہے، نہ محنت مزدوری اور نہ ہی جہاد ہوسکتا ہے۔ دوسری چیز علم ہے۔ یہ بھی بنیادی ضرورت ہے، اس کے بغیر انسان نہ فرائض ادا کرسکتا ہے۔ اور نہ خالق اور مخلوق کے حقوق ادا کرسکتا ہے۔

تو گویا یہ چھ چیزیں ہیں۔ جنہیں آج بھی دنیا کی متمدن قومیں انسان کے بنیادی حقوق (BASIC RIGHTS) میں شمار کرتی ہیں۔ یونیسکو (UNESCO) اور دیگر عالمی ادارے سب ان کو

Marfat.com

تسلیم کرتے ہیں۔

یہ بنیادی حقوق تو قرآن نے بتائے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بنیادی چیزیں ہر آدمی کو اپنے اپنے درجے میں ضرور ملنی چاہئیں۔ سر چھپانے اور گرمی سردی سے بچنے کے لیے اگر عالیشان بلڈنگ نہ بھی ہو تو چھوٹا موٹا مکان تو ضرور ہونا چاہیئے۔ بالکل کھلی جگہ تو نہیں ہونی چاہیئے اسی طرح خوراک کیسی بھی ہو، مگر میسر تو ہو۔ اسی طرح کپڑا بھی ایسا تو ہونا چاہیئے۔ جو جسم کو ڈھانپ لے اور گرمی سردی سے بچا سکے۔

دینی تعلیم کی اہمیت

انسان کے لیے تعلیم بھی ضروری ہے۔ خصوصاً ایسی تعلیم جس کے بغیر انسان فرائض ادا نہیں کر سکتا۔ آج کل تعلیم عام ہے مگر بہت قلیل حد تک۔ ہمارے ملک میں چونکہ تعلیم لازمی نہیں ہے۔ اس لیے تعلیم یافتہ افراد کی تعداد بیس پچیس فیصد سے زیادہ نہیں۔ ستر پچھتر فیصد لوگ آج بھی بغیر تعلیم کے ہیں۔ اور یہ جو پچیس فیصد تعلیم ہے بھی، یہ بھی دنیاوی تعلیم ہے۔ الف لکھنا پڑھنا اور حساب کتاب۔ دینی تعلیم تو ایک فیصدی بھی بمشکل ہوگی۔ جس کے ذریعے انسان فرائض ادا کر سکتا ہے۔ انسانی دماغ کی صحیح ضرورت دینی تعلیم ہے لہٰذا یہ مقدم ہونی چاہیئے۔

ڈاکٹر اقبال مرحوم نے تعلیم پر تبصرہ کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ ہماری عورتوں کو پہلے دینی تعلیم دلانی چاہیئے اس کے بعد ایسی تعلیم جو ان کو امور خانہ داری میں مفید ہو۔ اس کے بعد تاریخ، جغرافیہ اور سائنس وغیرہ کی تعلیم دلاؤ۔ الغرض دینی تعلیم کے فقدان کی وجہ سے اصل بنیاد تو موجود نہیں۔ لہٰذا لوگوں کو اصل فرائض کا علم نہیں۔ اس لیے دینی تعلیم کو اولیت حاصل ہونی چاہیئے تاکہ انسان اپنے اصل فرائض کو سمجھ کر ان پر عمل پیرا ہو سکے۔

خلاصہ کلام

تو بہر حال ارشاد فرمایا هُوَ الَّذِی ذَرَأَكُمْ فِی الْأَرْضِ خدا کی ذات وہ ہے جس نے تم کو زمین میں بکھیر دیا۔ اور یہ انسان کے لوازمات ہیں۔ جیسا ابتداء میں فرمایا۔ اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ یعنی خدا تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے موت و حیات کو پیدا کیا لِیَبْلُوَکُمْ تاکہ تمہیں آزمائے اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا کہ تم میں اچھا عمل کون کرتا ہے۔ یعنی موت و حیات کو انسان کے امتحان کے لیے پیدا فرمایا۔ یہاں فرمایا دیکھو! انسان کو اللہ نے پیدا کیا، علم کے ذرائع عطا کیے، کان آنکھیں اور قلب دیا۔ اور پھر زمین میں بکھیر دیا۔ انسان کو ٹھکانا مہیا کیا۔

Marfat.com

خدا کے حضور پیش ہونا پڑے گا

ان تمام انعامات کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا۔ کہ اے انسان اس بات کو مت بھولنا کہ وَاِلَیۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ہ کہ تمہیں خدا کے سامنے پیش ہونا ہے۔ معاد برحق ہے۔ قیامت برحق ہے۔ ایک نہ ایک دن خدا کے حضور پیش ہو کر اپنے اعمال کا جائزہ پیش کرنا ہے۔ لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ط اللہ تعالےٰ تو جانتا ہے کہ اچھا کام کون کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ میں نے یہ سب ذرائع تم کو دیئے ہیں کہیں ان میں منہمک ہو کر معاد کو ہی نہ بھول بیٹھنا بلکہ وَاِلَیۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ۔ تم سب اُسی کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے۔ ایک نہ ایک دن امتحان ہو کر رہے گا۔ اور جزائے عمل ضرور واقع ہوگی۔

Marfat.com

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٥﴾ قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ
عِندَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٢٦﴾ فَلَمَّا رَأَوْهُ زُلْفَةً سِيئَتْ
وُجُوهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَقِيلَ هَٰذَا الَّذِي كُنتُم بِهِ تَدَّعُونَ ﴿٢٧﴾
قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكَنِيَ اللَّهُ وَمَن مَّعِيَ أَوْ رَحِمَنَا فَمَن يُجِيرُ
الْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢٨﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمَٰنُ آمَنَّا بِهِ وَعَلَيْهِ
تَوَكَّلْنَا فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٢٩﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ
إِنْ أَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوْرًا فَمَن يَأْتِيكُم بِمَاءٍ مَّعِينٍ ﴿٣٠﴾ ع

ترجمہ :۔ اور وہ کہتے ہیں کہ قیامت والا وعدہ کب پورا ہوگا۔ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو (۲۵) اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیجئے یہ علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے میں تو صرف کھول کر ڈرانے والا ہوں (۲۶) منکرین معاد جب قیامت کو اپنے قریب آتے ہوئے دیکھیں گے۔ اس دن کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے۔ اور کہا جائے گا۔ یہ وہی چیز ہے جسے تم خود طلب کرتے تھے (۲۷) اے پیغمبر علیہ السلام ان سے فرما دیجئے کہ فرض کرو اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دے یا وہ ہم پر رحم کرے تو کافروں کو عذاب الیم سے کون بچائے گا (۲۸) اے نبی علیہ السلام ان سے کہہ دیجئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے جو رحمان ہے ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور اس پر ہمارا بھروسہ ہے پس تمہیں جلدی ہی پتہ چل جائے گا کہ کھلی گمراہی میں کون ہے (۲۹) اے پیغمبر علیہ السلام ان سے فرما دیجئے فرض کرو کہ وہی ذات خداوندی اس پانی کو اگر زیادہ گہرائی میں لیجائے تو کون ہے جو تمہیں صاف و شفاف پانی مہیا کرے۔ (۳۰)

گزشتہ سے پیوستہ (ربط)

پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان انعامات کا ذکر فرمایا جو انسانوں پر کئے۔ انسان کو وجود بخشا اور اس وجود میں تین بڑی نعمتیں کان، آنکھ اور دل عطا کئے۔ کان سے سن کر انسان معلومات حاصل کرتا ہے۔ یہ علم کا بہت بڑا ذریعہ ہے، آنکھوں کے ذریعے انسان دیکھتا ہے اور اسے بہت سی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ دل اخلاق اور تمام عزائم کا مرکز ہے قوت عملیہ یہیں سے اٹھتی ہے

اور ایمان یہاں ہی ہوتا ہے۔ کفر و شرک کا تعلق بھی دِل کے ساتھ ہے۔

یہ نعمتیں عطا کر کے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا قَلِیۡلًا مَّا تَشۡکُرُوۡنَ ؕ تم بہت تھوڑا شکریہ ادا کرتے ہو۔ شکر یہ تو تب ادا ہو جب ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں صرف کرتے۔ اُن کاموں میں لگاتے جن سے اللہ راضی ہوتا ہے۔ اور ان کاموں سے بچاتے جن میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے۔

فرمایا دیکھو! اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تم کو ذَرَاَکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ زمین میں بکھیر دیا ہے۔ پہلے فرمایا اَنۡشَاَکُمۡ یعنی تم کو پیدا کیا۔ اور پھر ذَرَاَکُمۡ تم کو بکھیر دیا۔ پراگندہ کر دیا مشرق مغرب شمال، جنوب میں نسل انسانی کو پھیلا دیا۔ تمہیں زمین پر رہائش اور دیگر ضروریات اللہ تعالیٰ نے مہیا کیں۔ لہٰذا اِس بات کو مت بھولنا وَاِلَیۡہِ تُحۡشَرُوۡنَ کہ اُسی کے سامنے اکٹھے کئے جاؤ گے یہاں سے ابتدا ہوئی اور ادھر انتہا ہوگی۔ جس خدا نے تم کو پیدا کیا، اُسی کے سامنے تمہارا حشر ہوگا۔

پہلے بھی اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا کہ موت وحیات کی پیدائش اس لیے کی کہ انسان کو اُس کے اعمال کے اعتبار سے آزمایا جائے کہ اچھے عمل کون کرتا ہے اور بُرے کون۔ تو اس طرح گویا جزائے عمل واقع ہو۔ جس طرح انسان کی پیدائش یقینی امر ہے اسی طرح جزائے عمل کا واقع ہونا بھی لازمی ہے۔ جس کا موقع اور محل قیامت ہے۔ جزائے عمل حشر کے بعد واقع ہوگا۔ اگر اس سے پہلے ہوگا تو وہ صرف تمہیدی اور ابتدائی طور پر اس کا نمونہ ہوگا۔ حقیقی طور پر جزا اور سزا کا وقت حشر کے بعد ہی ہے۔

یہ بھی فرمایا کہ توحید پر ایمان لانا ضروری ہے۔ کہ اس کے بغیر کامیابی نہیں ہے۔ اسی طرح رسالت کا ذکر بھی فرما دیا۔ کہ رسول کے بتلائے بغیر قوانین معلوم نہیں ہوتے۔ اللہ تعالےٰ کی مرضیات اور نامرضیات میں امتیاز نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا رسالت پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ اسی طرح ایمان کے اجزا میں قیامت بھی ہے۔ اللہ تعالےٰ کی توحید، رسالت اور قیامت ایمان کے اہم ترین اجزا ہیں۔ اس کے علاوہ آسمانی کتب، ملائکہ اور صفات الٰہی جن میں تقدیر بھی شامل ہے، ان پر ایمان لانا بھی اسی درجہ کا ضروری ہے۔ البتہ وہ باتیں سب سے زیادہ ضروری ہیں جن کا تصور انسان ہر وقت اپنے سامنے رکھتا ہے۔ اور رکھنا بھی چاہیئے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاِلَیۡہِ تُحۡشَرُوۡنَ تم سب اسی ذاتِ خداوندی کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے۔

Marfat.com

قیامت کب آئے گی — اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے منکرین قیامت کا حال بیان فرمایا۔ وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ وہ کہتے ہیں کہ قیامت والا وعدہ کب پورا ہوگا۔ اے اہل ایمان اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ اگر یہ وعدہ سچا ہے تو پورا کیوں نہیں ہوتا۔ قیامت کیوں نہیں آتی۔ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو قیامت کو لاکر دکھاؤ۔ قرآن پاک میں دیگر مقامات پر بھی کفار کا یہ اعتراض مذکور ہے کہ اگر یہ وعدہ سچا ہے تو اسے پورا ہونا چاہیئے۔ آخر یہ کب پورا ہوگا۔

وقوع قیامت کا علم صرف اللہ کو ہے — جواب میں ارشاد ہوا قُلْ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم آپ کہہ دیجئے اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ یہ علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے مجھے وقوع قیامت کا علم نہیں ہے مجھے تو اللہ نے صرف اتنا علم دیا ہے کہ قیامت آنے والی ہے۔ میں اس کے متعلق تم کو ڈراتا ہوں، خبردار کرتا ہوں۔ رہا وقت کا تعین تو وہ میرے علم میں نہیں۔ وہ اللہ کے پاس ہے اور اُس نے کسی کو نہیں بتایا۔ ہمارے لیے اتنی ہی بات کافی ہے کہ قیامت آنے والی ہے جس کی ہمیں فکر کرنی چاہیئے۔

قیامت اچانک وارد ہوگی — دوسری جگہ فرمایا ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ایک بڑی بھاری اور بوجھل خبر ہے اور یہ تمہارے پاس اچانک ہی آئے گی۔ لوگ غفلت میں پڑے ہوں گے اور قیامت اچانک (بغتۃً) آجائے گی۔ ایک اور جگہ فرمایا هُوَ نَبَاٌ عَظِيْمٌ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ بہت عظیم خبر ہے اور تم غفلت میں پڑے ہوئے ہو، تمہیں غفلت میں نہیں پڑنا چاہیئے۔

اور کہیں ارشاد ہوتا ہے۔ عَمَّ يَتَسَاءَلُوْنَ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ایک بڑی خبر کے متعلق۔ اَلَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ جس کے متعلق یہ اختلاف کرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے۔ قیامت کوئی نہیں ہے۔ کوئی کہتا ہے، شاید آجائے۔ فرمایا وَيْلٌ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے تباہی اور بربادی ہے۔

حدیث جبریل — حدیث جبریل میں آتا ہے۔ کہ جبریل علیہ السلام نے حضور علیہ السلام سے ایمان، اسلام اور احسان کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے تینوں سوالوں کا جواب دیا، پھر چوتھا سوال کیا مَتَى السَّاعَةُ۔ حضور! یہ فرمایئے قیامت کب آئے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ یعنی یہ بات جیسا سائل کو معلوم نہیں ایسے ہی مسئول کو بھی معلوم نہیں اس کا علم نہ تیرے پاس ہے، نہ میرے پاس، بلکہ صرف اللہ کے پاس ہے اور اس نے کسی پر ظاہر نہیں کیا۔ عِنْدَهٗ

عِلْمُ السَّاعَةِ قیامت کا علم صرف خدا تعالیٰ کے پاس ہے۔ یہ خاص چیزوں میں سے ہے۔ اس کے وقوع کی گھڑی کسی کو نہیں بتائی۔

قیامت کی نشانیاں

ہاں قیامت کی بعض نشانیاں بتا دیں جو قیامت سے پہلے واقع ہوں گی۔ خود پیغمبر علیہ السلام کا وجود مبارک قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا اَنَا وَالسَّاعَةُ کَھَاتَیْنِ میں اور قیامت اس طرح آگے پیچھے ہیں جیسے یہ دو انگلیاں ایک تھوڑی سی آگے بڑھی ہوئی ہیں۔ اور ایک ذرا پیچھے ہے۔ مراد یہ ہے اب کوئی اور شریعت نہیں آئیگی بلکہ قیامت ہی آئے گی۔ دوسری جگہ ہے کہ آپ فرما دیجئے میں نہیں جانتا اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ مجھے معلوم نہیں کہ وہ قریب ہے یا بعید، یہ تو اللہ ہی جانتا ہے۔ ہمیں تو اتنا ہی علم ہے کہ وہ یقیناً آنے والی ہے۔

الغرض نبی علیہ السلام کو ارشاد ہے۔ کہ آپ فرما دیجئے کہ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰہِ کہ وقوع قیامت کا علم اللہ کے پاس ہے۔ اور اس سلسلے میں اِنَّمَا اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ میں تو صرف کھول کر ڈر سنانے والا ہوں میرا فریضہ اتنا ہی ہے کہ قیامت کے آنے کی خبر دے دوں، اس کے وقت کا تعین میرے اختیار میں نہیں ہے۔ وہ اللہ کے پاس ہے۔ وہی اس کو جانتا ہے۔

قیامت میں کفار کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے

فَلَمَّا رَاَوْہُ زُلْفَةً منکرین معاد جب قیامت کو اپنے قریب آتے ہوئے دیکھیں گے سِیْٓئَتْ وُجُوْہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اس دن کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے۔ جیسا کہ دوسری آیات کے اندر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے۔ نیز فرمایا وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ عَلَیْھَا غَبَرَةٌ اس دن چہرے غبار آلود ہوں گے۔ تَرْھَقُھَا قَتَرَةٌ ان پر سیاہی چڑھی ہوئی ہوگی۔ اور بعض چہرے بڑے خوش خوش ہوں گے مُّسْتَبْشِرَةٌ نورانی ہوں گے سفید ہوں گے چمکدار ہوں گے اور خوشی کرنے والے ہوں گے۔ بعض دوسرے چہروں پر کفر کی سیاہی نمایاں ہوگی اور ان پر خوف طاری ہو گا۔

اُس دن اللہ کا وعدہ پورا ہو جائے گا

اور کہا جائے گا۔ ھٰذَا الَّذِیْ کُنْتُمْ بِہٖ تَدَّعُوْنَ ہ یہ وہی چیز ہے جسے تم خود طلب کرتے تھے۔ لو! یہ قیامت آگئی ہے تو اس طرح قیامت کے روز اللہ کا وعدہ پورا ہو جائیگا

الغرض اللہ تعالیٰ نے توحید کا ذکر کیا۔ صفاتِ الٰہی کو بیان فرمایا، بنیادی عقائد بمنجملہ رسالت اور قیامت کا بیان فرمایا۔ اور پھر اعتراض کرنے والے لوگوں کا جواب دیا اور ان کے انجام کو واضح کیا

ان کی گندی ذہنیت کا تجزیہ بھی کیا۔ اب کفار الٹی سیدھی باتیں کرتے ہیں کہ قیامت کب آئے گی۔

قیامت کیلئے تیاری

حضور نبی کریمؐ سے ایک دیہاتی نے سوال کیا کہ حضرت یہ فرمائیں مَتَی السَّاعَةُ قیامت کب آئے گی۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا وَیْحَكَ مَا اَعْدَدْتَ لَهَا افسوس ہے تو نے قیامت کے لیے کیا تیاری کی ہے۔ کہ اُس کے متعلق دریافت کرتا ہے۔ عرض کیا حضور! میں نے کوئی زیادہ سامان تو تیار نہیں کیا، صرف فرائض وغیرہ ہی ادا کرتا ہوں۔ عبادت و ریاضت کا کوئی اور سامان تو میرے پاس نہیں ہے یعنی میرے نامہ اعمال میں نفلی عبادت اور نفلی روزے وغیرہ کا ذخیرہ تو نہیں ہے۔ البتہ ایک بات ضرور ہے۔ اِنِّی اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت ضرور رکھتا ہوں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا تم بے فکر ہو جاؤ اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ جن کے ساتھ تم محبت رکھتے ہو۔ تمہارا حشر انہیں کے ساتھ ہو گا۔ خصوصی اعمال میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت بڑی خوشی کی بات ہے۔

کفار عذاب سے نہیں بچ سکیں گے

توحید، رسالت اور معاد پر ایمان لانے کی بجائے کفار کہتے تھے۔ کہ یہ محض شور و غوغا ہے۔ چند دن بعد یہ سب ہلاک ہو جائیں گے، مزید کچھ بھی نہیں ہو گا۔ ان کی موت کے ساتھ ان کا دھندا بھی ختم ہو جائے گا۔ قیامت وغیرہ کچھ نہیں آئے گی۔ اس کے جواب میں اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اے پیغمبر علیہ السلام ان سے فرما دیجئے کہ فرض کرو کہ اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دے جیسا کہ تمہارا خیال ہے اَوْ رَحِمَنَا یا وہ ہم پر رحم کرے جیسا کہ ہمارا اعتقاد ہے۔ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ تو کافروں کو عذاب الیم سے کون بچائے گا۔

کفار کہتے تھے شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ شاعری کرتے ہیں ہم چند دن اور انتظار کریں گے جیسے پہلے شاعر مر کھپ گئے۔ اور ان کا مشن چلانے والا کوئی نہیں ہے اسی طرح یہ بھی ختم ہو جائیں گے۔ اور ان کا مشن کامیاب نہیں ہو گا۔ جواب میں فرمایا کہ فرض کرو اگر ایسا بھی ہو جائے تو اس سے کافروں کو کیا فائدہ پہنچے گا۔ ہمارے ہلاک ہو جانے سے یا ہم پر رحم کئے جانے سے کفار کے عذاب میں کوئی فرق نہ پڑے گا بہرحال انہیں عذاب سے چھڑانے والا اور پناہ دینے والا کوئی نہیں ہو گا۔

Marfat.com

گمراہ کون ہیں

آگے ارشاد فرمایا، اے نبی علیہ السلام! قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ ان سے کہہ دیجئے کہ وہ اللہ تعالےٰ کی ذات ہی ہے جو رحمان ہے۔ وہ ہم پر رحم کرے گا۔ کیونکہ اٰمَنَّا بِهٖ ہم اس پر ایمان لائے ہیں، اس کی صفات، اور اس کی وحدانیت پر ہمارا ایمان ہے، اس پر ہمارا بھروسہ ہے۔ اُسی کے ہاتھ میں کامیابی ہے۔ وہ یقیناً ہمیں کامیابی عطا کرے گا۔ فَسَتَعْلَمُوْنَ پس تمہیں جلدی ہی پتہ چل جائیگا۔ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ٥ کہ کھلی گمراہی میں کون ہے۔ کیا ہم ہیں جو ایمان لائے یا تم ہو جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا اور توحید و معاد کا انکار کیا۔ عنقریب اس بات کا فیصلہ ہو جائے گا۔

اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا، ایمان مدار نجات، مدار سعادت اور مدار فلاح ہے۔ ہم تو خدا کی ذات پر ایمان لائے ہیں، اُسی پر توکل اور بھروسہ ہے۔ اہل ایمان کو اسی اعتقاد کے مطابق عمل کرنا چاہیئے۔

شفاف پانی کی بہم رسانی نعمتِ عظمیٰ ہے

اس کے بعد اللہ جل جلالہ نے دلائل قدرت میں سے ایک اور دلیل کا ذکر فرمایا۔ ارشاد ہوا کہ وہ اللہ تعالےٰ جس نے تمہیں وجود بخشا، زمین بخشی، جگہ دی، تمام ضروریات مہیا کیں، وہ اگر اس پانی کو جس پر تمہاری زندگی کا دارومدار ہے "زمین کی گہرائی میں لے جائے قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا حالانکہ اس نے اپنی کمال قدرت اور حکمت تامہ کے ساتھ اس پانی کو بارش کی صورت میں برسا کر زمین کے اندر چلا دیا ہے۔ اور انسان تھوڑی سی محنت کر کے زمین کھود کر پانی حاصل کر لیتا ہے۔ کہیں کنواں ہے۔ کہیں نلکا ہے کہیں تالاب ہیں۔ نہریں جاری کر دیں۔ کہیں چشمے پھوٹ پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے پانی جیسی نعمت کو بغیر پائپ لائن کے زمین کے اندر جال کی صورت میں پھیلا دیا کہ انسان جہاں سے چاہے کھود کر پانی حاصل کرے۔ یہی نہیں بلکہ فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ زمین میں چشمے جاری کر دیئے، اسے گلنے سڑنے سے محفوظ کر دیا۔ تو فرض کرو کہ وہی ذات خداوندی اس پانی کو اگر وہ زیادہ گہرائی میں لیجائے جو تمہاری دسترس سے باہر ہو تو بتلاؤ فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ٥ تو کون ہے جو تمہیں صاف و شفاف پانی مہیا کرے۔

تجربات شاہد ہیں کہ بعض مقامات ایسے ہیں جہاں پانی حاصل کرنے کے لیے بہت زیادہ کھدائی کرنی پڑتی ہے۔ عرب کے بعض خطوں میں پانی حاصل کرنے کے لیے سخت محنت اور بہت زیادہ صرفہ کرنا پڑتا ہے۔ یہاں بھی کئی مقامات ایسے ہیں جہاں پانی کئی کئی سو فٹ گہرا ہے۔ ہمارے ہاں تو دس بیس فٹ پر پانی مل جاتا ہے۔ زمین بھی نرم ہے۔ مگر جہاں زمین پتھریلی اور پانی دور ہو وہاں بہت زیادہ

Marfat.com

محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔

اسی لیے فرمایا کہ صاف وشفاف پانی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمتِ عظمیٰ ہے جو اس نے فری عطا کی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کو زمین میں چار پانچ میل کی گہرائی تک دھنسا دے تو تمہارے معبودوں میں سے کون ہے۔ جو تمہیں پانی مہیا کر دے۔ دوسری جگہ پر اللہ تعالےٰ نے روشنی کا بھی اسی طرح ذکر فرمایا کہ اگر وہ سورج کو روک دے تو تمہارے پاس کوئی ہے جو روشنی کو لے آئے۔

ایک فلسفی کا انجام

تفسیر جلالین دو بزرگوں نے لکھی ہے۔ پندرہ پارے جلال الدین سیوطیؒ نے اور پندرہ پارے جلال الدین محلّیؒ نے۔ جناب محلّیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں ایک فلسفی سائنس دان کا واقعہ نقل کیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ کون پانی لائے گا تو اس فلسفی نے کہا کہ ہم کہتے ہیں، ہمارا کدال پانی لائے گا، یہ بیلچہ پانی لائے گا۔ ہم ان کی مدد سے زمین کھود کر پانی حاصل کر لیں گے۔ تو مولانا جلال الدین محلی رح فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس فلسفی کو اندھا کر دیا اور اس کی قوت ظاہری سلب کر لی کیونکہ اس نے غرور و تکبر کیا تھا۔ اگرچہ سزا کا اصل موقع تو حشر ہے مگر بعض اوقات اللہ تعالیٰ عبرت کے طور پر دنیا میں بھی ایسے مغروروں کو نمونہ کے طور پر سزا کا کچھ حصہ دے دیتا ہے۔

اختتام آیت پر اللہ رب العلمین

حدیث شریف میں آتا ہے۔ جب یہ آیت پڑھی جائے فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ تو اس کے بعد کہنا چاہیے اَللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ۔ اگر آدمی نماز کی حالت میں ہو تب بھی آہستہ سے یہ الفاظ کہہ لے اَللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ آیت کے اختتام پر پڑھنا مستحب ہے گویا یہ اس آیت پاک کا جواب ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے۔ کہ کون ہے جو تمہارے پاس پانی لے آئے تو پڑھنے والا یا سننے والا یوں کہے کہ وہ اللہ رب العلمین ہی ہے۔ جو پانی جیسی نعمت عظمیٰ کو مہیا کر سکتا ہے۔

(واللہ اعلم بالصواب)

Marfat.com

سورة القلم

Marfat.com

درس اوّل

آیت ا تا ۷

سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اِثْنَتَانِ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ قلم مکی ہے۔ یہ باون آیات اور اس میں دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ﴿۱﴾ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲﴾ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ﴿۳﴾ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿۴﴾ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ﴿۵﴾ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ﴿۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۷﴾

ترجمہ: قسم ہے قلم کی اور جو کچھ قلم کے ساتھ لکھتے ہیں ① اے نبی علیہ السلام آپ اپنے رب کے فضل سے دیوانے نہیں ہیں ② آپ کے لیے بے انتہا اور کبھی نہ ختم ہونے والا اجر ہے ③ بے شک آپ بہت بڑے اخلاق پر ہیں ④ آپ بھی عنقریب دیکھ لیں گے اور یہ معترضین بھی دیکھ لیں گے ⑤ کہ تم میں سے کون فتنے میں ڈالا گیا ہے ⑥ تیرا رب خوب جانتا ہے جو اس کے راستے سے بہک گیا اور وہ خوب جانتا ہے ان لوگوں کو بھی جو ہدایت کے راستے پر چل رہے ہیں ⑦

وجہ تسمیہ اور کوائف

اس سورۃ کی پہلی آیت میں قلم کا لفظ مذکور ہے۔ اور اسی وجہ سے اس سورۃ کا نام سورۃ قلم ہے۔ اس سورۃ کی باون آیات، تین سو الفاظ اور ایک ہزار دو سو چھپن حروف ہیں۔ اس سے پہلی سورۃ "ملک" کی تیس آیات تھیں اور اس کی باون آیتیں ہیں۔

مضامین سورۃ (ربط)

اس سے پہلی سورۃ میں توحید، ذات خداوندی، دلائل توحید، جزائے عمال اور ضمناً رسالت کا ذکر تھا۔ اس سورۃ میں زیادہ تر رسالت کا تذکرہ ہے۔ جزائے اعمال اور قیامت کا ذکر بھی ہے۔ پہلی سورۃ میں توحید کے دلائل زیادہ تھے، اس میں نبوت اور رسالت پر اعتراضات کے جواب

Marfat.com

دیے گئے ہیں۔ اُن کا رد کیا گیا ہے اور تنبیہ کی گئی ہے۔ خاص طور پر مکے کے خوشحال لوگوں کو متنبہ کیا گیا ہے۔ ایک خوشحال باغ والوں کا ذکر ہے جن کی نافرمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے عطا کردہ نعمت اُن سے چھین لی۔

دوسری طرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ طعن کرنے والوں کی وجہ سے زیادہ پریشان نہ ہوں، بلکہ صبر کریں اور برداشت سے کام لیں۔ آخر میں مچھلی والے نبی کا ذکر کیا گیا ہے کہ انہوں نے بے صبری سے کام لیا تھا لہٰذا وہ آزمائش میں مبتلا ہو گئے۔ اس مثال سے نبی علیہ السلام کو صبر کی تلقین کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ قیامت اور اس میں پیش آنے والے بعض حالات کا بیان بھی ہے۔

زمانۂ نزول

یہ سورۃ اُن سورتوں میں سے ہے، جو ابتدائے نبوت میں نازل ہوئیں بعض فرماتے ہیں کہ نزول کے لحاظ سے اس کا تیسرا نمبر ہے۔ پہلے نمبر پر سورۃ علق کی پہلی پانچ آیات نازل ہوئیں۔ اس کے متصل بعد سورۃ فاتحہ نازل ہوئی، اور جبرائیل علیہ السلام نے آپؐ کو وضو کا طریقہ بتایا۔ اور آپؐ نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ دوسرے نمبر پر سورۃ مزمل کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ اس کے بعد تیسرا نمبر اس سورۃ مبارکہ کا ہے اگر سورۃ فاتحہ کو الگ شمار کریں تو اس کا چوتھا نمبر ہوگا۔

نماز کی ابتداء

پہلی وحی کے بعد دوسرے روز آپ نے نماز ادا کی۔ اس نماز میں آپ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ، حضورؐ کے منہ بولے بیٹے زیدؓ اور آزاد کردہ لونڈی ام ایمنؓ تھے۔ یہ آپ کے والد ماجد کی لونڈی تھی جسے آپؐ نے آزاد کر دیا تھا۔ اس نے آپ کو گود میں کھلایا تھا اور آپ کے لیے بمنزلہ ماں کے تھی۔ آپؐ اس کا بڑا احترام فرماتے تھے بچوں میں حضرت علیؓ بھی حضور کے ساتھ نماز میں شریک تھے۔

کفار کا اعتراض

مکہ کے اکثر و بیشتر لوگ جاہل تھے۔ حضور علیہ السلام کا نماز پڑھنا ان کے لیے عجیب بات تھی وہ اسے عجیب و غریب حرکات خیال کرتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے شروع میں ہی یہ طعنہ دیا کہ یہ لوگ پاگل اور مجنون ہو گئے ہیں جو ایسی حرکتیں کرتے ہیں۔ آپؐ کو مجنون کا خطاب اسی دور میں دیا گیا۔

عقیدہ توحید سے انحراف

شاہ ولی اللہؒ اپنی مشہور کتاب "الفوز الکبیر" میں لکھتے ہیں، اگرچہ نماز اور طہارت کا طریقہ عربوں میں معروف تھا۔ مگر عام لوگ جاہل تھے۔ ان کا عقیدہ بگڑ چکا تھا۔ حضور علیہ السلام کی بعثت

سے چار سو سال پہلے تک لوگ مؤحد تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین پر تھے ۔ یہ قریش کے جدِ امجد قصی ابن کلاب کا زمانہ تھا۔ اُس کے بعد عربوں کے ایک شخص عمرو بن لحیؓ نے بت پرستی سیکھی اور یہاں آکر رائج کی۔ اور پھر عقیدہ توحید میں ایسا بگاڑ پیدا ہوا، کہ سارے عرب میں توحید پرست کوئی اکا دُکا آدمی ہی نظر آتا تھا۔

توحید کی رمق

مکہ کی اتنی بڑی آبادی میں صرف ایک شخص ورقہ بن نوفل کا نام ملتا تھا۔ اس نے پہلی کتابوں کا علم سیکھا تھا اس لیے کسی حد تک توحید پرست تھا۔ اس کے علاوہ زید بن عمرو بن نفیل کا نام ملتا ہے ۔ زید حضرت سعیدؓ کے والد تھے جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ حضور علیہ السلام نے دس آدمیوں کو ایک ہی مجلس میں بہشتی ہونے کی بشارت دی تھی۔

یہ زید ابن عمرو بن نفیل خانہ کعبہ کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھتے تھے۔ اُس وقت حالت یہ تھی کہ ہر طرف بت ہی بت تھے ۔ بتوں کا طواف ہو رہا ہے، صفا، مروہ کے درمیان بت رکھے ہیں، مشلل کے مقام پر بڑے بڑے بت تھے۔ کعبے کی دیواروں پر، چھت پر، مقام ابراہیم پر، الغرض چاروں طرف بت ہی بت تھے ۔ اس حالت میں زید بن عمرو حقیقت سے تو بے خبر تھے۔ مگر کہتے تھے کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے، غلط ہے۔ شرک ہو رہا ہے۔ مگر وہ شرک سے بیزار تھے۔ مشرکوں کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا بھی نہیں کھاتے تھے۔ کہتے تھے یہ غیر اللہ کے نام پر، لات و عزیٰ کے نام پر کاٹتے ہیں، لہذا میں اسے نہیں کھاؤں گا۔ جیسا کہ حضور علیہ السلام بھی مشرکین کا ذبیحہ نہیں کھاتے تھے۔ ہاں اگر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو تو استعمال کر لیتے تھے۔

تو گویا اس گئے گذرے زمانے میں بھی ایسے اکا دُکا آدمی نظر آتے تھے۔ جن میں توحید کی رمق کسی حد تک باقی تھی، ورنہ ۹۹۹ آدمی مشرک ہی تھے

کفار کے طعن کا جواب

ان حالات میں جب مشرکین مکہ حضور علیہ السلام کو وضو کرتے، کھڑے ہوتے، رکوع کرتے، سجدہ کرتے دیکھتے تھے تو کہتے تھے فلاں آدمی پاگل ہو گیا ہے ۔ اُس کے ساتھ دوسرے بھی شریک ہو گئے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں کفار مکہ اور مخالفین کے اعتراض کا رد فرمایا ہے۔

حرف نٓ کے مختلف معانی

اس سورۃ کو نٓ کے حرف سے شروع کیا۔ جیسے الٓمٓ، کٓھٰیٰعٓصٓ بعض سورتوں کی ابتدا میں یہ حروف آتے ہیں، اور حروف مقطعات کہلاتے ہیں اس مقام پر نٓ سے دو معانی مراد

Marfat.com

پیسے گئے ہیں۔ ن کا ایک معنی مچھلی ہے اور اس سورۃ کے آخر میں مچھلی والے پیغمبر کا ذکر ہے۔ اور ان کے حال کو سامنے رکھ کر تسلی دی گئی ہے کہ بے صبری نہ کرو وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ (اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیں) صبر و اطمینان سے کام لیں یہ کفا طعن کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے، آپ اپنا کام کرتے رہیں۔

دوسری جگہ سورۃ انبیاء میں اللہ تعالی نے صاف طور پر فرمایا وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا اور مچھلی والے پیغمبر کا حال بھی سنو، جب وہ ناراض ہو کر چلے گئے۔ ان کا خیال تھا کہ ہم گرفت نہیں کریں گے۔ مگر ہم نے ان کو آزمائش میں ڈال دیا۔ پھر ان کے ساتھ مچھلی کے پیٹ میں چلے جانے کا جو واقعہ پیش آیا۔ اللہ تعالی نے اس کا ذکر فرمایا۔ اس سورۃ میں آگے چونکہ مچھلی والے پیغمبر حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر ہے۔ لہذا حرف نٓ کو شروع میں لانے میں شاید اسی واقع کی طرف اشارہ مقصود ہو

نٓ کا دوسرا معنیٰ اس مقام پر دوات بھی ہو سکتا ہے۔ عربوں میں نٓ کا اطلاق دوات پر بھی کیا جاتا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ اور دوسرے مفسرین فرماتے ہیں سے

اِذَا مَا الشَّوْقُ بَرَّحَ بِیْ اِلَیْهِمْ　　اَلْقَتِ النُّوْنُ بِالدَّمْعِ السَّجُوْمِ

جس وقت مجھے شوق ان کی طرف ستاتا ہے۔ تو پھر دوات اپنے آنسو مسلسل بہانے لگتی ہے

یعنی جب میں قلم لے کر خط لکھتا ہوں تو دوات اپنے آنسو مسلسل بہاتی ہے۔ تو گویا قلم کے کناروں سے جو سیاہی گرتی ہے اُسے آنسوؤں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ تو گویا اس نٓ سے مراد دوات بھی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ قلم کا قریبی رابطہ دوات سے ہی ہوتا ہے۔

قلم عام و خاص معانی میں

نٓ وَالْقَلَمِ قسم ہے قلم کی وَمَا يَسْطُرُوْنَ اور جو کچھ قلم کے ساتھ لکھتے ہیں۔ اس جگہ قلم کا معنی عام بھی ہو سکتا ہے اور خاص بھی اگر اس سے خاص قلم مراد لیا جائے تو وہ تقدیر کا قلم ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالی نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور حکم دیا اُكْتُبْ مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ یعنی جو واقعات ہونے والے ہیں، سب لکھ دو، یہ قلم تقدیر ہے۔

عام قلم وہ ہے جسے لاکھوں، کروڑوں لوگ استعمال کرتے ہیں۔ یہ قلم بھی اللہ تعالے کا انعام ہے عَلَّمَ بِالْقَلَمِ یعنی اللہ تعالی نے قلم کے ذریعے لوگوں کو علم سکھایا۔ اس لحاظ سے قلم کو بڑی حیثیت حاصل ہے حکومت کا مدار دو چیزوں پر ہے یعنی قلم اور تلوار۔ اور ان دونوں میں

Marfat.com

قلم کو غلبہ حاصل ہے۔ قلم جو کچھ تحریر کرتی ہے، تلوار اس کے مطابق عمل کرتی ہے یعنی طاقت کا استعمال قلم کے حکم کے تابع ہے۔ اسی طرح دفتروں کے دفتر قلم سے لکھے جاتے ہیں علوم و معارف اور فنون وغیرہ سب قلم ہی سے احاطۂ تحریر میں آتے ہیں۔

تو یہاں پر وَمَا یَسْطُرُوْنَ سے وہ تحریر مراد ہے، جو عام لوگ لکھتے ہیں۔ اور جس کے ذریعے لوگوں نے بڑی بڑی کتابیں لکھیں یعنی عام قلم۔ یہاں پر قلم سے مراد خاص قلم یعنی تقدیر کا قلم مراد نہیں ہے

قسم اور اس کا جواب

پہلی آیت میں قلم اور اُس کے ذریعے جو لکھا جاتا ہے اُس کی قسم کا ذکر ہے۔ اگلی آیت میں اس قسم کا جواب ہے مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ یعنی اے نبی علیہ السلام! آپ اپنے رب کے فضل سے دیوانے نہیں ہیں۔ قلم اور اس سے لکھی جانے والی ہر چیز اور ساری مخلوق اس بات پر گواہ ہے کہ آپؐ دیوانے نہیں ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک جس نے جو بھی قلم سے لکھا ہے۔ اُسے ایک طرف رکھ دیں اور خاتم النبیینؐ کی زبان سے نکلا ہوا ایک جملہ ایک طرف رکھ دیا جائے تو یہ ایک جملہ ہر چیز پر بھاری ہو گا، اور پتہ چل جائے گا کہ کیا یہ پاگلوں کا کلام ہے؟

حضور علیہ السلام کا ہر فرمان علم و حکمت کا خزانہ ہے

ترمذی شریف کی روایت میں ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے ایک بچے کے ساتھ دل لگی کے لیے بطور مزاح ایک جملہ فرمایا تھا، تو اس ایک ازراہِ مزاح فرمودہ جملے سے محدثین اور فقہائے کرام نے ایک سو مسائل کا استنباط کیا۔ بھلا سوچو تو سہی کہ ایک بچے کا دل خوش کرنے کے لیے فرمائے گئے ایک جملے سے اگر اس قدر مسائل اخذ ہو سکتے ہیں تو کیا حضور علیہ السلام کا کوئی بھی فرمان بھلا پاگلوں کی باتیں ہو سکتی ہیں؟ یہ حیثیت تو نبی علیہ السلام کے اپنے کلام کی ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کا کلام قرآن پاک اپنی زبان سے ادا فرماتے ہیں، اس کا مقام کیا ہو گا۔ بھلا ایسی باتیں پاگلوں کی زبان سے نکلا کرتی ہیں؟

پھر فرمایا کہ مجنون آدمی تو کوئی صحیح کام نہیں کر سکتا۔ مگر آپ کے افعال ایسے ہیں۔ کہ دوست اور دشمن سب ان کو تسلیم کرتے ہیں۔ جس وقت تک آپ کو نبوت نہیں ملی تھی، اس وقت بھی آپ کے حالات اتنے مستقیم تھے۔ اور آپ کی ذاتِ اقدس کو اس قدر حکمت و دانائی عطا کی تھی جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

حجر اسود کی تنصیب کا کارنامہ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ابھی پینتیس (۳۵) سال کی تھی، نبوت عطا ہونے

Marfat.com

میں ابھی پانچ سال باقی تھے کہ کعبہ کی تعمیر میں تنازعہ پیدا ہو گیا۔ مسئلہ یہ تھا کہ حجرِ اسود کو اپنے مقام پر کون رکھے ہر قبیلے کا سردار اس سعادت کے حصول کا خواہشمند تھا۔ آپس میں جھگڑا فساد شروع ہو گیا۔ کسی نے مشورہ دیا کہ دنگا فساد ٹھیک نہیں ہے اس معاملہ میں کسی کو اپنا فیصل مقرر کر لو اور اس کے فیصلے کو سارے تسلیم کر لو۔ چنانچہ طے پایا کہ جو شخص کل صبح سب سے پہلے حرم شریف میں داخل ہو، وہی فیصل ہو گا دوسرے دن لوگوں نے دیکھا کہ حرم پاک میں سب سے پہلے داخل ہونے والے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ چنانچہ سب نے آپ کو اس تنازعہ میں فیصل تسلیم کر لیا۔

حضور علیہ السلام نے بطور فیصل ایسا فیصلہ صادر فرمایا کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ جب حجرِ اسود کی تنصیب کا وقت آیا تو آپ نے اپنی چادر مبارک بچھائی، اپنے ہاتھ سے حجرِ اسود اس میں رکھا اور تمام قبائل کے سرداروں سے کہا کہ وہ چادر کے کونے پکڑ لیں اور اسے تنصیب کی جگہ تک لے جائیں۔ جب وہ اُس مقام پہ پہنچے تو حضور علیہ السلام نے اپنے دستِ مبارک سے پتھر کو اٹھا کر تنصیب کی جگہ پہ رکھ دیا۔

اس فیصلے سے سب لوگ راضی ہو گئے اور کہنے لگے کہ آپ نے کمال کر دیا یعنی کمال درجے کا فیصلہ کیا۔ حکمت و دانائی سے چادر کے کونے سارے سرداروں کو پکڑا دیے اور کسی کو اعتراض کا موقع نہیں دیا۔ سب کہنے لگے رَضِینَا رَضِینَا ہم راضی ہیں، ہم خوش ہیں، یہ خوب فیصلہ ہے

حضور علیہ السلام کے لیے بے انتہا اجر

تو فرمایا کہ اے نبی علیہ السلام! یہ پاگلوں کے کام نہیں ہیں بلکہ وَاِنَّ لَکَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ ۝ یعنی آپ کے لیے بے انتہا اور کبھی نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔ آپ کے اپنے اعمال اور آپ سے علم سیکھ کر آگے سرانجام دیے جانے والے سب اعمال کا اجر آپ کو ملتا چلا جائے گا۔ پیغمبر کے اجر کی کوئی انتہا نہیں۔ تمام لوگ پیغمبر کے واسطے سے جو بھی اچھی بات سیکھیں گے اُس کا اجر پیغمبر علیہ السلام کو برابر ملتا رہے گا۔ تو گویا اس طرح پیغمبر کا اجر بے انتہا ہے۔ یہ کبھی ختم نہیں ہو گا۔

آپ کا خُلقِ عظیم

اس پس منظر میں کہ کفار آپ کو مجنوں اور پاگل کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ معاذ اللہ آپ دیوانے نہیں ہیں بلکہ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ بیشک آپ بہت بڑے اخلاق پر ہیں۔ آپ کا اخلاق بہت عظیم ہے۔ یہ کفار و مشرکین حماقت، جہالت اور تعصب کی بناء پر آپ کی ذات پر اعتراض کرتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ آپ سب سے بڑے اخلاق پہ ہیں۔ کائنات میں آپ سے

Marfat.com

بڑا اخلاق ہے ہی نہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو سب سے بڑا اخلاق اس لیے کہا گیا کہ لَمْ تَکُنْ لَهٗ هِمَّةٌ سِوَی اللّٰهِ یعنی آپؐ کے دل میں رضائے الٰہی کے سوا کوئی دوسرا مقصد ہی نہیں ہے۔ اور مخلوق کے ساتھ آپ کمال درجے کے اخلاق کے ساتھ پیش آئے۔

اب ظاہر میں آپ مخلوق کے ساتھ ہیں اور باطن میں اللہ کے ساتھ، اسی لیے لوگوں کے ساتھ کمال درجے کا معاملہ کرتے ہوئے بھی بیگانہ ہی ہیں، کیونکہ اندر کا معاملہ اللہ کے ساتھ چل رہا ہے خدا تعالیٰ کے سوا آپ کا کوئی مقصود نہیں۔ تو ظاہر آپ کا مخلوق کے ساتھ تھا اور باطن حق کے ساتھ اسی لیے آپ کا اخلاق، خلق عظیم یعنی سب سے بڑا اخلاق ہے۔ حضور علیہ السلام نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ یعنی خدا نے مجھے اس لیے بھیجا ہے کہ اچھے اخلاق کی تکمیل کر دوں۔ حضور کے اخلاق کی کوئی مثال نہیں۔ تمام نبیوں اور انسانوں میں آپ کا اخلاق سب سے بلند ہے۔ اور اسی اخلاق کو معیار مقرر کیا گیا ہے۔

حضور علیہ السلام سے قرب کا مدار اچھے اخلاق پر ہے

حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا، قیامت کے دن تم میں سے مجھ سے زیادہ قریب وہ ہوگا جس کا اخلاق اچھا ہوگا۔ اور فرمایا جنت میں بھی وہ لوگ کثیر تعداد میں جائیں، جن کے اخلاق اچھے ہونگے منافق کے بارے میں فرمایا۔ اس کا اخلاق کبھی اچھا نہیں ہوگا۔ اور اسے دین کی سمجھ کبھی حاصل نہیں ہوگی۔

امت محمدیہ کا فتنہ مال ہے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "ہر امت کا کوئی فتنہ ہوتا ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔ یہ مال میں تباہ ہوگی۔ اور ہر امت کا کوئی خاص اخلاق ہوتا ہے۔ اور میری امت کا خاص اخلاق حیا ہے۔ جب تک ان کے اندر حیا موجود رہے گی، یہ بالکل ٹھیک رہیں گے۔ جب حیا کا خلق ضائع ہو گیا، خرابی آجائے گی۔ بے حیائی پیدا ہو جائے گی۔"

مفتون کون ہے

اخلاق محمدی کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد ربانی ہے، فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ یعنی آپ بھی عنقریب دیکھ لیں گے اور یہ معترضین بھی دیکھ لیں گے بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝ کہ تم میں سے کون فتنے میں ڈالا گیا ہے۔ یہ خود پاگل ہیں جو ایسی باتیں کرتے ہیں حالانکہ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ تیرا رب خوب جانتا ہے۔ جو اس کے راستے سے بہک گیا ہے۔ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ اور وہ خوب جانتا

Marfat.com

ہے اُن لوگوں کو بھی جو ہدایت کے راستے پر چل رہے ہیں۔ یہ سب کچھ اللہ کے علم میں ہے۔ آپ ان لوگوں کے اعتراض سے نہ گھبرائیں۔

آگے مزید تسلی اور بہت سی باتیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمائی ہے۔

Marfat.com

آیت ۸ تا ۱۶

درس دوم

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٨﴾ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ﴿٩﴾ وَلَا تُطِعْ
كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ﴿١٠﴾ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ﴿١١﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ
مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿١٢﴾ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ﴿١٣﴾ اَنْ كَانَ
ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿١٤﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ
﴿١٥﴾ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ﴿١٦﴾

ترجمہ :۔ آپ ان مکذبین کی بات تسلیم نہ کریں ﴿٨﴾ یہ چاہتے ہیں کہ آپ اپنے مشن میں ڈھیلے ہو جائیں تو وہ بھی ڈھیلے ہو جائیں گے ﴿٩﴾ بات بات پر جھوٹی جھوٹی قسمیں کھانے والے اور ذلیل شخص کا کہنا مانیں ﴿١٠﴾ طعنہ دینے والا ہے چغلیاں کرتا ہے۔ ﴿١١﴾ نیکی کے کاموں سے روکتا ہے تعدی کرتا ہے گنہگار ہے ﴿١٢﴾ اکھڑ والا بھی ہے اور متہم بھی ہے ﴿١٣﴾ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مال اور بیٹے دے رکھے ہیں؟ ﴿١٤﴾ جب ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ پرانے زمانے کے قصے کہانیاں ہیں ﴿١٥﴾ ہم اس کی سونڈ پر داغ لگائیں گے۔ ﴿١٦﴾

گذشتہ سے پیوستہ (ربط)

جب اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت اور رسالت عطا فرمائی اور آپؐ نے اور آپ کے ساتھیوں نے وضو کرنا شروع کیا، نماز پڑھنا شروع کیا، تو مکہ کے مشرک سرداروں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ العیاذ باللہ یہ لوگ مجنون ہو گئے ہیں، پاگلوں کی سی حرکتیں کرتے ہیں۔ ان مشرکین میں مغیرہ، ابوجہل، اخنس بن شریق وغیرہ زیادہ پیش پیش تھے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مجنون کا لفظ استعمال کرتے تھے کہ ان کا دماغ ٹھکانے نہیں ہے، عجیب و غریب حرکتیں کرتے ہیں۔

شروع سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے اس الزام کا جواب دیا اور ثابت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے فضل و احسان سے دیوانے نہیں ہیں۔ بلکہ آپ تو بلند سے بلند اخلاق پر ہیں۔ اور ضمناً بات سمجھا دی کہ دیوانے اور مجنون حضرات کی حرکات اور ان کے کام مشوش ہوتے ہیں۔

اور حضور نبی کریم تو لوگوں کے سامنے علم، حکمت اور معرفت کی بلند ترین باتیں پیش کر رہے ہیں۔ ایسی باتیں جن کا مقابلہ کرنے سے انسان عاجز ہے۔ آپ کا اخلاق بھی بہت عالی ہے تو ایسے شخص کو دیوانہ کہنا انتہائی تعصب کو ظاہر کرتا ہے۔

مشرکین کی پیش کش

نبی علیہ السلام کو اپنے مشن سے ہٹانے کے لیے کئی پیش کشیں کی گئیں۔ مثلاً یہ کہ اگر آپ پسند کریں تو ہم آپ کے لیے اچھی سے اچھی اور حسین سے حسین عورت پیش کر سکتے ہیں۔ اگر آپ مال و دولت کے خواہشمند ہوں، تو مال مہیا کر سکتے ہیں۔ اگر آپ عمدہ خوراک اور عمدہ لباس پسند فرمائیں، تو یہ سب چیزیں پیش کر سکتے ہیں۔ اگر آپ سردار بننا پسند کریں تو ہم سب آپ کے بھائی بند ہیں، آپ کے خاندان کے لوگ ہیں، ہم آپ کو اپنا سردار تسلیم کرنے کو تیار ہیں، بشرطیکہ آپ اپنے مشن سے ہٹ جائیں۔ آپ بیشک اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں، ہم اس میں رکاوٹ نہیں بنیں گے۔ بات صرف اتنی ہے۔ کہ جن معبودوں کی ہم عبادت کرتے ہیں، آپ ان کو برا بھلا نہ کہیں، ہمیں ان کی عبادت سے نہ روکیں، ہمارا مطالبہ صرف اتنا ہے اور اس کے بدلے ہم آپ کو تمام مراعات دینے کو تیار ہیں۔

مداہنت حرام ہے

مشرکین کے مذکورہ بے ہودہ خیالات اور فضول پیش کش کے جواب میں یہ آیات نازل فرمائیں ارشاد ہوا، وَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ یعنی آپ ان مکذبین کی بات کو تسلیم نہ کریں۔ یہ اللہ تعالےٰ کی وحدانیت، قیامت اور رسالت کو جھٹلانے والے ہیں، ان کی بات نہ مانیں، کیونکہ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ یہ چاہتے ہیں کہ آپ اپنے مشن میں ڈھیلے ہو جائیں تو وہ بھی ڈھیلے ہو جائیں گے۔ یہ لوگ آپ سے مداہنت چاہتے ہیں۔ جو کہ قطعی حرام ہے۔ لہذا آپ ان کی بات نہ مانیں۔

حسن اخلاق اور مداہنت کا فرق

حسن اخلاق اور مدارات الگ چیز ہے، جبکہ مداہنت الگ۔ اول الذکر بہت اچھی چیز ہے اور مؤخر الذکر حرام ہے۔ حسن اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے۔ ہر موافق اور مخالف کے ساتھ مدارات اور حسن اخلاق کے ساتھ پیش آنا چاہیئے۔ حضور علیہ السلام نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا خَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ یعنی لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ میل جول رکھو۔ تو گویا مدارات اور حسن اخلاق مطلوب ہے اور اس پر کامیابی کا مدار ہے۔ قیامت کے روز حسن اخلاق سے زیادہ وزنی کوئی چیز نہ ہوگی۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے اَقْرَبُكُمْ اِلَیَّ اَحْسَنُكُمْ اَخْلَاقًا قیامت والے دن میرے قریب وہ لوگ ہوں گے، جن کے اخلاق اچھے ہیں۔ یہاں پر آپ کو

Marfat.com

صاف فرما دیا کہ مکذبین کی بات نہ مانیں۔ یہ آپ کو ورغلانا چاہتے ہیں۔ اپنے مشن سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ مداہنت پر آمادہ کرنا چاہتے ہیں جو کہ حرام ہے۔

یہاں اس بات کی وضاحت کر دی کہ مداہنت دین کے حقوق میں ہوتی ہے۔ جب حسن اخلاق انسان کے اپنے حقوق سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر کوئی شخص دوسرے کی عزت نہیں کرتا، اکرام نہیں کرتا تو یہ درگذر کیا جا سکتا ہے۔ کہ اس کا تعلق انسان کے اپنے حقوق سے ہے۔ برخلاف اس کے اگر کوئی شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے روکنا چاہتا ہے، تو یہ دین کا معاملہ ہے اور یہی مداہنت ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہیں لیا۔ کسی نے مارا، بُرا بھلا کہا، گالی دی، ملامت کی، آپ نے کسی سے انتقام نہیں لیا۔ یہ بھی آتا ہے کہ آپ نے اپنے ہاتھ سے کسی کو نہیں مارا سوائے جہاد کے کہ امیہ بن خلف کو اس کی گردن پر نیزہ مارا تھا جس سے اس کی موت واقع ہوئی، اور نہ آپؐ نے اپنی کسی بیوی کو اکسی خادم کو کبھی اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ اور اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہیں لیا۔ یہ آپ کا حسن اخلاق ہے ہاں اگر دین کے معاملہ میں کوئی شخص خلل انداز ہوتا تھا۔ تو آپؐ ناراض ہو جاتے تھے۔ اور ایسے ناراض ہوتے تھے۔ کہ آپؐ کے غصے کے سامنے کوئی چیز نہ ٹھہر سکتی تھی۔ جب تک کہ اس چیز کو پورا نہ کر دیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی حرمتوں میں سے کسی چیز کی بے ادبی ہو رہی ہے، یا شریعت اور دین کے خلاف کوئی بات ہو رہی ہے، تو آپ سخت غصے میں ہوتے تھے۔ تو گویا حسن اخلاق اور مداہنت میں یہی فرق ہے۔

دین کے معاملہ میں سودے بازی نہیں ہو سکتی

تو فرمایا کہ یہ لوگ چاہتے ہیں۔ کہ آپؐ مشرکین کے شرک اور ان کے معبودانِ باطلہ کا رد نہ کریں، یہی تو مداہنت ہے۔ جو کہ حرام ہے۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو گا بلکہ لوگوں کو بتایا جائے گا کہ شرک قبیح چیز ہے، اس سے بچو۔ صرف اللہ کی عبادت کرو، اس کی ذات اور صفات میں کسی کو شریک نہ بناؤ۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ آپؐ اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں اور یہ اپنے معبودان باطلہ کی۔ اور ایک دوسرے کے معاملات میں دخل نہ دیں۔ نہیں یہ سودے بازی نہیں ہو سکتی یہ دین کا معاملہ ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا پورا پورا حق ادا کیا جائے گا۔ اس معاملہ میں وَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ

یعنی اے نبی علیہ السلام ان مکذبین کی بات ہرگز نہ مانیں۔ منکرات کے خلاف سینہ سپر رہیں۔

یہ تو ایسی ہی بات ہے کہ کوئی کہے کہ بدعات اور دیگر برائیوں سے نہ روکو، جیسے کوئی کرتا ہے کرنے دو۔ کوئی سینما دیکھتا ہے، دیکھنے دو، کوئی جوا کھیلتا ہے، کھیلنے دو، کسی کو کچھ نہ کہو نہیں یہ درست نہیں ہے۔ منکرات، منہیات اور ممنوعات کے خلاف آواز اٹھانا ضروری ہے۔ اسی طرح اچھی باتوں کی طرف رغبت دلانا بھی ضروری ہے۔ ورنہ مداہنت ہوگی، جو کہ دین میں حرام ہے۔

مجنوں کہنے والے کی مذمت

ولید بن مغیرہ جس نے نبی علیہ السلام کو مجنوں کہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس ایک لفظ کے بدلے دس الفاظ سے اس کی مذمت بیان کی۔ حدیث شریف میں آتا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ رحمت نازل فرماتا ہے۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے جس شخص نے حضور کو ایک لفظ مجنون کا خطاب دیا، اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت میں دس الفاظ استعمال کئے۔

جھوٹی قسمیں کھانے والا اور ذلیل

فرمایا وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ یعنی بات بات پر جھوٹی قسمیں کھانے والے اور ذلیل شخص کا کہنا مانیں۔ زیادہ قسمیں اٹھانا ویسے بھی مکروہ ہے۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ اگر قسم کھانا ضروری ہی ہو تو اللہ کے نام کی قسم کھانا چاہیئے وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ یعنی خدا کے نام کو اپنی قسموں کا نشانہ ہی نہ بنا رکھو۔ یہ بھی قبیح فعل ہے۔ ہاں جب بعض حالات میں انسان مجبور ہو جاتا ہے۔ گواہ موجود نہیں ہوتا اور دوسرے کو یقین دلانے کے لیے قسم اٹھانا ہی پڑے تو اللہ کے نام کی ہی اٹھانا چاہیئے۔ تو فرمایا یہ شخص حلاف ہے یعنی جھوٹی قسمیں کھاتا ہے اور اپنے اعمال و کردار کے لحاظ سے مَهِينٍ یعنی ذلیل بھی ہے۔

طعنہ باز، عیب جو اور چغل خور

یہ شخص هَمَّازٍ یعنی طعنہ دینے والا ہے، ہمز کے معنی توڑنا اور طعنہ دینا جیسے وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ، ہماز طعنہ دینے والا اور لماز عیب جوئی کرنے والا۔ طعنہ بھی کسی کو نہیں دینا چاہیئے۔ یہ بھی ممنوع ہے اور مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ۔ یعنی چغلیاں کرتا ہے۔ نمیمہ کے معنے چغلی کھانا ایک کی بات دوسرے تک پہنچانا تاکہ آپس میں جھگڑا ہو۔ اس کو قتات بھی فرمایا لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ یعنی چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ یہ فساد برپا کرنے کے لیے بات ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتا ہے۔

Marfat.com

اللہ تعالےٰ نے دو قبر والوں کا حال حضور علیہ السلام پر منکشف فرمایا۔ آپؐ نے فرمایا اِن کو سزا ہو رہی ہے۔ ان میں سے ایک آدمی پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔ خواہ کپڑوں پر چھینٹے پڑ جائیں یا جسم پر مگر یہ پرواہ نہیں کرتا تھا۔ اس جرم میں سزا ہو رہی ہے۔ اور دوسرا شخص چغلی کیا کرتا تھا۔ ان دونوں عیبوں سے بچنا ضروری ہے۔ انسان چغلی سے بچ سکتا ہے۔ اور پیشاب کی نجاست سے بھی محتاط رہ سکتا ہے، کوئی مشکل بات نہیں ہے۔

نیکی سے روکنے والا اور تعدی کرنے والا گنہگار

اس شخص کی دوسری صفات یہ بیان فرمائیں کہ یہ مَنَّاعٍ لِلْخَیْرِ یعنی نیکی کے کاموں سے روکتا ہے اور مُعْتَدٍ یعنی تعدی کرتا ہے لوگوں کے حق ضائع کرتا ہے نیز اَثِیْمٍ یعنی گنہگار ہے۔ شراب بھی پی لی، بدکاری بھی کر لی۔ اور جو کچھ بھی آیا کرتا چلا گیا۔

اکڑ فوں اور متہم

یہ شخص عُتُلٍّ یعنی اکڑ والا بھی ہے۔ مغرور ہے۔ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ اور متہم بھی ہے نسل کے اعتبار سے بھی اس پر اتہام ہے۔ کہ صحیح النسل نہیں ہے۔

مال اور اولاد پر فخر

آگے ارشاد فرمایا کہ یہ شخص اس لیے اکڑ دکھاتا ہے کہ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ کہ اللہ تعالےٰ نے اس کو مال اور بیٹے دے رکھے ہیں۔ اس کے دس بیٹے تھے۔ ان میں سے تین نے اسلام قبول کیا، خالدؓ، عمارہؓ، اور ہشامؓ جب یہ مجلس میں آتے تھے بڑی رونق ہوتی تھی، دس جوان بیٹے اور مال کی فراوانی تھی۔ مال تجارت میں لگا ہوا تھا۔ ایک لاکھ اشرفیاں تجارت میں لگی ہوئی تھیں۔ جانوروں میں اونٹ اور بکریاں بھی بہت تھیں۔ جب اللہ تعالےٰ نے اس قسم کے انعامات فرمائے تو اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے تھا۔ مگر یہ شخص الٹا اکڑ دکھاتا تھا۔

پہلے لوگوں کی کہانیاں

اس شخص کی ایک مزید صفت یہ بیان کی کہ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا جب ہماری آئتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ تو کہتا ہے یہ پرانے زمانے کے قصے کہانیاں ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں پرانے زمانے کے عاد اور ثمود کی کہانیاں سناتا ہے۔ اور کبھی کہتا تھا کہ محمدؐ تم کو عاد و ثمود کی کہانیاں سناتا ہے آؤ میں تمہیں بہمن و اسفندیار کے قصے سناؤں۔ جیسے بہمن اور اسفندیار کے قصے مشہور ہیں یعنی ایرانیوں کے قصے۔ اسطورہ یونانی لفظ ہے۔ عربی میں لفظ جمع اساطیر استعمال ہوا۔ قصے کہانیاں، جسے انگریزی میں سٹوری (STORY) کہتے ہیں۔

Marfat.com

دشمنانِ دین کی ذلت و خواری

اس دشمنِ دین کی تمام تر مذمت بیان کرنے کے بعد سزا کے طور پر فرمایا سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ہم اس کی سونڈھ پر داغ لگائیں گے۔ یہ اونچی ناک یعنی سونڈھ والا اور بڑا باعزت بنا پھرتا ہے۔ ہم اس کو ذلیل و خوار کر دیں گے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضؓ اور دوسرے مفسرین بیان فرماتے ہیں کہ میدان بدر میں انصار کے ایک شخص نے اِس کی ناک پر زخم لگایا تھا۔ یہ بچ کر بھاگ نکلا۔ واپس مکہ میں آکر علاج کرتا رہا۔ زخم ٹھیک نہیں ہوتا تھا۔ آکلہ بن گیا۔ جیسا غان غرانہ (JANGRIN) ہوتا ہے۔ اور پھر اسی تکلیف سے مرگیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو خرطوم یعنی ہاتھی سے تشبیہ دی۔ خرطوم کا اطلاق خنزیر پر بھی ہوتا ہے تو اس شخص کا یہ انجام ہوا۔

إِنَّا بَلَوْنَٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ أَصْحَٰبَ ٱلْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا۟ لَيَصْرِمُنَّهَا
مُصْبِحِينَ ﴿۱۷﴾ وَلَا يَسْتَثْنُونَ ﴿۱۸﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّن
رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُونَ ﴿۱۹﴾ فَأَصْبَحَتْ كَٱلصَّرِيمِ ﴿۲۰﴾ فَتَنَادَوْا۟
مُصْبِحِينَ ﴿۲۱﴾ أَنِ ٱغْدُوا۟ عَلَىٰ حَرْثِكُمْ إِن كُنتُمْ صَٰرِمِينَ
﴿۲۲﴾ فَٱنطَلَقُوا۟ وَهُمْ يَتَخَٰفَتُونَ ﴿۲۳﴾ أَن لَّا يَدْخُلَنَّهَا ٱلْيَوْمَ
عَلَيْكُم مِّسْكِينٌ ﴿۲۴﴾ وَغَدَوْا۟ عَلَىٰ حَرْدٍ قَٰدِرِينَ ﴿۲۵﴾ فَلَمَّا
رَأَوْهَا قَالُوٓا۟ إِنَّا لَضَآلُّونَ ﴿۲۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿۲۷﴾ قَالَ
أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ﴿۲۸﴾ قَالُوا۟ سُبْحَٰنَ رَبِّنَآ
إِنَّا كُنَّا ظَٰلِمِينَ ﴿۲۹﴾ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَلَٰوَمُونَ
﴿۳۰﴾ قَالُوا۟ يَٰوَيْلَنَآ إِنَّا كُنَّا طَٰغِينَ ﴿۳۱﴾ عَسَىٰ رَبُّنَآ أَن يُبْدِلَنَا
خَيْرًا مِّنْهَآ إِنَّآ إِلَىٰ رَبِّنَا رَٰغِبُونَ ﴿۳۲﴾ كَذَٰلِكَ ٱلْعَذَابُ ۖ وَلَعَذَابُ
ٱلْءَاخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا۟ يَعْلَمُونَ ﴿۳۳﴾ ع

ترجمہ :- ہم نے ان کو محض آزمایا ہے۔ جیسے ہم نے باغ والوں کو آزمایا۔ جب انہوں نے
قسم اٹھائی کہ باغ کے پھل کو علی الصبح کاٹیں گے ﴿۱۷﴾ انہوں نے انشاء اللہ بھی نہ کہا
﴿۱۸﴾ پس پھر گیا اس باغ پر پھرنے والا تیرے رب کی طرف سے اور وہ تو گھروں میں
سوئے ہوئے تھے ﴿۱۹﴾ صبح تک ایسا ہو گیا جیسے کٹی ہوئی فصل ہو۔ پس وہ صبح سویرے
اٹھ کر ایک دوسرے کو آوازیں دینے لگے ﴿۲۰﴾ کہ چلو اپنی کھیتی کی طرف چلیں اگر تمہیں پھل
توڑنا ہے ﴿۲۱﴾ پس وہ چپکے چپکے چل دیئے ﴿۲۲﴾ تاکہ آج کوئی مسکین تمہارے پاس نہ آنے
پائے ﴿۲۳﴾ وہ صبح سویرے تیز تیز چلے کہ وہ اس بات پر قادر ہیں ﴿۲۴﴾ پس جب انہوں
نے موقع پر پہنچ کر دیکھا تو کہنے لگے ہم راستہ بھول گئے ہیں ﴿۲۵﴾ بلکہ ہم محروم ہو گئے ﴿۲۶﴾
منجھلے بھائی نے کہا کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ تم اللہ کی تسبیح کیوں نہیں کرتے

Marfat.com

(۲۸) پکار اٹھے پاک ہے ہمارا رب بیشک ہم ہی ظالم ہیں (۲۹) ایک دوسرے کو ملامت کرنے
لگے (۳۰) ساتھ یہ بھی کہنے لگے" افسوس! بیشک ہم سرکشی کرنے والے ہیں (۳۱) امید رکھتے ہیں
کہ ہمارا رب ہمارے لیے بہتر باغ تبدیل کر دے گا کیونکہ ہم خدا کی طرف راغب ہوتے ہیں (۳۲)
زا اسی طرح ہوا کرتی ہے مگر آخرت میں جو عذاب ملنے والا ہے، وہ بہت بڑا ہے۔ اگر
لوگ سمجھ جاتے۔ (۳۳)

گذشتہ سے پیوستہ

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اُن انعامات کا ذکر فرمایا، جو پیغمبر علیہ السلام پر کیے اور حید الٰہی، رسالت اور معاد کے مکذبین کے متعلق ارشاد فرمایا کہ ان کی کسی بات کو تسلیم نہ کریں ونکہ ان بے ہودہ لوگوں نے نبی جیسے عقل مند، ذہین اور سب سے بلند اخلاق والی ہستی کو العیاذ اللہ مجنون کا خطاب دیا۔ یہ مشرکین آپؐ کو مداہنت پر آمادہ کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ے ایسے لوگوں کی دس الفاظ کے ساتھ مذمت بیان کی۔ پھر فرمایا کہ یہ اس لیے غرور و تکبر کرتے ں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے مال و اولاد سے نوازا ہے۔ یہ انعامات تو شکر گذاری کا سبب بننا چاہئیں نہ تکذیب و نافرمانی کا۔ ان کے غرور کا حال بیان فرماتے ہوئے کہا کہ جب ان کے سامنے ہماری آیات ی جاتی ہیں تو کہتے ہیں، ان میں کیا دھرا ہے، یہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ سزا کے طور پر فرمایا کہ ہم ایسے لوگوں کو ذلیل کریں گے۔ ان کی ناک پر ذلت کا نشان لگا دیں گے۔

مال کی فراوانی مقبولیت کی علامت نہیں

اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے جھوٹی قسمیں کھانے والے، ں، عیب جو، چغل خور، نیکی سے روکنے والے، حد سے بڑھنے والے، پاپی اور متکبر جیسے برے ظ سے یاد کیا، اور فرمایا کہ یہ صحیح النسب بھی نہیں ہیں، ان پر یہ الفاظ یہ انعامات کیوں کئے۔ و دولت اور اولاد کی نعمت سے مالا مال کیوں کیا۔ یہ تو اس اچھے سلوک کے لائق نہ تھے، پھر کو ریاست اور سرداری کیوں عطا کی۔

اس سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ اِنَّا بَلَوْنٰھُمْ یعنی ہم نے اُن کو ں آزمایا ہے۔ مال و اولاد کی فراوانی ان کی محبوبیت اور مقبولیت کی علامت ہرگز نہیں ہے

مال و اولاد ذریعہ آزمائش ہیں

اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبولیت اور محبوبیت کی نشانی ایمان اور اعمالِ صالحہ ہیں نہ کہ مال و ت۔ اکثر و بیشتر انبیائے کرام کے حالات دنیا میں کیسے رہے۔ کیا اُن کے پاس مال و دولت

Marfat.com

یا خزانوں کی فراوانی تھی؟ بیشک بعض کو اللہ تعالیٰ نے حکومت اور خلافت بھی عطا کی، مگر اکثریت کی دنیوی حالت کمزور ہی رہی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے سب سے مقرب اور محبوب رسول اور نبی ہیں اور پھر اُن کے ساتھ ملنے والے لوگ۔

تو یہ مال و دولت اور جاہ و جلال اُن کے اچھا ہونے کی علامت نہیں بلکہ یہ اقتدار اور ریاست اور نعمتیں محض امتحان کے لیے ہیں۔ اُن کی آزمائش کا ذریعہ ہیں۔

باغ والوں کی مثال

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ ہم نے یہ مال و دولت اِن لوگوں کو دے کر اُسی طرح آزمائش میں مبتلا کیا ہے کَمَا بَلَوْنَا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ جیسے ہم نے باغ والوں کو آزمایا۔ جنت کا معنیٰ بہشت بھی ہے جو اہل ایمان کو آخرت میں نصیب ہوگا، ویسے جنت کا عام معنیٰ باغ ہے یہاں پر جنت سے مراد دنیوی باغ ہے۔ جس باغ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اُن باغ والوں کو آزمایا تھا۔

یہ باغ کہاں تھا۔ اس ضمن میں مفسرین کرام کی مختلف رائیں ہیں حضور علیہ السلام کے ارشاد گرامی میں کوئی صحیح اور مرفوع روایت موجود نہیں ہے۔ زیادہ مشہور یہ ہے کہ حبشہ میں تھا، یا یمن کے مرکزی شہر صنعا سے چند میل کے فاصلے پر یہ باغ وادی ضروان میں تھا۔

باغ کے مالک کی فیاضی

باغ کا مالک مومن اور ایماندار آدمی تھا۔ باغ کی پیداوار میں سے اپنی ضروریات کے علاوہ غریب پروری بھی کرتا تھا۔ چنانچہ فصل کی کٹائی کے موقعہ پر غرباء اور مساکین جمع ہوجاتے تھے۔ اور باغ کا مالک انہیں کچھ نہ کچھ دے کر رخصت کرتا تھا۔ اسی طرح جب کھلیان تیار ہوتا تھا۔ تو اس کے ناپنے کے موقعہ پر بھی مستحقین کو اُن کا حصہ دیتا تھا پھر جب آٹا پسوا کر روٹی تیار ہوتی تھی، جب بھی وہ مساکین کا حق ادا کرتا تھا۔

حضرت جعفر طیارؓ

ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ ایسا کوئی سوار کسی سواری پر سوار نہیں ہوا، اور کسی نے جوتا نہیں سلوایا، اور پہنا، جو حضورؐ کے بعد حضرت جعفرؓ کے برابر ہو۔ وجہ یہ ہے کہ آپ بڑے مسکین پرور تھے۔ اوّل تو یہ کہ غرباء اور مساکین کے پاس خود بیٹھتے تھے۔ دوسرے یہ کہ کبھی سواری پر سوار نہیں ہوتے تھے، جب تک کوئی مسکین بھی سوار نہ ہو۔ اسی طرح جب اپنے لیے جوتا بنواتے تھے تو کسی غریب کے لیے بھی تیار کرواتے تھے۔ آپ اُس وقت تک جوتا نہیں پہنتے تھے، جب تک کسی مسکین کو بھی

ساتھ شریک نہ کرلیں، اسی لیے حضور علیہ السلام نے آپ کا لقب ابوالمساکین رکھ دیا تھا۔ مسکینوں کا باپ یعنی بڑا شفیق۔ یہ حضور کے چچازاد یعنی حضرت علیؓ کے بڑے بھائی تھے۔ جنگ موتہ میں جام شہادت نوش فرمایا۔ ان کے متعلق حضورؐ نے فرمایا کہ میں نے بہشت میں دیکھا کہ جعفرؓ فرشتوں کے ہمراہ پروں کے ساتھ پرواز کر رہا ہے۔ آپ کے دونوں بازو جنگ موتہ میں کٹ گئے تھے۔ مگر اس کے باوجود اپنے جھنڈا دانتوں کے ساتھ تھامے رکھا۔ حضورؐ نے آپ کا نام جعفر طیارؓ رکھ دیا۔

باغ والے کے بیٹوں کا بخل

جیسا کہ مذکور ہے باغ کا مالک مسلمان، مومن اور غریب پرور تھا۔ اس کے پانچ بیٹے تھے۔ بعض روایات میں تین کا ذکر آتا ہے۔ یہ بیٹے باپ کی طرح فیاض نہیں تھے۔ جب باپ فوت ہوگیا اور باغ بیٹوں کی ملکیت میں آگیا تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہمارا باپ تو ہر موقع پر غرباء، مساکین کو دے دیتا تھا جس کی وجہ سے ——— ہماری بہت سی آمدنی چلی جاتی تھی۔ ہمارا باپ کوئی عقلمند آدمی نہ تھا جو اپنی آمدن کو اس طرح ضائع کرتا تھا۔ ہم بال بچے دار ہیں، ہمیں اپنی ضروریات کے لیے سب کچھ خود رکھ لینا چاہیئے۔ کسی غریب مسکین کو دینے کی ضرورت نہیں۔ مگر وہاں کا رواج اور دستور یہ تھا کہ پھل توڑنے کے وقت، فصل کی کٹائی کے وقت اور گہائی وغیرہ کے موقع پر مساکین وہاں پہنچ جاتے تھے تو کھیت کا مالک کسی کو مایوس نہیں کرتا تھا۔

بیٹوں کا منصوبہ

اپنی فصل کو غرباء اور مساکین میں تقسیم سے بچانے کے لیے بیٹوں نے یہ منصوبہ تیار کیا۔ کہ پھل ایسے وقت اتارا جائے جس وقت کسی کو پتہ نہ چلے۔ چنانچہ طے یہ پایا کہ صبح بہت سویرے جا کر پھل اتارنا چاہیئے جب کسی کو پتہ نہ چل سکے۔ نہ کسی کو معلوم ہوگا۔ نہ کوئی موقعہ پر پہنچے گا اور نہ ہمیں کسی کو کچھ دینا پڑے گا۔

پانچ بھائیوں میں سے درمیانے بھائی کی رائے مختلف تھی۔ وہ کہتا تھا کہ مساکین کا حق نہ مارو، ان کا حق انہیں ملنا چاہیئے۔ مگر دوسرے بھائی اُسے ڈانٹ پلا کر خاموش کر دیتے تھے۔ اور وہ بیچارہ بھی مجبوراً ان کے ساتھ شریک ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ نے یہی مثال مکے والوں کی بیان کی۔ کہ جس طرح باغ والے کے بیٹے تھے اسی طرح مکے والے بھی نافرمان ہوگئے۔

الغرض انہوں نے اِذْ اَقْسَمُوْا قسم اٹھائی لَیَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِیْنَ کہ باغ کے پھل کو

Marfat.com

علی الصبح کاٹیں گے۔ تاکہ اس وقت کوئی غریب مسکین وہاں موجود نہ ہو۔

انشاء اللہ کی اہمیت

یہ فیصلہ کرتے وقت وَلَا یَسْتَثْنُوْنَ انہوں نے انشاء اللہ بھی نہ کہا۔ حالانکہ کسی کام کا ارادہ کرتے وقت اگر ساتھ انشاء اللہ کہہ دیا جائے تو کام کے پایۂ تکمیل تک نہ پہنچنے کی صورت میں بھی آدمی گنہگار نہیں ہوگا۔ کیونکہ انشاء اللہ کہنے سے اس کام کو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر چھوڑ دیا گیا۔ اس طرح نہ تو آدمی جھوٹا ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی قسم اٹھانے کی صورت میں حانث (قسم کو توڑنے والا) ہوتا ہے یہ کلمہ کہنے والا وعدہ خلاف بھی نہیں ہوتا۔ الغرض انشاء اللہ کہہ کر اپنے کام کو اللہ تعالیٰ کو سونپنے والی بات ہے اور ایمان کی نشانی ہے۔

غریبوں کی حق تلفی

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یَسْتَثْنُوْنَ کا معنیٰ انشاء اللہ نہیں بلکہ اس سے مراد استثنیٰ کرنا ہے۔ کہ مثلاً غریبوں کا حق مستثنیٰ کر دیا جائے الگ کر کے ان کو دے دیا جائے۔ مگر انہوں نے تو ارادہ کیا وَلَا یَسْتَثْنُوْنَ کہ غریبوں کو ہرگز نہیں دیں گے۔ اگر باپ دیتا تھا تو اب ہم کسی کو نہیں دیں گے۔ پھل کا ایک ایک دانہ خود کاٹیں گے۔

عذاب الٰہی

اُدھر وہ اپنا منصوبہ بنا رہے تھے اور ہوا یہ کہ فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ پس پھر گیا اس باغ پہ پھرنے والا مِنْ رَّبِّكَ تیرے رب کی طرف سے وَهُمْ نَائِمُوْنَ اور وہ تو گھروں میں سوئے ہوئے تھے۔ یعنی بیٹے تو رات کو منصوبہ بنا کر سو گئے کہ صبح سویرے اٹھ کر پھل توڑ لیں گے مگر راتوں رات عذاب الٰہی پہنچ گیا اس حالت میں کہ وہ ابھی تک سوئے ہوئے تھے۔

عذاب الٰہی کس صورت میں نازل ہوا مفسرین کرام دو روایتیں بیان کرتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ راتوں رات ڈاکو آئے اور پکا پکایا پھل توڑ کر لے گئے اور درختوں کو کاٹ دیا اور جلا دیا۔ اور باقی کوئی چیز نہ رہنے دی۔ دوسری روایت یہ ہے۔ کہ کوئی آسمانی آفت نازل ہوئی جس نے سارے باغ کو جلا کر خاکستر کر دیا، نہ کوئی درخت رہا نہ پھل، اناج کا ایک دانہ تک باقی نہ بچا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ صبح تک ایسا ہو گیا جیسے کٹی ہوئی فصل ہو۔ سارا باغ ایسا ہو گیا جیسا کہ گھاس کاٹ دی گئی ہو اور ساری جگہ ویران ہو گئی

ادھر باغ کی حالت تو راتوں رات یہ ہو گئی اور دوسری طرف فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ۝ بیٹے صبح سویرے اٹھ کر ایک دوسرے کو آوازیں دینے لگے، اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ

Marfat.com

چلو اپنی کھیتی کی طرف چلیں، اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ اگر تمہیں پھل توڑنا ہے۔ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ۔ پس وہ چپکے چپکے سے چل دیے۔ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ تاکہ آج کوئی مسکین تمہارے پاس نہ آنے پائے۔ اور نہ کسی کو کچھ دینا پڑے۔

بیٹوں کی محرومی

وَغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ۝ عَلٰى حَرْدٍ کے دو معنی ہو سکتے ہیں یعنی تیز تیز چلنا اور منع کرنا، روک دینا۔ تو اس مقام پر دونوں معانی لگ سکتے ہیں۔ یعنی وہ صبح سویرے تیز تیز چلے یا وہ اس ارادہ سے چلے کہ کسی کو کچھ نہیں دینا ہے۔ نیز وہ سمجھتے تھے کہ وہ قٰدِرِيْنَ ہیں۔ یعنی وہ اس بات پر قادر ہیں کہ پروگرام کے مطابق صبح سویرے جا کر پھل توڑ سکیں گے۔ اور کسی غریب مسکین کو کچھ نہیں دیں گے۔

فَلَمَّا رَاَوْهَا پس جب انہوں نے موقع پر پہنچ کر دیکھا، تو سمجھے اِنَّا لَضَآلُّوْنَ کہ ہم تو راستہ بھول گئے ہیں۔ یہ ہمارا باغ تو نہیں ہے، ہم کسی اور جگہ آ گئے ہیں۔ کیونکہ وہاں پر تو اُن کے باغ کی کوئی چیز باقی نہ رہی تھی۔ پھر جب انہوں نے اچھی طرح غور کیا اور معلوم ہو گیا کہ ہم راستہ نہیں بھولے بلکہ اپنے ہی باغ میں آئے ہیں۔ تو پکار اٹھے بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ہم محروم ہو گئے، ہماری قسمت پھوٹ گئی، ہمارا تو باغ ہی تباہ ہو گیا ہے۔

جب اُن کو یقین ہو گیا کہ وہ اپنے باغ سے محروم ہو گئے ہیں، تو قَالَ اَوْسَطُهُمْ درمیانے یا منجھلے بھائی نے کہا اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ تم اللہ کی تسبیح کیوں نہیں کرتے۔ تم نے تو انشاء اللہ بھی نہ کہا۔ اور خدا تعالیٰ کی مشیت پر نہ چھوڑا، نتیجہ یہ ہوا کہ تم باغ سے بالکل محروم ہو گئے۔ اگر مساکین کا حق ادا کرتے تو ایسا نہ ہوتا۔

درمیانی اشیاء کی افضلیت

ان بھائیوں میں سے صحیح مشورہ دینے والا درمیانہ بھائی تھا۔ اُس نے پہلے بھی کہا تھا۔ کہ غرباء مساکین کا حق تلف نہ کرو، مگر دوسرے بھائیوں نے اُسے ڈانٹ پلا کر اپنے ساتھ شریک کر لیا۔ گویا اُن سب میں سے درمیانہ بھائی افضل تھا کہ خَيْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا یعنی درمیانی چیز بہتر ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضور علیہ السلام کی امت کو اُمَّةً وَّسَطًا کہا گیا یعنی یہ امت باقی امتوں سے افضل ہے۔

اللہ تعالیٰ فراخی اور تنگی رزق پر قادر ہے

رزق کی فراخی اور تنگی اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ چاہے تو کسی کو بے حد و شمار

عطا کرے، اور چاہے تو تنگی مسلط کرے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ امام مہدی کا ظہور ہوگا تو ایسا دور بھی آئے گا کہ صدقہ قبول کرنے والا کوئی نہیں ملے گا۔ اس قدر مال کی فراوانی ہوگی۔ زمین سونا اگلے گی مگر کوئی لینے والا نہیں ہوگا۔ صدقہ دینے والا جا کر کہے گا کہ لو بھئی یہ زکوٰۃ یا صدقہ ہے اسے قبول کر لو۔ آگے سے جواب آئے گا، اگر کل لے آتے تو میں قبول کر لیتا کل تک میں محتاج تھا مگر آج مجھے ضرورت نہیں ہے۔ مال و دولت کی اس قدر فراوانی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو رزق میں ایسی فراخی پیدا کر سکتا ہے۔

مگر یہ قانونِ قدرت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں سب کو ایک جیسا نہیں رکھا۔ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ یعنی اللہ نے بعض کو بعض پر فوقیت دی۔ کسی کو مال دے کر آزمائش میں ڈال دیا۔ مال عطا کر کے حکم دیا کہ اس مال سے زکوٰۃ دو، حج کرو، صدقہ و خیرات بھی کرو۔ اس میں عزیز و اقربار کا حق بھی ہے۔ اِن تمام حقوق کو پورا کرو۔ جیسا کہ مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ مال کوئی عذاب تو نہیں ہے۔ بلکہ اچھا ساتھی ہے مگر اُس کے لیے لِمَنْ اَدّٰی حَقَّ اللّٰہِ جو اللہ کا حق ادا کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حقوق ادا کرنے کے بعد کوئی شخص سرمایہ دار نہیں رہ سکتا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا قول ہے کہ سارے حقوق ادا کرنے کے بعد دیکھیں کسی کے پاس دو درہم بھی بچتے ہیں؟

اسلام کا نظام معیشت

اس وقت دنیا کے بیشتر حصے پر سرمایہ داری نظام کی لعنت پھیلی ہوئی ہے۔ اس کا ردِ عمل اشتراکیت ہے، اور وہ غیر فطری ہے۔ لہٰذا یہ دونوں نظام لعنتی ہیں۔ نظام سرمایہ داری کیا ہے جس طریقے سے چاہو دولت جمع کرو، اور جس طریقے سے چاہو خرچ کرو۔ نہ جمع کرنے پر کوئی پابندی ہے اور نہ خرچ کرنے میں۔ امریکہ، برطانیہ، مغربی جرمنی، فرانس اور اِن کے حواری ممالک میں یہی نظام رائج ہے۔ مال جمع کرنے پر کوئی پابندی نہیں۔ صرف لائسنس ہونا چاہیئے۔ خنزیر اور شراب کی تجارت ہوتی ہے۔ لائسنس کے ذریعے زنا کا کاروبار ہوتا ہے۔ الغرض جس طرح بھی ہو سکے، دولت جمع کرلو، کوئی پابندی نہیں ہے۔ اسی طرح خرچ کرنے میں بھی آزاد ہیں، کسی بلڈنگ پر لگا دو، سینما بنا ڈالو، جوا خانہ تیار کر لو۔ غرض کوئی بھی کام کرلو، سرمایہ داری نظام میں کوئی پابندی نہیں۔

ہاں! اسلام کا نظام معیشت ہی پاکیزہ نظام ہے۔ اسلام کہتا ہے۔ فَاجْمِلُوْا فِی الطَّلَبِ

Marfat.com

یعنی روزی طلب کرنے میں اچھا راستہ اختیار کرو۔ حرام ذرائع سے روزی کمانا جائز نہیں ہے اور پھر مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ہم نے جو کچھ دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرو۔ خرچ کی ساری مدیں درست ہیں۔ کوئی فرائض ہیں، کوئی واجب ہیں، کوئی سنت اور مستحب ہیں ان سب پہ خرچ کرنا ضروری ہے۔ برخلاف اس کے ناجائز، حرام اور مشتبہ جگہ پہ مال خرچ کرنا منع ہے۔ مسلمان کسی حرام جگہ اور ناجائز رسوم پہ دولت نہیں لٹاتا۔ یہ حرام ہے۔ تو یہ ہے اسلام کا نظامِ معیشت۔

سرمایہ دارانہ نظام کی ایک بنیادی خامی یہ ہے۔ کہ ہم سمجھتے ہیں کہ اس مال کے مالک ہم ہیں۔ جیسا کہ قارون نے کہا اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ یعنی مجھ پر کسی کا کیا احسان ہے؟ میں تو فن جانتا ہوں۔ ماہر ہوں، اس ٹیکنیک سے واقف ہوں جس کے ذریعے مال کمایا گیا ہے یہ تمام کارخانہ دار، بڑے بڑے دکاندار سب اسی ذہنیت کے مالک ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے دماغ کی کمائی ہے۔ اپنے ہنر اور کمال کا عطیہ ہے۔ من جانب اللہ نہیں ہے۔ دنیا کو چکر دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ سارا مال اللہ تعالیٰ نے عطا کر کے ساتھ حکم دیا ہے کہ اس میں سے خرچ بھی کرو وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ یعنی قرابت داروں، ماں باپ، بہن بھائی، رشتہ داروں کو ان کا حق ادا کرو، مساکین اور مسافروں کی خبر گیری کرو، نادار اور مفلس لوگوں کی مدد کرو وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا اور وصول خرچی نہ کرو۔ مال دے کر تمہیں آزمایا گیا ہے۔ اس پر امین بنایا گیا ہے۔ مالک حقیقی تم نہیں ہو بلکہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اُس نے تمہیں حکم دیا ہے۔ اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال دیکر تم پر احسان کیا ہے، اسی طرح تم بھی اس کے حکم کے مطابق خرچ کر کے مخلوق کے ساتھ احسان کرو۔

غریب پروری سے مجتنب سوسائٹی ذلیل ہوگی

مسلمان سوسائٹی میں غرباء مساکین اور نادار اسی سوسائٹی کا جزو ہیں اور سوسائٹی کا فرض ہے کہ وہ ان حاجت مندوں کو اپنے پاؤں پہ کھڑا ہونے میں مدد دے۔ جو سوسائٹی اپنے نادار بھائیوں کے لیے روزگار کا بندوبست نہیں کرتی، ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کی معیشت کو سہارا نہیں دیتی، وہ باعزت سوسائٹی نہیں بلکہ لعنتی ہے ایسی سوسائٹی کو عزت حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ وہ ذلیل ہو کر رہے گی۔ انہیں ذرہ احساس نہیں کہ ان کے بھائی بھوکوں مر رہے ہیں اور وہ ٹس سے مس تک نہیں ہوتے سورۂ یٰسین میں ایسی ہی مثال بیان کی گئی ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ

Marfat.com

کے عطا کردہ رزق میں سے خرچ کرو، تو کافر مومنوں سے کہتے ہیں اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗ کیا ہم اُن لوگوں کو کھلائیں کہ اگر اللہ چاہتا تو خود ان کو کھلا دیتا۔ فرمایا یہی حال اس سوسائٹی کا ہے جو محتاج کی خبرگیری نہیں کرتی۔ یہ بھی کہتے کہ جب خدا نے انہیں محتاج رکھا ہے تو ہم ان کی مدد کیوں کریں۔ فرمایا یہ جھوٹ کہتے ہیں۔ خدا نے تمہیں حکم دیا ہے۔ کہ ان پر خرچ کرو، کوئی بھوکا ننگا نہ رہے۔ اگر غربا و مساکین تمہارے سامنے ذلیل ہوتے رہے تو یاد رکھو، تم کو بھی عزت نصیب نہیں ہوگی، ساری سوسائٹی ذلیل ہو جائے گی غریبوں سے چشم پوشی برتی تو دنیا میں بھی عزت حاصل نہیں ہوگی۔

غیر مسلم اقوام کی غریب پروری

عیسائی ممالک میں برطانیہ کو دیکھو۔ اتنے بڑے زوال کے بعد بھی اُس کی ساکھ قائم ہے۔ برطانیہ میں کوئی شخص بے روزگار نہیں ہے حکومت ہر شخص کے روزگار کی ذمہ دار ہے اور جب تک کسی کو روزگار نہیں ملتا، حکومت اُسے گذارہ الاؤنس دیتی ہے۔ کوئی بیمار ہو جاتا ہے تو اس کا فوری علاج کرتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے۔ کہ عیسائی قومیں جلدی ترقی کرتی ہیں۔ اُس کی وجہ یہ ہے۔ کہ یہ اپنے غربا و مساکین کا خیال رکھتی ہیں۔ انہوں نے طرح طرح کے طریقے اختیار کر رکھے ہیں جن سے غربا کی مدد کرتے ہیں۔

مسلمان قوم کی غفلت

برخلاف اس کے مسلمان ممالک میں کیا ہو رہا ہے۔ کیا یہاں دولت کی کمی ہے یا وسائل کی کمی ہے۔ نہیں بلکہ یہاں صرف ایمان، دین اور فہم کی کمی ہے۔ مسلمان قوم کی گراوٹ اُن کے گندے نظام اور جہالت کی وجہ سے ہے۔ یہ اپنے آپ کو مالک و مختار سمجھ بیٹھے ہیں کہ اپنی مرضی سے جس طرح چاہیں خرچ کرنا چاہتے ہیں۔ رسم و رواج میں چاہے لاکھوں روپے خرچ کر ڈالیں مگر غربا و مساکین اور صرف کرنے کے دیگر کاموں پر دو پیسے بھی خرچ کرنے کو تیار نہیں۔

باغ والوں کا اعترافِ معصیت

الغرض جب بیٹوں کو اپنے باغ کی تباہی کا یقین ہو گیا، تو پکار اُٹھے قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ پاک ہے ہمارا رب، بیشک ہم ہی ظالم ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تو ہم پر بہت انعام کیا تھا مگر ہم ہی ظالم ثابت ہوئے کہ اس کے عطا کردہ مال میں سے غربا کا حق ادا نہ کیا۔ ہم مسکینوں کا حق مارنا چاہتے تھے جبھی سزا ہمیں مل گئی۔ کیونکہ قرآن پاک میں موجود ہے۔ فِىْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ یعنی تمہارے مال میں سائلوں اور محروموں کا حق ہے۔ یہ بھی ادا کرو۔ یہ آیت قرآن پاک میں متعدد جگہ آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے مال میں

Marfat.com

مساکین کا حق رکھا ہے۔ یہ حق ادا کرنا اُن پر احسان کرنا نہیں ہے یہ مال تو اللہ تعالیٰ نے آزمائش کے لیے دیا ہے۔

اعترافِ معصیت کے بعد ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَّتَلَاوَمُوْنَ اور ساتھ یہ بھی کہنے لگے قَالُوْا یٰوَیْلَنَآ اِنَّا کُنَّا طٰغِیْنَ۔ افسوس! بیشک ہم سرکشی کرنے والے ہیں۔ غربا کا حق مارنا سرکشی ہی تو ہے۔ یہ حد سے بڑھنا ہے۔ لیکن اب ہم توبہ کرتے ہیں۔ عَسٰی رَبُّنَآ اَنْ یُّبْدِلَنَا خَیْرًا مِّنْهَآ اور امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہمارے لیے بہتر باغ تبدیل کر دے گا۔ کیونکہ ہم خدا کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ یعنی توبہ کرتے ہیں۔

باغ کا نعم البدل

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں آتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کو باغ والوں کی یہ ادا پسند آگئی۔ انہوں نے اعتراف کر لیا کہ ہم جھوٹے ہیں اور سرکشی سے تائب ہو گئے اور اقرار کیا کہ مالک حقیقی خدا ہی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں باغ کا بہتر نعم البدل عطا کر دیا اور وہ اس طرح کہ اس وقت کے بادشاہ کو پتہ چلا کہ ان لوگوں کا باغ ضائع ہو گیا۔ تو اُس نے اپنا ذاتی باغ اُن کو دے دیا۔ اس باغ میں کمال درجے کا پھل آتا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس باغ کی انگور کی ایک بیل کے ساتھ ایک گچھا اتنا بڑا ہوتا تھا۔ جس کو ایک جانور پہ لاد کر لے جاتے تھے۔ یہ تفصیل تفسیری روایات میں آئی ہے، کسی مرفوع حدیث میں نہیں ہے۔

حاصل کلام

باغ والوں کی مثال بیان کر کے مکے والوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ مال و دولت پہ اکڑ کر حضور نبی کریمؐ کو العیاذ باللہ پاگل اور دیوانہ کا خطاب دینے والو یاد رکھو تمہارا بھی وہی حشر ہو سکتا ہے جو باغ والوں کا ہوا۔ اور ایسی صورت میں پھر کَذٰلِکَ الْعَذَابُ سزا اسی طرح ہوا کرتی ہے۔ کہ کس طرح دنیا کا مال و دولت تباہ کر دیا گیا۔ یہ تو دنیا کا عذاب ہے مگر آخرت میں جو عذاب ملنے والا ہے، وہ بہت بڑا ہے۔ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَکْبَرُ جو شخص اس دنیا سے کفر و شرک، توحید، رسالت اور معاد سے انکار کی لعنت لے جائیگا اُس کے لیے بہت بڑا عذاب آخرت میں ہوگا۔ فرمایا لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ اگر یہ لوگ سمجھ جائیں۔ اور بے ہودہ باتوں سے باز آجائیں۔

Marfat.com

درس چہارم — آیت ۳۴ تا ۴۱

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّٰتِ ٱلنَّعِيمِ ﴿٣٤﴾ أَفَنَجْعَلُ ٱلْمُسْلِمِينَ
كَٱلْمُجْرِمِينَ ﴿٣٥﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿٣٦﴾ أَمْ لَكُمْ كِتَٰبٌ
فِيهِ تَدْرُسُونَ ﴿٣٧﴾ إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ ﴿٣٨﴾
أَمْ لَكُمْ أَيْمَٰنٌ عَلَيْنَا بَٰلِغَةٌ إِلَىٰ يَوْمِ ٱلْقِيَٰمَةِ ۙ إِنَّ لَكُمْ لَمَا
تَحْكُمُونَ ﴿٣٩﴾ سَلْهُمْ أَيُّهُم بِذَٰلِكَ زَعِيمٌ ﴿٤٠﴾ أَمْ لَهُمْ
شُرَكَآءُ ۚ فَلْيَأْتُوا۟ بِشُرَكَآئِهِمْ إِن كَانُوا۟ صَٰدِقِينَ ﴿٤١﴾

ترجمہ: بیشک متقیوں کے لیے ان کے رب کے پاس نعمتوں کے باغ ہیں ﴿۳۴﴾ کیا تم خیال کرتے ہو کہ ہم فرمانبرداروں کو مجرموں کے ساتھ برابر کر دیں گے ﴿۳۵﴾ تم کیسا فیصلہ کرتے ہو ﴿۳۶﴾ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس کو تم پڑھتے پڑھاتے ہو ﴿۳۷﴾ کیا تمہارے لیے اس میں وہی کچھ ہوگا جو تم چاہو گے ﴿۳۸﴾ یا پھر کیا ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے قیامت تک قسم اٹھا رکھی ہے کہ تمہارے لیے وہی کچھ ہوگا جو تم فیصلہ کرو گے ﴿۳۹﴾ آپ ان سے پوچھیں کہ اس کے لیے ان کا کوئی ذمہ دار ہے ﴿۴۰﴾ کیا ان کے کوئی شریک ہیں جو ان کو مصیبت سے چھڑائیں۔ اگر ہیں تو لائیں اپنے شریکوں کو اگر یہ سچے ہیں ﴿۴۱﴾

گذشتہ سے پیوستہ ربط

گذشتہ آیات میں مشرکین مکہ کو تنبیہ کی گئی۔ ان کو مال و دولت، اقتدار، ریاست پر بڑا فخر تھا اللہ تعالیٰ نے ایک مثال کے ذریعے ان کو سمجھایا کہ یہ سب چیزیں اللہ نے ان کو امتحان کی خاطر دی ہیں۔ یہ چیزیں اس بات کی دلیل نہیں ہیں کہ یہ لوگ اللہ کے پسندیدہ اور اس کے محبوب ہیں، بلکہ یہ تو تکذیب اور بری خصلتوں کے مالک ہیں۔ ان میں تکبر، گناہ، حدود کو توڑنا، چغلی کرنا، قسمیں کھانا، حق کی مخالفت، رسالت سے انکار، اللہ کی وحدانیت سے انکار، جزائے عمل اور معاد کا انکار پایا جاتا ہے۔ تو باغ والوں کی مثال بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے سمجھایا کہ ان کو نعمتیں عطا کی گئی تھیں مگر انہوں نے ظلم اور سرکشی کی تو اللہ نے وہ نعمت چھین لی۔ ان باغ والوں کو تو توبہ کی توفیق نصیب ہوگئی اور اللہ نے انہیں بہتر نعم البدل عطا کر دیا۔ اسی طرح مکے والے بھی اگر ظلم و زیادتی سے

Marfat.com

تائب ہو جائیں تو اللہ ان پر اسی طرح مہربانی فرمائے گا جیسی باغ والوں پر کی تھی ۔

مشرکین کی خوش فہمی

مشرکین مکہ مختلف قسم کی بیہودہ باتیں کیا کرتے تھے ۔ اُن میں ایک یہ بھی تھی کہ ابتدائی دور کے غریب مسلمانوں کے ساتھ ٹھٹھا اور تمسخر کیا کرتے تھے اور اپنی بڑائی کا اظہار کرتے تھے ۔ کہتے تھے کہ جس طرح آج ہم تم سے اچھے ہیں اسی طرح اگر بالفرض کل کو قیامت بھی آگئی تو وہاں بھی ہم ہی اچھے ہوں گے ۔ آج مسلمان کہتے ہیں ۔ کہ ہم اللہ کی عبادت کرنے والے اور صعوبتیں برداشت کرنے والے ہیں ۔ اور اس کے بدلے میں قیامت کو ہماری حالت اچھی ہوگی ، یہ غلط ہے بلکہ وہاں بھی ہم ہی اقتصادی طور پر بہتر ہوں گے اور یہ مسلمان وہاں بھی ایسے ہی رہیں گے ۔ ان کی اقتصادی حالت وہاں بھی خراب ہی ہوگی ۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سابقہ مشرکوں اور کافروں کا حال بھی بیان فرمایا ہے ۔ کہ وہ بھی مشرکین مکہ کی طرح کہا کرتے تھے ۔ کہ ہم قیامت کو مانتے ہی نہیں ۔ اور اگر بالفرض قیامت آ بھی گئی تو ہماری حالت وہاں بھی اچھی ہوگی جس طرح اس دنیا میں اچھی ہے ۔

حضرت خبابؓ کا واقعہ

حضرت خبابؓ ابن ارتؓ کاریگر تھے ۔ انہوں نے مشرکین مکہ میں سے ایک شخص عاص بن وائل کے لیے تلوار یا زرہ بنائی ۔ جب آپ اس مشرک سے مزدوری طلب کرنے کے لئے گئے تو وہ کہنے لگا میں تمہیں مزدوری اس وقت دوں گا جب تم تَكْفُرُ بِمُحَمَّدٍ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کروگے ۔ حضرت خبابؓ نے کہا کہ میں تو ہرگز ایسا نہیں کروں گا ۔ حَتّٰى تَمُوْتَ ثُمَّ تُبْعَثَ یہاں تک کہ تم مرجاؤ اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جاؤ ۔ میں تو اپنے ایمان کو ترک نہیں کروں گا ۔ تو مشرک کہنے لگا کہ اچھا ! اگر ہم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جائیں گے تو میں تمہاری مزدوری اس دوسری زندگی میں ہی ادا کروں گا ۔ یہاں تمہاری اجرت ادا نہیں کروں گا ۔ اللہ تعالےٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ بدبخت ایسا دعویٰ کرتا ہے ۔ اس کو معلوم نہیں کہ یَاْتِیْنَا فَرْدًا قیامت کے روز یہ اکیلا ہمارے روبرو پیش ہوگا ۔ اس کے پاس نہ مال و دولت ہوگی اور نہ اولاد ، پھر یہ اس دنیا کی مزدوری قیامت کے روز کیسے ادا کرے گا ۔

تو یہاں پر اللہ تعالےٰ نے مشرکین اور کفار کے اس قسم کے بیہودہ خیالات کا رد فرمایا ہے ۔ کہ اگر بالفرض مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے گئے تو وہاں بھی ہم ان مسلمانوں سے اچھے ہوں گے ۔

عذابِ آخرت

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے باغ والوں کی مثال بیان فرما کر ارشاد فرمایا

Marfat.com

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ یہ دنیا کی سزا تھی جو باغ والوں کو ملی، وہ اچھے تھے جو تائب ہو گئے۔ اور فرمایا کہ سزا اسی طرح ہوتی ہے۔ اور آخرت کی سزا تو بہت بڑی ہے اور دائمی ہے تو گویا مشرکین اور کافرین کو سمجھایا جا رہا ہے۔ کہ اگر تم اسی طرح جرائم کا ارتکاب کرتے رہے تو تم بڑے عذاب میں مبتلا ہو گے اور وہ عذاب آگے آ رہا ہے۔ اس عذاب کی اطلاع سارے انبیاء نے دی ہے اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ خدا کی وحدانیت اور قیامت کو جھٹلانے والو بڑے دن کی سزا آنے والی ہے جس میں تم مبتلا ہو گے۔ اس سے ڈر جاؤ۔

متقین کیلئے انعامات

اللہ تعالیٰ نے جہاں کہیں مجرمین کی سزا کا حال بیان فرمایا، اس کے ساتھ ہی متقین کی جزا کا حال بھی بیان فرما دیا۔ گویا جس جگہ ترہیب ذکر کی جاتی ہے۔ ساتھ ہی ترغیب بھی ہوتی ہے۔ یعنی اگر کافروں کی سزا کا حال بیان ہوا تو ساتھ ہی اہلِ ایمان کی جزا کا حال بھی بیان کر دیا۔

اس مقام پر بھی مشرکین کے لیے عذاب آخرت کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد ہوا اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ بیشک متقیوں کے لیے اُن کے رب کے پاس نعمتوں کے باغ ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے بڑی نعمتیں مہیا کر رکھی ہیں۔ یہاں تو دنیا کے باغ کا ذکر ہوا مگر اللہ کے ہاں جو نعمتوں کے باغات ہیں۔ اُن کے مقابلے میں دنیا کے باغوں کی کیا حیثیت ہے۔

متقی کون ہیں

متقین کی تعریف میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے اَلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ الشِّرْكَ وَالْكُفْرَ وَالْمَعَاصِیَ یعنی متقین وہ لوگ ہیں جو کفر، شرک اور معاصی سے بچتے ہیں۔ پہلے شرک، کفر اور الحاد سے بچنا تو قطعی اور لازمی ہے۔ اگر ان میں سے کوئی چیز بھی انسان میں پائی جائے گی تو متقی نہیں ہو گا بلکہ کافر، مشرک، منافق، ملحد یا تردد والا ہو گا۔ کیونکہ یہ چیزیں تقوے کے بالکل منافی ہیں۔ سورۃ فتح میں ہے اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى یعنی تقویٰ کا کلمہ اہل ایمان کے ذمہ لازم قرار دیا گیا ہے۔ تقوے کا کلمہ ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یعنی نفاق، شرک و کفر کی آمیزش نہ ہو جو کہ تقوے کے منافی ہے۔ اس کے بعد معاصی کا درجہ ہے۔ بڑے اور چھوٹے گناہ سے بچے گا تو کامل درجے کا متقی ہو گا۔ اگر معاصی سرزد ہو رہے ہیں۔ تو صرف ایک درجے کا متقی ہے، کامل متقی نہیں ہے۔ اس کی نجات اس کے ایمان کی بدولت ہو گی

تقوے کا مفہوم

تقوے کا لغوی معنی بچاؤ ہے یعنی برائیوں سے بچاؤ۔ پھر برائیوں میں پہلے نمبر پر اعتقادی برائیاں

Marfat.com

ہیں اور یہ مہلک ہیں۔ سخت خطرناک بیماریاں ہیں۔ ان روحانی بیماریوں سے بچنا نہایت ضروری ہے اس کے بعد گناہ کبائر وصغائر آتے ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ اپنی کتاب "الطاف القدس" میں فرماتے ہیں "تقویٰ محافظت بر حدودِ شرع است" یعنی اللہ تعالیٰ نے شریعت کے جو حدود مقرر کئے ہیں۔ ان کی حفاظت کا نام تقویٰ ہے۔

سورۃ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی سات صفات بیان کی ہیں۔ ان میں آخری صفت یہ ہے وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللّٰهِ یعنی اہلِ ایمان وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ ایمان والوں کا شیوہ ہے۔ مگر آج حالت یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑنے والے سب سے زیادہ مسلمان ہیں۔ دنیا میں مسلمانوں کی ایک ارب کی آبادی میں اللہ کی حدود کو توڑنے والے مسلمان ہی ہیں۔ اور ان میں چھوٹے بڑے سب برابر ہیں۔ ہم ریڈیو پر سُن رہے ہیں۔ ہمارے صدر صاحب چین گئے ہوئے ہیں ماؤزے تنگ کی قبر پر پھولوں کی چادر چڑھائیں گے۔ کیا یہ شرک نہیں ہے۔ کافروں کی قبروں پر پھولوں کی چادریں چڑھانا مسلمانوں کا شیوہ ہے ؟

اسی طرح جب بیرونی ممالک کے لوگ یہاں آتے ہیں تو مسٹر جناح مرحوم کی قبر پر پھولوں کی چادر چڑھاتے ہیں کیا یہ شرکیہ باتیں نہیں ہیں۔ جب بڑے آدمی ایسی حرکتیں کریں گے تو چھوٹے کیوں نہیں کریں گے۔ پھر یہیں بات ختم نہیں ہوتی، ثقافتی شو میں شرکت بھی پروگرام میں داخل ہوتا ہے۔ ان تمام امور میں حدود اللہ کو پامال کیا جاتا ہے۔

تجارت کے معاملے میں دیکھ لیں، عقیدے کے معاملے میں ملاحظہ کر لیں۔ کس قدر قبر پرستی ہے۔ ہمارے ملک میں اور ساری دنیا میں قبروں کی کیسی تعظیم کی جاتی ہے۔ چڑھاوے چڑھتے ہیں وہاں پر سجدے کئے جا رہے ہیں۔ آج دنیا میں اعتقادی عنوان میں اسقدر شرک ہے، جس کا کوئی حد و شمار نہیں۔ یہ سب کفر، شرک اور حدودِ شریعت کو توڑنا ہے۔

مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ ظریفانہ انداز میں فرماتے ہیں کہ بھائی ہمارے زمانے کے مسلمانوں کا تقویٰ صرف پانی میں ہے۔ باقی کسی چیز میں نہیں۔ اگر کنوئیں میں چوہا گر جائے تو محلے کے سارے مسلمان دوڑ کر مولوی صاحب کے پاس آتے ہیں۔ کہ مولوی جی! کیا کریں۔ مگر کھانے کے بارے میں کوئی نہیں پوچھتا کہ یہ کھانا کہاں سے لائے ہو، یہ جوئے کی کمائی ہے یا سینما کی۔ کس قسم کے مال سے

Marfat.com

لائے ہو۔ حقیقت بھی یہی ہے۔ کہ تقویٰ صرف پانی کا ہے اور کسی چیز کا نہیں۔

ورع کے برابر کوئی چیز نہیں

تقوے کی بنیاد اعتقاد پر ہے۔ جب کہ اعتقاد حق ہو۔ اور اس کے بعد اعمال میں ورع کو فوقیت حاصل ہے۔ کسی شخص نے نبی علیہ السلام سے پوچھا حضور! دو بھائی ہیں، ایک نفل نماز وغیرہ زیادہ پڑھتا ہے اور دوسرا بھائی ورع زیادہ کرتا ہے۔ مشکوک اور مشتبہ چیزوں سے زیادہ بچتا ہے حضورؐ نے فرمایا لَا يَعْدِلُ بِالرِّعَةِ شَيْءٌ یعنی ورع کے برابر کوئی چیز نہیں ہے۔ سب سے کمال چیز یہی ہے۔ حرام اور مشتبہ چیزوں سے بچاؤ اور تقویٰ اسی کو کہا جاتا ہے۔ یہ بچاؤ سب سے پہلے اعتقاد میں شرکیہ اور کفریہ باتوں اور بدعات سے ہونا چاہیئے۔ بدعات تو رگ و ریشہ میں رس بس گئے ہیں۔ کوئی کام رسم و رواج اور بدعات کے بغیر پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچتا۔ حالانکہ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ ورع کے برابر کوئی چیز نہیں ہے۔ خالی عبادت کرنے والوں کو جان لینا چاہیئے کہ ورع بہت بڑی بات ہے۔

جزا کا مدار تقوے پر ہے

تو اس مقام پر فرمایا اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ۔ یعنی اللہ تعالے کے ہاں نعمتوں کے باغ متقیوں کے لیے ہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ یہ انعامات دانشوروں ، مفتیوں ، حاجیوں یا نمازیوں کے لیے ہیں، بلکہ یہ متقیوں کے لیے ہیں۔ اصل چیز تقویٰ ہے۔ اور اسی پر جزا کا مدار ہے۔ حضرت ابو درداءؓ کی روایت میں آتا ہے۔ کہ کاش مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ دو رکعت مقبول ہے۔ تو میرے لیے یہ تمام دنیا و مافیہا سے بہتر ہو گا، کیونکہ اللہ جل جلالہٗ کا فرمان ہے اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ یعنی خدا تعالےٰ متقیوں سے قبول فرماتا ہے۔ جو متقی نہیں ہیں۔ ان کی کوئی چیز قبول نہیں فرمایا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں میں جو متقی تھا، اسی کی قربانی قبول ہوئی۔ دوسرے کی مردود ہوئی۔ تو گویا قبولیت کا مدار تقوے پر ہے، دانش مندی پر نہیں۔ اسی لیے فرمایا اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ۔ بیشک متقیوں کے لیے ان کے رب کے ہاں نعمتوں کے باغ ہیں۔ اور اس طرح متقین کے لیے جزا بیان فرما دی۔

مسلمین اور مجرمین برابر نہیں

یہاں پھر مشرکین کے اس بیہودہ خیال کا رد فرمایا کہ اگر ایماندار اس دنیا میں کمزور ہیں تو کل کو اگلی دنیا میں بھی کمزور ہی ہوں گے۔ ارشاد ہوا۔ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ۔ کیا تم خیال کرتے ہو کہ ہم فرمانبرداروں کو مجرموں کے ساتھ برابر کر دیں گے، کیا قیامت کے دن ان

میں کوئی فرق نہیں ہو گا۔ تم آخرت کو اس دنیا کی زندگی پر محمول کرتے ہو۔ کہ جو آج یہاں کمزور ہیں۔ کل وہاں بھی کمزور ہوں گے۔ کیا مسلمان اور مجرم برابر ہوں گے۔ تمہارا یہ گمان عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے۔ اگر مومن آج تکلیف برداشت کرتے ہیں، تو یہ تو ابمانداروں کے حق میں عبادت ہے۔ یہ تو ریاضت ہے جس سے درجات بلند ہوتے ہیں۔ کل قیامت میں یہ حالت نہیں ہوگی بلکہ اس کے برعکس ہوگی۔ آج کے آسودہ حال کل سخت سزا میں مبتلا ہوں گے جو آج کفر، شرک اور بدعات میں مبتلا ہیں، وہ کل بری حالت میں ہوں گے یہ ناممکن ہے کہ مسلمان اور مجرم ایک جیسے ہوں۔ وہاں اندھیر نگری نہیں ہوگی۔ قیامت میں مسلمان کا نتیجہ اچھا اور شائستہ سامنے آئے گا۔ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ۔ تم کیا فیصلہ کرتے ہو، جو عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل کے بھی۔ یہ اس مسئلے کی تشریح ہے۔

مشرکین سے دلائل کا مطالبہ

اس کے بعد مشرکین سے دلائل کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ۔ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس کو تم پڑھتے پڑھاتے ہو، اور جس میں یہ لکھا ہوا ہے۔ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ۔ کیا تمہارے لیے وہی کچھ ہوگا، جو تم چاہو گے۔ کیا کسی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ آج تم کفر کر رہے ہو۔ انکار رسالت کر رہے ہو اور چاہتے یہ ہو کہ کل بھی ہم اچھے ہوں گے، کیا کوئی آسمانی کتاب تمہارے پاس ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ جو تم چاہو گے۔ وہی کچھ ہوگا۔ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لا اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ یا پھر کیا ایسا ہے۔ کہ اللہ نے تمہارے لیے قیامت تک قسم اٹھا رکھی ہے کہ تمہارے لیے وہی کچھ ہوگا، جو تم فیصلہ کرتے ہو۔ جیسا کہ یہود کے بیان میں فرمایا، تم کیا خیال کرتے ہو کہ خدا نے کوئی عہد کر رکھا ہے۔ کہ نجات صرف یہودیوں کو ملے گی، هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ لاؤ اس سلسلہ میں کوئی دلیل، اگر تمہارے پاس ہے۔ یہاں بھی فرمایا کہ کیا خدا تعالے نے قسم اٹھا رکھی ہے۔ کہ سب بہتری ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کفار کے مقدر میں ہی ہوگی۔ سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ۔ آپ ان سے پوچھیں کہ اس کے لیے ان کا کوئی ذمہ دار ہے۔ کیا کوئی نقلی دلیل ہے جس کی رو سے کافروں کی حالت ہمیشہ اچھی رہے گی۔ یہاں بھی اچھی ہوگی اور قیامت میں بھی۔ گویا جیسا یہ چاہیں گے۔ ویسا ہی ہوگا۔ لاؤ کس کتاب میں لکھا ہے۔

Marfat.com

مشرکین کے لیے شرکاء کی امداد

اس کے بعد ارشاد ہوا۔ اَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَائِهِمْ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ یہاں مشرکوں کے ایک دوسرے خیال کی نشاندھی کی جس میں یہودی بھی مبتلا تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ہمارے معبود بڑے مقرب ہیں۔ وہ ہمیں خدا سے بہتری دلادیں گے۔ یہ عام یہودیوں کا تصور ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ دوزخ کے دروازے پر کھڑے ہوں گے اور کسی اسرائیلی کو دوزخ میں نہیں گرنے دیں گے جس نے ختنہ کیا ہوا ہوگا۔ شیعہ بھی ایسا ہی خیال کرتے ہیں کہ سال بھر میں ایک دن ماتم کر لو، امام حسینؓ کا نام لے لو۔ بیڑا پار ہے۔ نماز، روزہ وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ ایسے ہی بہت سے بت پرست، قبر پرست ہیں جو کہتے ہیں کہ پیر صاحب کے سالانہ عرس میں شرکت کر لینا کافی ہے، نماز روزہ کی ضرورت نہیں۔

مشرکین کا یہی تصور تھا۔ کہ لات وعزیٰ وغیرہ جن کی ہم پوجا کرتے ہیں یہ اللہ کے بڑے مقرب ہیں۔ یہ ہم کو مصیبت کے وقت چھڑا لیں گے۔ اور خدا کے قریب کر دیں گے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ نہایت لغویات ہے۔ ان کو کوئی نہیں چھڑا سکے گا۔ کوئی ان سے پوچھے کہ خدا کے مقابلے میں اگر ان کا کوئی شریک ہے تو لاؤ جو خدا کے مقابلے میں کسی کو چھڑا سکتا ہے یا پناہ دے سکتا ہے۔ هُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ خدا پناہ دیتا ہے، کوئی اور پناہ نہیں دے سکتا۔ جب گرفت آتی ہے تو کوئی کسی کو نہیں چھڑا سکتا۔

دنیا میں بھی قحط، زلزلے، وبائیں آتی ہیں، اُس وقت یہ قبروں والے، یہ خود ساختہ معبود کہاں ہوتے ہیں۔ یہ جنگ کی تباہیوں میں کیوں نہیں بچاتے۔ تو یہ عقیدہ ہی باطل ہے۔ صرف اللہ ہی ہے جو بچانے کا سامان پیدا کرے کیا اِن کے شریک ہیں؟ اگر ہیں تو لائیں۔

علامہ زمخشریؒ کی تفسیر

مفسر قرآن علامہ زمخشریؒ نے اس کا دوسرا معنیٰ بیان کیا ہے۔ کفار کے اس دعوے کے جواب میں کہ جو اس دنیا میں اچھے ہیں وہ قیامت میں بھی اچھے ہوں گے، علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ کیا اس بات کو دنیا میں کوئی عقلمند آدمی بھی مانتا ہے۔ لاؤ عقلمند آدمی کی بات بھی معتبر ہوتی ہے۔ دنیا کا کوئی عقلمند آدمی بھی اس بات کو نہیں مانتا کہ آج کا بُرا کل اچھا ہوگا۔ ہر صاحب عقل یہی کہتا ہے۔ کہ آج کا بُرا کل بھی بُرا ہوگا۔

تو فرمایا کہ اپنے اس دعوے کی دلیل میں کہ آج مشرکوں کی حالت اچھی ہے تو کل بھی

اچھی ہوگی اگر تمہارے پاس کوئی شریک ہیں تو لاؤ۔ علامہ زمخشریؒ نے شرکاء سے یہ مراد لیا ہے کہ تمہاری اس بات کو ماننے میں اگر تمہارا کوئی شریک ہے تو لاؤ۔ فرمایا ہرگز نہیں۔ مشرکوں کا خیال عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے۔

Marfat.com

درس پنجم | آیت ۴۲ تا ۴۷

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۴۲﴾
خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ إِلَى
السُّجُوْدِ وَهُمْ سَالِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ۖ
سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَأُمْلِيْ لَهُمْ ۖ إِنَّ
كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۴۵﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ
﴿۴۶﴾ أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾

ترجمہ: جس دن کھولی جائیگی پنڈلی اور یہ سجدے کی طرف بلائے جائیں گے پس یہ سجدہ کرنے کی طاقت نہیں رکھیں گے ﴿۴۲﴾ ان کی آنکھیں پست ہوں گی ان کے اوپر ذلت چڑھی ہوئی ہوگی اور تحقیق ان کو دنیا میں سجدے کی طرف بلایا جاتا تھا اور وہ بالکل صحیح سلامت تھے ﴿۴۳﴾ چھوڑ دیں مجھے اور ان کو جو اس بات کو جھٹلاتے ہیں۔ ہم ان کو آہستہ آہستہ سیڑھیوں پر چڑھائیں گے۔ جہاں سے ان کو پتہ بھی نہیں ہوگا ﴿۴۴﴾ اور میں ان کو مہلت دیتا ہوں میری تدبیر مضبوط ہے ﴿۴۵﴾ کیا آپ ان سے کچھ معاوضہ طلب کرتے ہیں کہ یہ اس تاوان کی وجہ سے بوجھل ہو رہے ہیں ﴿۴۶﴾ کیا اُن کے پاس غیب ہے پس وہ اس کو لکھتے ہیں۔ ﴿۴۷﴾

گذشتہ سے پیوستہ (ربط)

پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفر و شرک کرنے والوں کا رد فرمایا۔ کافروں کے اس خیال کی تردید فرمائی جس کے مطابق وہ کہتے تھے کہ چونکہ ہم دنیا میں برتر ہیں لہٰذا آگے بھی ہم ہی برتر ہونگے فرمایا کہ فرمانبردار اور مجرم یکساں کیسے ہو سکتے ہیں۔ یہ بات عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے۔ پھر مطالبہ کیا کہ تمہارے پاس کوئی عقلی یا نقلی دلیل ہے تو پیش کرو۔ دنیا کا کوئی عقلمند اس بات کو تسلیم نہیں کرے گا کہ مجرم اور فرمانبردار ایک جیسے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے متقیوں کے لیے مقرر کردہ نعمتوں اور اُن کی کامیابی کا حال بیان کیا۔

عبادت کا انحصار صحت پر منحصر ہے۔

ان آیتوں میں شرک اور کفر کرنے والوں کا حال بیان ہوا ہے۔ وہ اپنے شرک کو اس طرح

صحیح قرار دیتے ہیں، کہ جن کی عبادت ہم کرتے ہیں، اس سے مقصود عبادت نہیں بلکہ یہ تو صرف واسطہ ہیں۔ اور ان کی عبادت کرنا گویا خدا کی عبادت کرنا ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ بالکل غلط خیال ہے۔ کیونکہ جو شخص خدا تعالیٰ کو مبرا اور منزہ سمجھ کر خالص اُسی کی عبادت کرتا ہے تو یہی عبادت صحیح اصول پر قائم ہوتی ہے۔ اور آگے چل کر اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ مگر ان غلط عقیدہ رکھنے والوں کی بیہودہ باتوں کا الٹا اثر ظاہر ہوگا۔ یہ لوگ اپنے غلط عقیدے کو صحیح ثابت کرنے کے لیے طرح طرح کی بیہودہ باتیں کرتے ہیں۔ اگر یہ صحیح عبادت کرنے والے ہوتے تو اس کا اثر صحیح طریقے پر ظاہر ہوتا۔

عبادت کے صحیح یا غلط اثر کا ظہور کب ہوگا۔ تو اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کا ذکر کیا اور اُن لوگوں کا رد فرمایا، جن کی عبادت غلط ہے۔ ارشاد ہوا یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ جس دن کھولی جائیگی پنڈلی وَیُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ اور یہ سجدے کی طرف بلائے جائیں گے۔ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ۔ پس یہ سجدہ کرنے کی طاقت نہیں رکھیں گے۔ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ اُن کی آنکھیں پست ہوں گی تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ اُن کے اوپر ذلت چڑھی ہوئی ہوگی۔ وَقَدْ کَانُوْا یُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ اور تحقیق ان کو دنیا میں سجدے کی طرف بلایا جاتا تھا وَهُمْ سَالِمُوْنَ اور وہ بالکل صحیح سلامت تھے۔ وہاں پر یہ صحیح سجدہ نہیں کرتے تھے۔ تو اصل مقصد یہی ہے کہ مشرکین اور کفار کی عبادت غلط ہے۔ اس کا اثر صحیح نہیں نکلے گا، مگر تعبیر ان الفاظ کے ساتھ کی گئی ہے۔

ساق کے حقیقی معنے

یہ قرآن پاک کی مشکل آیتوں میں سے ہے۔ اس کا مفہوم سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے ساق پنڈلی کو کہتے ہیں۔ اس لیے مفسرین کرام نے اس آیت کی تفسیر میں مختلف طریقے استعمال کیے ہیں تاکہ آیت کا مفہوم قریب الفہم ہو۔ پنڈلی سے کیا مراد ہے۔ اس سلسلہ میں تفسیر کے دو طریقے تو عام ہیں۔ بعض مفسرین اس سے حقیقی معنی مراد لیتے ہیں۔ اور بعض مفسرین مجازی معنی مراد لیتے ہیں۔ حقیقی معنی یہ ہے۔ کہ ساق سے پنڈلی ہی مراد لی جائے، جیسا کہ انسان کے جسم میں پنڈلی، ٹانگیں اور دیگر اعضاء ہوتے ہیں۔ پنڈلی پر جسم کھڑا ہے ایسے ہی پنڈلی کا اطلاق خدا کی ذات پر کریں تو یہ حقیقی معنی ہوگا، مگر اس میں دشواری یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے لیے جسمیت ثابت ہوتی ہے۔

Marfat.com

حالانکہ اللہ تعالیٰ اعضاء سے بالکل پاک ہے۔ یہ تنزیہہ کے خلاف ہے۔

ساق کے مجازی معنے

بعض مفسرین جن میں ابن جریر طبریؒ۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ شامل ہیں ان سے منقول ہے کہ یہاں حقیقی معنے مراد نہیں ہیں، بلکہ یہ تمثیل ہے۔ تمثیل اس طرح کہ کشفِ ساق کنایہ ہوتا ہے سختی سے۔ یعنی شدت اور سختی مراد ہے۔ عربی محاورے میں کشفِ ساق شدت، بے چینی اور سختی کے معنیٰ میں استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسا کہتے ہیں کَشَفَ الْحَرْبُ عَنْ سَاقِهَا لڑائی نے اپنی پنڈلی کھول دی ہے۔ یعنی لڑائی سخت ہوگئی ہے۔ شدت اختیار کر گئی ہے۔

فرمایا جس دن قیامت کی سختی برپا ہوگی، اُس وقت کافروں کی عبادت صحیح نہیں ہوگی۔ اس کا اثر صحیح ثابت نہیں ہوسکے گا۔ انہوں نے شرک کا ارتکاب کیا ہے اور شرک کا اثر بُرا اور اُلٹا نکلے گا۔ بات یہ سمجھانا مقصود ہے۔ ظاہر ہے کہ قیامت کی سختی سے بڑی سختی اور کوئی نہیں ہوگی۔ اولاً قیامت کا واقع ہونا اور حیرت انگیز حالات کا ظاہر ہونا، پھر تمام انسانوں کا جمع ہونا، اس کے بعد محاسبے کی منزل وغیرہ بہت ہی تلخ ہوں گے، جیساکہ فرمایا وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ قیامت بڑی آفت ہے اور بڑی تلخ ہے۔ تو کشفِ ساق سے مراد یہ ہے کہ جس دن سختی واقع ہوگی۔ اُس دن ان کی عبادت ٹھکانے نہیں لگے گی۔ غلط ہوگی۔ تو یہ گویا ساق کے مجازی معنے ہیں۔

خدا کی ذات پر پنڈلی کا اطلاق

بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اگر ساق کا حقیقی معنیٰ یعنی پنڈلی بھی لیا جائے تو درست ہے مگر پنڈلی کا اطلاق خدا کی ذات پر کیسے کیا جائے۔ قرآن پاک میں اور بھی کئی متشابہات ہیں مثلاً چہرہ، ہاتھ، حدیث میں اللہ تعالیٰ کی انگلیوں کا ذکر بھی آتا ہے اِنَّ قُلُوْبَ بَنِیْ اٰدَمَ کُلَّهَا بَیْنَ اِصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ دل اللہ کی انگلیوں کے درمیان ہیں جسطرح چاہتا ہے پلٹ دیتا ہے۔ یہ سب چیزیں قرآن و حدیث میں موجود ہیں۔ حدیث میں کمر کا ذکر بھی آتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے رحم، رشتے اور قرابت کو پیدا کیا تو اُس نے رحمان کی کمر کو پکڑ لیا۔ اسی طرح قدم کا ذکر بھی حدیث میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دوزخ میں اپنا قدم ڈالیں گے۔ جس سے وہ پُر ہو جائے گی اور کہے گی بس اب پُر ہوگئی ہوں۔

لہٰذا جتنے بھی سلف صالحین بزرگ اور آئمہ کرام گزرے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ان سب الفاظ پر ہمارا ایمان ہے۔ اور اسی طرح پنڈلی پر بھی۔ حدیث میں چادر اور تہ بند کا ذکر بھی آتا ہے اَلْکِبْرُ رِدَائِیْ وَالْعَظَمَةُ اِزَارِیْ یعنی تکبر میری چادر ہے اور عظمت میرا تہ بند ہے جو ان

Marfat.com

کو اپنے اوپر اوڑھنا چاہے گا میں اُسے ذلیل کروں گا۔

امام ابوحنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ اور سفیان ثوریؒ جیسے آئمہ کرام کا مسلک یہ ہے۔ کہ جس طرح یہ الفاظ وارد ہوتے ہیں، ان پر ایمان رکھنا چاہیئے یہ صحیح ہیں مگر ان کی کیفیت کو خدا کے سپرد کرنا چاہیئے۔ کہ ان اعضا کی کیفیت کیسی ہے۔ مثلاً یہ پنڈلی ایسی نہیں ہے جیسی انسان یا حیوان کی ہوتی ہے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ کا فرمان ہے، لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ خدا کی مانند کوئی چیز نہیں۔ پنڈلی ہے۔ ہاتھ ہے مگر جیسا اُس کی شان کے لائق ہے۔ آنکھ اور کان ہیں کیونکہ وہ سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ ہے۔ مگر ایسی آنکھ اور ایسے کان نہیں جیسے مخلوق کے ہوتے ہیں، بلکہ ایسے جیسے اس کی شان کے ساتھ لائق ہیں۔

اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کا بھی یہی معنیٰ کرتے ہیں۔ خدا عرش پر مستوی ہے مگر ایسا نہیں جیسا انسان تخت پر بیٹھتا ہے۔ بلکہ اس طرح جس طرح اُس کی شان کے لائق ہے۔ یہ سبحان اللہ کا کلمہ کیا ہے یہی تنزیہہ ہے، خدا کی ذات پاک ہے، ان تمام تشبیہات، کمزوریوں اور زمان ومکان سے۔ تو پنڈلی کو مانتے ہوئے یہ سمجھنا چاہیے۔ جیسے اُس کی شان کے ساتھ لائق ہے اس کی کیفیت میں بحث نہ کرو کہ یہ انسان کی فہم سے بالا ہے۔ اور تشبیہ دے گا تو کفر و شرک میں مبتلا ہو جائے گا۔ کیونکہ اس طرح مادیت ثابت ہوگی۔ جو خدا کی شان کے خلاف ہے۔

حضرت علیؓ کا قول ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کی ذات کے بارے میں اپنی عقل، وہم اور خیال کے ساتھ جو تم انتہائی تصور کر سکتے ہو، وہاں جا کر رک جاؤ اور کہہ دو کہ جو کچھ میرے تصور میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس کے خلاف ہے۔ خدا کی ذات بلند و برتر ہے۔ فَتَعَالَی اللّٰہُ خدا کی ذات بہت عالی ہے۔ وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی خدا کی شان بہت اونچی ہے لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ خدا کے مثل کوئی چیز نہیں، وہ بے مثل ہے۔ تو گویا یہاں معنیٰ یہ کرنا پڑے گا جیسا اُس کی شان کے ساتھ لائق ہے بحث کی ضرورت نہیں۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ خدا کا عرش پر مستوی ہونا معلوم ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی مگر کیفیت مجہول ہے۔ کیفیت کو مخلوق میں کوئی نہیں جانتا۔ کہ وہ کس طرح مستوی ہے۔ کہ یہ کرو گے تو گمراہی میں پڑ جاؤ گے، ایمان لاؤ اور یہی کہو جیسا اس کی شان کے ساتھ لائق ہے۔ ہماری عقل ناقص ہے۔ ہمارا فہم نارسا ہے اور وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہ عام سلف صالحین نے کلام کیا ہے۔

Marfat.com

ساق خدا کے کمال کی ایک جہت ہے

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں، خدا کی ایک ذات ہے۔ اور اُس کی صفات ہیں۔ اُس کے اسماء اور صفات پر ایمان لانا ضروری ہے اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ کَمَا ھُوَ بِاَسْمَائِہٖ وَصِفَاتِہٖ خدا رحمان اور رحیم ہے۔ ستار اور غفار ہے، یہ اس کی ساری صفات ہیں اور ننانویں نام ہیں۔ صفات ذات سے الگ نہیں ہوا کرتیں۔ تو اللہ تعالیٰ کے لیے ساق یا دیگر اعضاء کا جو ذکر ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے کمالات کی جہتیں ہیں اور وہ صفات سے الگ ہیں ان کمالات کی جہتوں میں ایک ساق بھی ہے اور یہ ایک حقیقت ہے۔ انسان کی پنڈلی بنیاد ہوتی ہے اور دوسرا اعضاء اُس پر کھڑے ہوتے ہیں۔ اس طرح ساق ایک حقیقت کو بیان کر رہی ہے۔ اس سے مراد ایسی پنڈلی نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے اور خدا تعالیٰ کے کمال کی جہت کو بیان کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے کمالات کی بہت سی جہتوں میں سے دو جہتیں یعنی پنڈلی اور قدم ادنیٰ درجے کی ہیں۔ پنڈلی کا ظہور حشر میں ہوگا۔ اور قدم کا دوزخ میں۔ مگر کافر اور مشرک اِن ادنیٰ جہتوں کو سمجھنے کے بھی قابل نہیں ہوں گے کیونکہ انہوں نے اپنی استعدادوں کو خراب کیا ہوا ہے۔ باقی جہات تو بہت بلند ہیں مثلاً وجہ، سمع وغیرہ ان کو یہ لوگ کیسے سمجھ سکیں گے تو یہاں پنڈلی سے مراد وہ تشبیہ والی پنڈلی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی ایک جہت کو بیان کرنا ہے، جس کا ظہور ہوگا۔

کشفِ ساق سے مراد تجلی کا ظہور ہے

احادیث میں مختلف الفاظ آتے ہیں۔ کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ پنڈلی کو کھولے گا یعنی کشفِ ساق ہوگا۔ شاہ ولی اللہؒ بڑے حکیمانہ طریقے پر فرماتے ہیں کہ اُس وقت ایک خاص قسم کی تجلی کا ظہور ہوگا۔ اس کا اثر یہ ہوگا کہ ہر مومن مرد اور ہر مومنہ عورت جب اس سمت کو دیکھیں گے تو سجدہ ریز ہو جائیں گے۔ البتہ جس شخص نے دنیا میں اخلاص اور توحید کے ساتھ خدا کے حضور سجدہ نہیں کیا، وہ وہاں پر سجدہ نہیں کر سکے گا۔ اس تجلی کے ظہور پر ایسے لوگوں کی پشتیں تختے کی مانند ہو جائیں گی، جس کی وجہ سے وہ سجدہ نہیں کر سکیں گے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کو دوزخ میں پھینکا جائے گا۔ ریاکار، مشرک، کافر سجدہ نہیں کر سکیں گے۔ سجدہ صرف وہ لوگ کر سکیں گے جنہوں نے ایمان، توحید اور اخلاص کے ساتھ دنیا میں سجدہ کیا ہوگا۔

مومن سجدہ ریز ہو جائیں گے

ایک اور روایت میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ، ابوسعید خدریؓ اور دیگر صحابہ نے کشفِ ساق کی حقیقت اس طرح بیان کی ہے یُکْشَفُ عَنْ نُوْرٍ عَظِیْمٍ ایک بہت بڑے نور کا انکشاف

Marfat.com

ہوگا۔ اس کو دیکھ کر تمام ایماندار سجدہ ریز ہو جائیں گے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت میں یوں آتا ہے کہ روزِ حشر ہر اُس معبود کو سامنے متمکن کیا جائے گا جس کی لوگ دنیا میں پوجا کرتے تھے۔ سورج پرست سورج کی طرف چلے جائیں گے اور چاند کے پجاری چاند کے پیچھے جائیں گے۔ اور آخر میں اس امت کے منافق اور مومن رہ جائیں گے۔ اُن کی بھی ابتلا ہوگی۔ اُن کے سامنے ایک خاص تجلی رکھی جائیگی مومن انکار کر دیں گے کہ یہ ہمارا رب نہیں ہے۔ ہم اس کے سامنے سجدہ نہیں کرتے۔ انکار کریں گے، کہیں گے ہم دنیا میں کفر و شرک سے بچتے رہے ہیں، ہم سجدہ نہیں کریں گے۔ پھر اُن کے سامنے وہ تجلی ظاہر کی جائے گی جس میں وہ اپنے رب کو پہچانتے ہیں۔ تو فوراً سجدہ ریز ہو جائیں گے۔ مگر منافق سجدہ نہیں کر سکیں گے، اُن کی بات وہیں ختم ہوگی۔ لہٰذا دوزخ میں جائیں گے۔ تو گویا نورِ عظیم کو کشفِ ساق سے تعبیر کیا گیا ہے۔

کشفِ ساق سے مراد انکشافِ حقیقت ہے

اس لفظ کی ایک تیسری تعبیر بھی کی گئی ہے۔ حضرت ابوسعید ضریرؒ کہتے ہیں کشفِ ساق کا معنیٰ حقیقت کا کھل جانا ہے۔ یعنی جس دن حقیقت کو کھول دیا جائے گا۔ جیسا کہ قرآن پاک میں سورۃ طارق میں یَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ جس دن سینے کے راز بھی کھل جائیں گے۔ جو حقیقتیں آج پوشیدہ ہیں، قیامت کے دن کھول دی جائینگی۔ عبادت کی حقیقت بھی کھول دی جائیگی۔ تو کشفِ ساق کا مطلب ہے حقیقت کا کھولنا۔

دنیا میں دو قسم کے انسان ہیں۔ ایک وہ قسم جن کی عبادت حقیقت پر قائم ہے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو عبادت اور ریاضت کرتے ہیں۔ نمازیں بھی پڑھتے ہیں مگر ان کی یہ عبادت صحیح حقیقت پر قائم نہیں۔ قیامت کے دن عبادت کی اصلیت کا پتہ چلے گا جب عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ تَصْلَىٰ نَارًا حَامِيَةً دنیا میں بڑی عبادت و ریاضت کی مگر سب بیکار گئی، وہ محض تھکاوٹ ہی تھی، کیونکہ صحیح حقیقت پر مبنی نہیں تھی۔

صحت عبادت کا انحصار معرفت الٰہی ہے۔

حقیقی عبادت کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ اپنے رب کی پہچان کی جائے یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ۔ رب کی پہچان اس کی صفت سے ہوتی ہے۔ رب کون ہے، پہلے اُس کی صفت کو پہچانو۔ یہودیوں کے متعلق فرمایا مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ انہوں نے خدا تعالیٰ کو صحیح نہیں پہچانا۔ معاذؓ بن جبل کی حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

نے فرمایا، اے معاذ! یمن میں جاؤ۔ وہاں اہل کتاب بھی ہیں، سب سے پہلے انہیں توحید کی دعوت دو شَہَادَۃُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ توحید و رسالت کا سبق پڑھاؤ۔ فَاِذَا عَرَفُوْا ذَالِكَ جب وہ پہچان لیں کہ خدا وحدہٗ لاشریک ہے اُس کی صفات کے ساتھ، پھر اُن کو کہنا کہ اللہ تعالے نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں، سال میں ایک ماہ کے روزے فرض کئے ہیں، مال ہے تو زکوٰۃ فرض ہے حج فرض ہے۔

اگر رب کی پہچان نہیں ہے۔ تو نہ نماز کسی ٹھکانے لگے گی نہ روزہ۔ اِسی لیے فرمایا کہ یہود نے خدا کو صحیح نہیں پہچانا۔ اور یہ پہچان ہی ضروری ہے جو انسان اللہ تعالےٰ کو صحیح پہچان کر عبادت کرے گا، اُس کی عبادت صحیح اصول پر ہوگی۔ اور اُس کا اثر ظاہر ہوگا۔ اسی طرح جو انسان خدا تعالےٰ کو اور اُس کی صفت کو صحیح طور پر نہیں پہچانے گا۔ اُس کی عبادت رائیگاں جائیگی اور آدمی جہنمی ہوگا، مردود ہوگا۔ اللہ تعالےٰ کو جانتے تو سب ہیں، مشرک، جوگی، پادری سب جانتے ہیں مگر صحیح طور پر نہیں پہچانتے۔ دنیا میں اکثر لوگ حجاب سوءِ معرفت میں مبتلا ہیں۔

فرمایا جس دن ساق کھولی جائیگی اور اُن کو سجدے کی طرف بلایا جائے گا تو وہ سجدے کی طاقت نہیں رکھیں گے۔ ان کی آنکھیں پست ہوں گی۔ سیاہی چڑھی ہوئی ہوگی۔ دنیا میں ان لوگوں کو اللہ کی عبادت کے لیے بلایا جاتا تھا۔ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ اے لوگو! رب کے سامنے سجدہ کرو۔ اس کی پہچان کے بعد اور عقیدہ درست کرنے کے بعد اُس کی عبادت کرو۔ انسانو! تمہارا رب وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ تمہارا خالق، مالک، رازق، مدبر، متصرف وہی ہے ان صفات کو جاننے کے بعد ہی انسان کو پہچان ہوتی ہے۔ کہ خدا تعالیٰ منزہ اور مبرا ہے، وہ لم یلد ولم یولد ہے۔ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ہے۔ اُس کی اولاد نہیں، وہ کھاتا پیتا نہیں، پاک ہے منزہ اور مبرا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰہِ اَنْدَادًا اُس کا نِد کوئی نہیں ہے۔ یہ ساری پہچان ہی ہے۔ جب یہ صحیح ہو جائے تو اُس کی عبادت کرو۔ اس طرح سے کی ہوئی عبادت ہی ٹھکانے لگے گی۔

عقیدہ تشبیہ اور شرک

جنہوں نے دنیا میں خدا تعالےٰ کو صحیح طور پر نہیں پہچانا، اُن میں تشبیہ والے بھی ہیں۔ جیسے ابنیت والے جو خدا کی اولاد مانتے ہیں اِتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا یہ لوگ تشبیہ کے عقیدے میں مبتلا ہیں۔ کہ خدا تعالےٰ کو مخلوق کے مشابہ بنایا۔ بیوی بچے ہونا مخلوق کی شان ہے، انہوں نے مخلوق کی یہ

Marfat.com

صفت اللہ تعالٰے کے لیے ثابت کی۔ تو وہ عقیدہ تشبیہ میں مبتلا ہو گئے۔

اسی طرح جن لوگوں نے خدا کی صفت خاصہ مخلوق میں ثابت کی وہ شرک میں مبتلا ہو گئے۔ اللہ کے سوا مدبر کوئی نہیں، مگر انہوں نے قبروں والوں کو بھی مدبر جانا۔ لات وعزیٰ کو مدبر جانا۔ نبیوں کو مدبر جانا۔ مافوق الاسباب کوئی کسی کی فریاد نہیں سنتا مگر انہوں نے یہ بھی مانا تو شرک کے مرتکب ہوئے۔ خدا کی صفت علیم کل ہے، انہوں نے کہا کہ ولی بھی جانتے ہیں۔ ہماری ضرورتوں کو غائبانہ طور پر جانتے ہیں۔ خدا تعالٰے ہر جگہ حاضر وناظر ہے۔ یہی صفت وہ دوسروں میں بھی ملتے ہیں۔ حالانکہ علیم کل اور حاضر ناظر سوائے خدا کے اور کوئی نہیں۔ خدا کے سوا نہ کوئی مدبر ہے، نہ خالق ہے، نہ معبود ہے، مگر انہوں نے کہا کہ نہیں اور بھی ہیں، اُن کی عبادت کے بغیر خدا کی عبادت ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ تمام چیزیں شرک کے اندر آتی ہیں۔ تو اس طرح گویا شرک ہے یا تشبیہ۔

حجاب سوء معرفت

شاہ ولی اللہؒ اسے حجاب سوء معرفت سے تعبیر کرتے ہیں۔ انسان یا تو حجاب طبع میں مبتلا ہے یا حجاب رسم میں۔ طبعی ضروریات مثلاً کھانا، پینا، مکان، دکان وغیرہ حجاب طبع میں آتے ہیں جب کہ رسم ورواج کو ادا کرنے والے لوگ حجاب رسم میں مبتلا ہیں۔ تیسری قسم کے لوگ حجاب سوء معرفت میں مبتلا ہیں۔ اور بہت کم لوگ ایسے ہیں جو ان حجابات سے آگے نکل کر خدا تعالٰے کی وحدانیت کو مانتے ہیں۔ اور خدا کی صحیح عبادت کرتے ہیں۔

تو فرمایا وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَالِمُونَ یعنی دنیا میں ان کو سجدہ کی طرف بلایا جاتا تھا اور وہ صحیح سلامت تھے۔ تندرست تھے۔ اُن کو دعوت دی جا رہی تھی کہ کہ خدا کے سامنے سجدہ کرو آج تمہیں اس کا اختیار ہے، یہ کل سلب ہو جائے گا۔ مگر انہوں نے اُس وقت دنیا میں سجدہ نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہے۔ کہ قیامت کے دن اُن کی پشت تختہ بن جائے گی۔ اور وہ سجدہ کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو جائیں گے۔

استدراج کیا ہے

رسالت اور جزائے عمل کے بارے میں فرمایا فَذَرْنِي وَمَنْ يُكَذِّبُ بِهَٰذَا الْحَدِيثِ یعنی چھوڑ دیں مجھے اور اُن کو جو اس بات کو جھٹلاتے ہیں کہ عبادت صرف خدا کی ہی صحیح اصول پر ہونی چاہیئے اور نیز یہ کہ نبی برحق ہے اور قیامت ضرور آنے والی ہے۔ کیوں سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ۔ اس لیے کہ ہم ان کو آہستہ آہستہ سیڑھیوں پر چڑھائیں گے۔ جہاں سے

ان کو پتہ بھی نہیں ہوگا۔ استدراج آہستہ آہستہ چڑھانے کو کہتے ہیں۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ جب تم دیکھو کہ ایک شخص کو نافرمانی کے باوجود نعمتیں مل رہی ہیں تو جان لو کہ یہ شخص استدراج میں مبتلا ہے۔ یعنی یہ شخص خدا کی دی ہوئی مہلت سے غلط فائدہ اٹھا رہا ہے۔

بخاری شریف کی روایت میں یہ الفاظ اس طرح آتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ یُمْلِی لِلظَّالِمِ خدا ظالم کو مہلت دیتا ہے۔ حَتّٰی اِذَا اَخَذَہٗ لَمْ یُفْلِتْہُ پھر جب پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں۔ اسے سزا کے شکنجے میں جکڑ دیتا ہے یہی استدراج ہے کہ معاصی اور نافرمانی کے باوجود نعمتیں مل رہی ہیں۔ لہٰذا ایسے شخص کو دیکھ کر شبہ میں نہیں پڑنا چاہیئے۔ کہ شاید یہ آدمی اچھا ہے۔ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں وَاُمْلِی لَھُمْ میں ان کو مہلت دیتا ہوں۔ میری تدبیر مضبوط ہے اور یہ لوگ میری تدبیر سے باہر کہاں جا سکتے ہیں۔

خیرخواہوں کی نصیحت سے اعراض

رسالت ہی کے بیان میں آگے فرمایا۔ کہ جب آپ ان کو حقائق سے آگاہ کرتے ہیں تو کیا یہ اس لیے انکار کرتے ہیں کہ آپ ان سے کچھ مزدوری طلب کرتے ہیں، معاوضہ یا فیس مانگتے ہیں۔ اَمْ تَسْئَلُھُمْ اَجْرًا فَھُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ کیا یہ اس تاوان کی وجہ سے بوجھل ہو رہے ہیں۔ کوئی معاوضہ طلب کرتا ہے تو گراں گذرتا ہے۔ کہ یہ تو اپنا مطلب پورا کر رہا ہے۔ فرمایا یہ بات نہیں ہے۔ کیونکہ تمام انبیاء کرام لوگوں کو صاف بتلاتے ہیں مَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ ہم اپنی تعلیم و تبلیغ کا کوئی معاوضہ نہیں مانگتے، تم اپنے ذہن صاف رکھو اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی ہمارا بدلہ تو رب العلمین کے ذمہ ہے۔ وہی ہمیں دے گا۔ ہم کسی سے کچھ طلب نہیں کرتے بلکہ ہم تو خیرخواہی کرتے ہیں نَاصِحٌ اَمِیْنٌ ہم خیرخواہ ہیں۔ تمام نبی یہی کہتے رہے اَنْصَحُ لَکُمْ وَلٰکِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ ہم تو تمہاری خیر خواہی کرتے ہیں مگر افسوس کہ تم خیرخواہوں کی بات کو نہیں مانتے۔ دنیا میں اکثر ایسا ہوا ہے کہ لوگوں نے سچے اور مخلص خیر خواہوں کی بات کو نہیں مانا۔ خود غرضوں کے پیچھے اور باطل پرستوں کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، چوہدریوں اور غلط کار لوگوں کے پیچھے لگے ہیں۔ مخلص اور خیر خواہوں کی بات کی طرف دھیان نہیں دیا۔

آج کے دولتمند کل کے قلاش

یہ جو کہتے ہیں کہ آج ہم آسودہ حال ہیں تو کل کو اگر قیامت آبھی گئی تو بھی ہم ہی اچھے ہونگے اور مسلمان جو یہاں مادی اعتبار سے کمزور ہیں قیامت کو بھی ان کی حالت اچھی نہیں ہوگی تو اس

Marfat.com

سلسلے میں ارشاد ہوا اَمۡ عِنۡدَهُمُ الۡغَيۡبُ فَهُمۡ يَكۡتُبُوۡنَ کیا اِن کے پاس غیب ہے کیا وہ اس بات کو جانتے ہیں، بلکہ فرمایا یہ غلط ہے۔ جھوٹ کہتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں ہے، کہ جو آج اچھا ہے، کل بھی اچھا ہوگا، جو آج دولت مند ہے، کل بھی دولت مند ہوگا۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ اَلۡاَكۡثَرُوۡنَ هُمُ الۡاَقَلُّوۡنَ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ۔ یعنی جو آج زیادہ دولت مند ہیں کل قیامت کے دن بڑے ہی محتاج ہوں گے۔

ابوجحیفہؓ اس حالت میں حضور علیہ السلام کے پاس آئے۔ کہ گوشت روٹی سے پیٹ خوب بھرا ہوا تھا۔ اور ڈکار مار رہے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اپنے ڈکاروں کو روکو۔ جو آج دنیا میں پیٹ بھر کر کھاتے ہیں، کل قیامت کے دن زیادہ بھوکے ہوں گے۔ اس کے بعد ابوجحیفہؓ جب تک زندہ رہے، دن میں کبھی پیٹ بھر کر دو مرتبہ روٹی نہیں کھائی۔

مسلم شریف کی روایت میں ہے، آج کے زیادہ دولت مند کل زیادہ محتاج ہوں گے، کیونکہ دولت مند حقوق ادا نہیں کرتے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ وہ تھوڑے لوگ جو دولت کو صحیح طور پر استعمال کرتے ہیں، اس کے فرضی اور واجبی تمام حقوق ادا کرتے ہیں، وہ آج بھی دولت مند ہیں، کل بھی دولت مند ہوں گے ورنہ آج کے دولت مند کل کے قلاش اور آج کے بھرے ہوئے پیٹ والے کل کے بھوکے ہوں گے۔ تو فرمایا کیا ان کے پاس کوئی غیب کی خبر ہے۔ کہ جو آج اچھے ہیں۔ کل بھی اچھے ہوں گے۔ یہ تو کافر اور مجرمین ہیں۔ کل ان کا بُرا حال ہوگا۔

Marfat.com

درس ششم — آیت ۴۸ تا ۵۲

وقف لازم فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ ۘ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ
(۴۸) لَوْلَا أَنْ تَدَارَكَهُ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهِ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ
(۴۹) فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ (۵۰) وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ
وقف لازم كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ الربع
إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ (۵۱) وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ (۵۲) ع ۲

ترجمہ :- اپنے رب کے حکم کے لیے صبر کریں۔ اور مچھلی والے کی طرح نہ بن جائیں۔ جب انہوں نے دعا کی تو غم سے بھرے ہوئے تھے (۴۸) اگر ان کے رب کی نعمت ان کا تدارک نہ کرتی تو البتہ پھینک دیا جاتا ان کو چٹیل میدان میں اس حالت میں کہ وہ ہارے ہوئے ہوتے (۴۹) پھر اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کو برگزیدہ بنایا اور اسے صالحین میں بنایا (۵۰) قریب ہے کہ کافر لوگ آپ کو اپنی آنکھوں سے گھور گھور کر دیکھیں جب وہ قرآن پاک کو سنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ تو پاگل ہے (۵۱) اور یہ قرآن تو تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے (۵۲)

گذشتہ سے پیوستہ (ربط)

پہلی آیتوں میں توحید و رسالت کے منکرین کا بیان تھا۔ قیامت میں پیش آنے والے حالات کا ذکر تھا۔ ابتدائی آیات میں کفر کرنے والوں کی بدگوئی کا حال تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے انکار کرتے تھے اور العیاذ باللہ آپ کو دیوانہ اور پاگل قرار دیتے تھے۔ اس کے بعد مشرکین کے اُس رویہ کا ذکر تھا۔ کہ وہ چاہتے ہیں کہ آپ مداہنت کریں، اگر اس طرح ایک دوسرے سے اتفاق ہو سکے گا مگر اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کر دیا فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ۔ اس کے بعد بیان ہوا کہ اللہ نے جو مال و دولت دے رکھا ہے، وہ محض آزمائش کے لیے ہے۔ باغ والوں کا حال بیان ہوا اُن کو اللہ تعالیٰ نے آزمایا، پھر اُن کا مال و دولت ہلاک کر دیا، اسی طرح فرمایا کہ مکے کے مشرکین کو مال و دولت دے کر آزمایا گیا ہے۔ وہ یہ نہ سمجھیں کہ اللہ کے محبوب ہیں، بلکہ یہ تو آزمائش ہے۔ آگے قیامت کا حال بیان فرمایا کہ وہاں پہ یہ لوگ پچھتائیں گے۔

صبر کی تلقین

آخری آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دلائی ہے کافر لوگ آپ کو

Marfat.com

بڑی تکلیف دیتے تھے، العیاذ باللہ آپ کو دیوانہ کہتے تھے حالانکہ اللہ کا نبی جو اخلاق عالیہ پر فائز ہوتا ہے، بڑا ہی دانا اور عقلمند ہوتا ہے۔ مگر یہ لوگ حسد کی بنا پر آپ کو پاگل کہتے تھے۔ جس سے آپ کو تکلیف پہنچتی تھی، توحید ورسالت اور قیامت کے انکار سے بھی آپ دل برداشتہ ہوتے تھے۔ تو اس سلسلہ میں ان آیات کے اندر اللہ نے تسلی کا مضمون بیان فرمایا۔

قرآنِ کریم میں تسلی کا مضمون کثرت سے بیان ہوا ہے۔ بعض اوقات کوئی پہلا نمونہ بیان کر کے تسلی دی جاتی ہے۔ جیسے نوح علیہ السلام کا واقعہ ہے۔ انہوں نے بھی جب نصیحت کی تو قوم کہنے لگی۔ قَالُوا مَجْنُونٌ وَّازْدُجِرَ یہ تو پاگل ہے۔ انہوں نے ڈانٹ دیا کہ ہم تمہاری کوئی بات سننے کے لیے تیار نہیں، کبھی دوسروں کو کہہ دیا۔ یہ بیوقوف آدمی ہے۔ اس کی بات نہ سننا۔ تو انہوں نے صبر کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کا نمونہ بھی بیان فرمایا۔

یہاں پر اللہ تعالےٰ نے ایک اور نبی کا حال ذکر کیا ہے۔ کہ اُن سے ایک معمولی لغزش ہوگئی تھی۔ انہوں نے بے صبری سے کام لیا اور کتنی بڑی آزمائش میں پڑ گئے۔ اے نبی علیہ السلام! آپ ایسا نہ کریں، بلکہ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ اپنے رب کے حکم کے لیے صبر کریں۔ جو حکم آئے، اُس کے مطابق عمل کریں، جلد بازی نہ کریں اور ان لوگوں کی باتوں پر، تکلیفوں اور ایذاؤں پر صبر کریں۔ کہیں دل برداشتہ ہو کر ان کے لیے جلدی عذاب نہ طلب کر لیں۔ انتقام میں جلدی نہ کریں، یہ مناسب نہیں ہے۔ اپنے رب کے حکم کا انتظار کریں اور مشرکین کی تکلیف دہ باتوں پر استقلال سے کام لیں۔

صبر و طاعت لازم و ملزوم ہیں

صبر ملتِ ابراہیمی کا ایک بہت بڑا اصول ہے۔ جس طرح ذکر، نماز اور شکر وغیرہ ہیں اسی طرح صبر بھی ہے۔ صبر کا مادہ اطاعت کے لیے ہوتا ہے، جو شخص صبر نہیں کر سکتا، وہ اطاعت نہیں کر سکتا۔ اطاعت میں صبر کرنا پڑتا ہے۔ روزہ، حج، جہاد، نماز کے لیے صبر کرنا پڑتا ہے صبر کے بغیر اطاعت نہیں ہو سکتی۔ برداشت کرنا، نفس کو اس پر جمانا، طہارت وغیرہ یہ سب پابندیاں ہیں بڑے صبر کا کام ہے۔ اسی لیے فرمایا وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔ آپ صبر کریں اور آپ کا صبر اللہ کی توفیق سے ہی ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے خدا تعالیٰ سے توفیق بھی طلب کریں۔ جس طرح ذکر فکر اور نماز ہے اسی طرح صبر ہے۔ جب تکلیف آئے تو اسے

Marfat.com

من جانب اللہ سمجھ کر برداشت کریں ۔ تکالیف کو لانا اور رفع کرنا اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے لہذا جب تکلیف آئے تو بے صبری کا اظہار نہ کریں۔

صبر و صلوٰۃ کے ذریعے استعانت

سورۃ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے۔ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ جب تم کو تکلیف پہنچے تو اس کا مقابلہ صبر اور نماز کے ساتھ کرو۔ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو۔ نماز پڑھو کہ نماز توجہ الی اللہ کا بہت بڑا ذریعہ ہے، دوسرے صبر کرو، برداشت کرو، بے صبری سے کام نہ لو۔ انسان کا مزاج عموماً بے صبری کی طرف مائل ہوتا ہے۔ جیسے ارشاد ہے اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا۔ انسان بے صبر تنگ دل پیدا کیا گیا ہے۔ دوسری جگہ قَتُوْرًا کا لفظ فرمایا کہ انسان بڑا تنگ دل ہے۔ لہذا حکم ہوتا ہے کہ اطاعت پر اور مصیبت کے آنے پر صبر کرو۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں اپنے نفس کو خواہشات سے روکنا صبر ہے۔ اس مقام پر وہ تکالیف مراد ہیں جو مشرکین کی طرف سے پہنچائی جا رہی ہیں۔

حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ

صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ اور مچھلی والے کی طرح نہ بن جائیں، جنہوں نے بے صبری سے کام لیا تھا۔ مچھلی والے سے مراد حضرت یونس علیہ السلام ہیں۔ یہ شام اور فلسطین کے علاقہ میں رہتے تھے۔ جہاں بنی اسرائیل آباد تھے۔ اُن کے دور میں حزقیل بادشاہ تھا۔ اُس وقت کے بڑے نبی حضرت شعیا علیہ السلام تھے۔

اُس بادشاہی میں بیک وقت اللہ کے پانچ نبی تھے، جن میں حضرت یونس علیہ السلام بھی شامل تھے۔ بادشاہ مومن، مطیع اور منقاد تھا۔ اللہ کے نبیوں کی اطاعت کرتا تھا۔ یہ موصل اور نینویٰ شام اور عراق کے درمیان ہیں۔ موصل اب عراق کا ایک صوبہ ہے نینویٰ بھی وہاں کا ایک قصبہ ہے۔ وہاں کے لوگوں نے کچھ تعدی کی تھی اُنکے علاقے میں آدمی ملے گئے۔ اور غلام بنا کر لے گئے، تو بادشاہ نے خیال کیا کہ ان کو سمجھانا چاہیئے کہ قیدیوں کو واپس کر دیں اور زیادتی نہ کریں۔

اس کا ذکر حضرت شعیا علیہ السلام سے کیا گیا کہ اس طرح زیادتی ہوئی ہے۔ اس وقت اللہ کے پانچ نبی موجود ہیں، مناسب ہے کہ اُن میں سے ایک کو وہاں بھیج دیں۔ تجویز یہ ہوئی کہ حضرت یونس علیہ السلام جو بڑے نیک اور عبادت گذار ہیں، اُن کو وہاں بھیج دیں۔ اگرچہ اُن کے مزاج میں ذرا تنگی ہے۔ تاہم اُن کے زہد و تقویٰ کی بنا پر اُن کا جانا ہی زیادہ مناسب ہے

حضرت شعیا علیہ السلام نے حضرت یونس علیہ السلام کو مامور کیا۔ کہ وہاں جا کر نیکی کی تلقین کریں۔ انہوں نے نینویٰ جا کر خدا کا پیغام سنایا لوگوں کو سمجھایا کہ زیادتی نہ کریں۔ آپ نے وہاں کافی عرصہ تک تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیا مگر لوگوں نے اُن کی دعوت کو قبول نہ کیا۔ تو حضرت یونس علیہ السلام نے اُن لوگوں کو عذاب کی وعید سنائی کہ اُن کی نافرمانی کی وجہ سے خدا کی جانب سے اُن پر عذاب آئے گا۔

یہ اتنی بات تو اللہ کے حکم سے ہوئی تھی، لیکن اس موقع پر یونس علیہ السلام سے لغزش یہ ہوئی کہ وحی الٰہی کا انتظار کرنے سے پہلے ہی وہاں سے نکل گئے۔ سمجھے کہ اب مجھ پہ کوئی تنگی نہیں ہوگی۔ حضرت یونس علیہ السلام کے واقعات قرآن پاک کی مختلف سورتوں مثلاً سورۃ انبیا، سورۃ یونس سورۃ صٰفّٰت وغیرہ میں مذکور ہیں اور اس سورۃ میں ایک حصہ بیان ہوا ہے۔ قرآن پاک کوئی تاریخ کی کتاب تو ہے نہیں، جو ہر واقعہ کو مسلسل ایک جگہ بیان کرے یہ تو ایک نصیحت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے مطابق نصیحت کے لیے جتنی بات جس جگہ موزوں ہوتی ہے، بیان کر دی جاتی ہے۔

الغرض حضرت یونس علیہ السلام بے صبری کی بنا پر حکم الٰہی کا انتظار کیے بغیر وہاں سے نکل گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ابتلاء میں مبتلا ہو گئے۔ سورۃ انبیاء میں ہے اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا غیرت الٰہی کی وجہ سے قوم پر غصے کی حالت میں نکل گئے۔ قوم کو کافی عرصہ سمجھاتے رہے مگر انہوں نے ایک نہ سنی تو مُغَاضِبًا لِلّٰہِ اللہ کے لیے قوم پر ناراض ہوتے ہوئے نکل گئے۔

حوت سے مراد مچھلی ہے۔ دوسری جگہ فرمایا وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا یعنی نٓ والے جب غصے کی حالت میں نکل گئے۔ اس سورۃ کی ابتداء میں بھی نٓ کا ذکر ہے نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ۔ نٓ کو کئی باتوں سے مناسبت ہے جیسا کہ ابتدائی آیتوں میں عرض کیا۔ نٓ سے مراد دوات ہے۔ تو قلم کے ساتھ ذکر کیا۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ نٓ سے مراد مچھلی ہے کیونکہ ذی النون مچھلی والے کو کہا گیا ہے۔

یہاں پر حوت کا لفظ آیا ہے حوت، سمک اور نٓ کا اطلاق مچھلی پر ہوتا ہے۔

انبیاء کی معمولی سی لغزش پر بھی گرفت ہوتی ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کی یہ لغزش کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ نہ تھا بلکہ ایک معمولی غلطی تھی چونکہ وہ اللہ کے نبی تھے، بڑے آدمی تھے، اس لیے اُن کی معمولی سی لغزش بھی بڑی سمجھی جاتی ہے حضرت

Marfat.com

آدم علیہ السلام سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا تھا۔ قرآن پاک میں موجود ہے فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا لیکن معمولی غلطی پر بڑی گرفت آئی۔ یہ اللہ کی شان ہے کہ نبیوں کی تربیت زیادہ مقصود ہوتی ہے۔ وہاں خلاف اولیٰ بات پر بھی بڑی گرفت ہو جاتی ہے۔ اسی لیے وہ لوگ ڈرتے رہتے ہیں۔ ان میں اللہ کے جلال اور عظمت کا بہت اثر ہوتا ہے۔

قیامت والی حدیث میں آتا ہے۔ کہ لوگ سفارش کے لیے انبیاء کے پاس جائیں گے مگر تھرتھرائیں گے۔ وجہ کیا ہے غَضِبَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهٗ وَبَعْدَهٗ کہیں گے آج تو خدا تعالےٰ غصے میں ہے، پتہ نہیں ہم پر گرفت کرے، ہم یہ کام نہیں کر سکتے، لہٰذا دوسرے کے پاس جاؤ۔ خدا کی عظمت و جلال کے سامنے معمولی بات پر بڑی گرفت ہوتی ہے حالانکہ ان سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ سرزد نہیں ہوتا۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى بہت معمولی سی بات تھی۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم کو تنبیہ فرمائی۔ آپ ترش رو ہو گئے محض اس وجہ سے کہ ایک اندھا آیا ہے۔ اور خیال کیا کہ یہ بڑے لوگ ہیں شاید یہ ہدایت قبول کرلیں۔ اللہ نے بڑی سختی سے فرمایا جو طلبگار بن کر آتا ہے اُس کی طرف زیادہ توجہ کریں، جو اعراض کرتا ہے، اس کے درپے نہ ہوں، آپ ذمہ دار نہیں ہیں۔

اسی طرح مچھلی والے یعنی حضرت یونس علیہ السلام سے ہوا۔ کہ وحی الٰہی کا انتظار کئے بغیر وہاں سے نکل پڑے اور گرفت ہو گئی۔ سورۃ انبیاء میں موجود ہے وَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ اُس نے گمان کیا کہ ہم سختی نہیں کریں گے۔ حالانکہ وہ لغزش تھی اور ہم نے سخت ابتلاء میں ڈال دیا۔ یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں ڈال دیا۔ گویا قید خانے میں ڈال دیا۔

مچھلی کا واقع مشہور ہے۔ دریا کے کنارے پر پہنچے جہاز میں سوار ہوئے۔ جہاز میں پھینکے جانے کے لیے ہر بار قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلتا ہے جہاز والے ان کا نورانی چہرہ دیکھ کر ان کو دریا میں پھینکنے سے ہچکچاتے ہیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے مگر قرعہ انہیں کے نام نکلتا ہے۔ آخر انہیں دریا میں پھینک دیا گیا اور آپ سیدھے مچھلی کے منہ میں پہنچ گئے۔

پھر کیا ہوا۔ یونس علیہ السلام نے دریا اور مچھلی کے پیٹ کی تاریکیوں میں اپنے رب کو پکارا فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ چالیس دن، دس دن یا تین دن، خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ کہ کتنا عرصہ مچھلی کے پیٹ میں رہے

Marfat.com

اللہ کا حکم تھا کہ مچھلی کا پیٹ قید خانہ ہے، یونس علیہ السلام مچھلی کی خوراک نہیں ہیں۔ تو ان اندھیروں میں رب کو پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور خطا کار تو میں ہی تھا۔

دفع مصیبت کا بہترین وظیفہ

ترمذی شریف کی روایت میں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے دَعْوَةُ الْمَكْرُوْبِ دَعْوَةُ ذِي النُّوْنِ یعنی مصیبت زدہ آدمی کی دعا یہی حضرت یونس علیہ السلام والی دعا ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ اگر کوئی مصیبت زدہ یہ دعا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اُس کی دعا ضرور قبول فرمائیں گے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔ کہ مشائخ اور بزرگانِ دین نے اپنے تجربات کی بنا پر آیت کریمہ کے پڑھنے کے طریقے دریافت کئے ہیں۔

اس کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ سو پچاس آدمی جمع ہوں اور ایک ہی مجلس میں سوا لاکھ مرتبہ آیت کریمہ پڑھی جائے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے۔ کہ انسان تنہائی میں بیٹھ کر پڑھے۔ عشاء کے بعد اندھیرے میں بیٹھ جائے اور پانی کا پیالہ پاس رکھ لے۔ ہر روز تین سو مرتبہ یہ دعا پڑھے۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد پیالے میں ہاتھ ڈال کر پانی اپنے چہرے اور جسم پر ملتا ہے۔ یہ عمل تین دن، سات دن یا چالیس دن کرے گا، تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کی دعا قبول کریں گے اور پریشانی دور فرما دیں گے۔ بہرحال یہ طریقہ حدیث میں نہیں ہے، حدیث میں اتنا ہی ہے کہ مصیبت زدہ کی دعا لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ صرف یونس علیہ السلام کے لیے ہی نہیں بلکہ جو بھی مصیبت زدہ اسے پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اُس کی پریشانی دور کریں گے۔

یونس علیہ السلام کی پریشانی

بہرحال حضور علیہ السلام کو تلقین کی جا رہی ہے۔ کہ آپ مشرکین کی ایذا رسانی پر صبر کریں اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیں کہ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ کہ سخت آزمائش میں مبتلا ہونے پر جب انہوں نے دعا کی تو غم سے بھرے ہوئے تھے۔ ایک طرف مچھلی کے پیٹ میں تاریکیوں کے اندر جو دم گھٹنے والی جگہ تھی۔ دوسری طرف لوگوں کا آپ کی بات کو نہ ماننا، تمسخر کرنا اور پھر عذاب الٰہی کا سلسلہ، یونس علیہ السلام کا بغیر انتظار حکم خداوندی چلے جانا اور گرفت میں آ جانا۔ یہ ساری باتیں تھیں جن کی وجہ سے یونس علیہ السلام غم سے بھرے ہوئے تھے یعنی مکظوم تھے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ ان حالات میں لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ اگر ان کے رب

کی نعمت یعنی احسان اور مہربانی ان کا تدارک نہ کرتی اور سنبھالتی تو لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ البتہ پھینک دیا جاتا انہیں چٹیل میدان میں اس حالت میں کہ وہ ہارے ہوئے ہوتے۔ مگر اللہ کی مہربانی شامل حال رہی تو یونس علیہ السلام کو کسی حال میں نقصان نہیں پہنچے دیا سوائے اس کے کہ ان کے جسم پر کھال میں حبس کی وجہ سے نرمی آگئی تھی۔ کھال بالکل نرم ہوگئی تھی۔ تو اس موقع پر بھی اللہ تعالےٰ نے مدد فرمائی کہ دریائے دجلہ کے کنارے اُس چٹیل میدان میں مچھلی نے آپ کو ریت کے اوپر اگل دیا۔ اور اس طرح آپ کے نہایت نرم جسم کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔ پھر جیسا کہ سورۃ صٰفّٰت میں آتا ہے اَنْبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ اللہ تعالیٰ نے فوری طور پر ان پر کدو کا درخت اُگا دیا۔

کدو کے خواص

حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام کو کدو بہت پسند تھا۔ آپ کو اس سے طبعی محبت تھی، آپ نے فرمایا اِنَّهٗ شَجَرَةُ اَخِيْ يُوْنُسَ۔ یہ میرے بھائی یونس کا درخت ہے۔ کدو بہت اچھی سبزی ہے۔ اطبائ نے بھی اس پر تجربات کئے ہیں۔ گھیا گول ہو یا لمبا، اللہ تعالےٰ نے اس میں قوت حافظہ کی تاثیر رکھی ہے۔ تاثیر کے لحاظ سے مرطوب اور ٹھنڈا ہے۔ تاہم اس میں قوت حافظہ کو قوی کرنے کا مادہ ہے، عجیب چیز ہے۔

فرماتے ہیں کہ کدو کے پتے پر مکھیاں نہیں بیٹھتیں۔ شاید اللہ تعالیٰ کی یہ خاص حکمت تھی کہ وہاں کدو کی بیل اُگا دی کہ اس کے پتوں کا سایہ ہو اور یونس علیہ السلام کے نہایت نرم و نازک جسم پر مکھیاں بھی نہ بیٹھیں۔ اسی صحرا کے اندر کوئی دوسرا انسان موجود نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہرنی کو بھیج کر یونس علیہ السلام کے لیے دودھ کی غذا مہیا کی۔ آپ وہاں چالیس روز تک رہے۔

یونس علیہ السلام کی واپسی

یونس علیہ السلام کے متعلق حکم ہوا کہ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ہم نے یونس علیہ السلام کو دوبارہ ایک لاکھ یا زیادہ جو کہ غالباً ایک لاکھ بیس ہزار تھے ان کی طرف بھیجا وہ اپنی قوم کے پاس واپس آئے تو وہاں حالات ہی بدل چکے تھے۔ وہ تمام لوگ تائب ہو چکے تھے اور اپنے پیغمبر کا انتظار کر رہے تھے۔ کہ وہ اللہ کا بندہ کدھر گیا۔ وہ لوگ عذاب الٰہی کو آتا ہوا دیکھ کر تائب ہو چکے تھے۔

یونس علیہ السلام کی بزرگی

فرمایا فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کو برگزیدہ

Marfat.com

بنایا اور اُسے صالحین میں بنایا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ کوئی شخص یہ نہ کہے اَنَا خَیْرٌ مِّنْ یُوْنُسَ بْنِ مَتّٰی۔ کہ میں یونس علیہ السلام سے بہتر ہوں۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرے بارے میں بھی نہ کہو۔ اُن سے لغزش ہوئی تھی تو اللہ نے گرفت کی۔ وہ خدا کے نبی اور رسول تھے۔ اور نبیوں سے معمولی لغزش ہی ہو سکتی ہے صغیرہ یا کبیرہ گناہ تو سرزد ہوتا نہیں۔ لہٰذا اپنے آپ کو ان سے بہتر نہ کہو یا کسی طریقے سے اُن کی توہین کر بیٹھو۔ کہ ایسا کرنے سے کفر کا خطرہ ہے۔

تو فرمایا فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ اللہ نے انہیں برگزیدہ بنایا۔ آدم علیہ السلام کے متعلق بھی یہی فرمایا۔ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ اور اُسے صالحین میں سے بنایا۔ یونس علیہ السلام کی یہ معمولی سی لغزش بے صبری کا نتیجہ تھا۔ لہٰذا اے نبی علیہ السلام آپ ایسا نہ کریں بلکہ ایذا کو برداشت کریں۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کہتے ہیں کہ نبیوں کی لغزش کا بلا وجہ ذکر کرنا بھی مکروہ تحریمی ہے[1]۔

نبی کی لغزش کا بلا وجہ بیان کرنا مکروہ تحریمی ہے

---

[1] حضرت یونس علیہ السلام کا باوجود عصمت کے گناہ کو اپنی طرف منسوب کرنا (اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ) یہ مجاز پر محمول ہے۔ جیسا کہ بعض اہل طریقت باوجود ایمان کے کفر کو اپنی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کا اعتراف (رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اعتراف (رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ) بھی اسی قبیل سے ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام سے کوئی گناہ نہیں سرزد ہوا تھا۔ صرف خطائے اجتہادی ہوئی تھی۔ کہ انہوں نے چلے جانے کو اجتہاد سے جائز سمجھا اور انتظار وحی نہ کیا۔ حالانکہ امید وحی تک انبیاء علیہم السلام کو انتظار کرنا مناسب ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام سے اس واقعہ میں کسی امر کی مخالفت نہیں ہوئی صرف اجتہاد میں خطا ہوئی۔ یہ خطا امت کے لوگوں کے حق میں تو معاف ہوتی ہے مگر انبیاء علیہم السلام کی تربیت اور تہذیب زائد مقصود ہوتی ہے اس لیے یہ ابتلاء میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یونس علیہ السلام کو بھی اجتہادی غلطی پر یہ ابتلا ہوا۔ سہ نزدیکاں را بیش بود حیرانی۔ انبیاء علیہم السلام کو صرف جسمانی تکلیف دی جاتی ہے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام حقیقی گناہ اور حقیقی عقوبت سے پاک ہوتے ہیں۔ (حضرت تھانویؒ)

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام "در امتثال امر الٰہی بہیچ وجہ تقصیر نہ کردہ اند" کہ اللہ تعالیٰ کے حکم میں کسی طرح کوتاہی نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ آپ پہنچا دیں جو آپ پر نازل کیا گیا ہے اگر آپ نے ذرہ بھر کوتاہی کی تو یہ سمجھا جائے گا کہ آپ نے حق رسالت

(باقی صفحہ ۱۰۴ پر)

Marfat.com

آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام یا یونس علیہ السلام کی لغزش کا ذکر محض لاپرواہی کے ساتھ کرنا مکروہ ہے۔ ہاں قرآن پاک کی تفسیر کے سلسلہ میں جہاں بات سمجھانی مقصود ہو۔ تشریح کرنا ہو تو جائز ہے ورنہ بلاوجہ لغزش کا ذکر کرنا اپنی بڑائی بیان کرنا ہے اور نبی کی توہین کا ارتکاب ہے اور ایسا کرنے سے کفر لازم آنے کا خطرہ ہوتا ہے۔

تبلیغ جاری رکھنے کا حکم

فرمایا وَاِنْ یَّکَادُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَکَ بِاَبْصَارِھِمْ قریب ہے۔ کہ کافر لوگ آپؐ کو اپنی آنکھوں سے گھور گھور کر دیکھیں۔ جیسے تجھے ہلاک کرنا چاہتے ہیں یا آپؐ اثر انداز ہونا چاہتے ہیں۔ تاکہ آپ اُن کی ترش روئی سے تنگ آکر تبلیغ کرنا چھوڑ دیں۔ فرمایا قریب ہے کہ یہ لوگ پھسلائیں لَمَّا سَمِعُوا الذِّکْرَ اور جب وہ قرآن پاک کو سنتے ہیں۔ وَیَقُوْلُوْنَ اِنَّہٗ لَمَجْنُوْنٌ۔ تو کہتے ہیں کہ یہ تو پاگل ہے۔ پھر اُسی پہلی آیت والے جملے کو دہرایا۔ تو ظاہر ہے ان حرکات سے آپؐ کو سخت تکلیف پہنچتی تھی۔ اور گھور گھور کر دیکھنے سے مراد ہے کہ گویا نگاہوں

(بقیہ صـ۱۰۳ کا) نہیں ادا کیا۔

مسئلہ:۔ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ تفسیر مظہری سورۃ صافات میں لکھتے ہیں۔

لا یجوز ذکر زلۃ الانبیاء فان زلتھم موجب کمال الانابۃ الی اللہ ورفع درجاتھم ومن اعترض علی احد من الانبیاء فقد کفر۔ لا نفرق بین احد من رسلہ وحدیث ابی ھریرۃ مرفوعاً ماینبغی لاحد ان یقول انی خیر من یونس بن متی۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ انبیاء علیہم السلام کی لغزش کا ذکر کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ انکی لغزشیں کمال انابت الی اللہ اور ان کے رفع درجات کو واجب کرتی ہیں۔ اور جس شخص نے انبیاء علیہم السلام میں سے کسی ایک پر بھی اعتراض کیا تو اس نے کفر کیا۔ تمام نبیوں کے بارہ میں ایک جیسا حکم ہے کیونکہ یہ آیت کریمہ ہم اللہ تعالیٰ کے رسولوں میں کسی ایک کے درمیان بھی فرق نہیں کرتے، بالکل واضح ہے اور بخاری و مسلم کی یہ حدیث بھی ہے:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ کسی شخص کے لیے مناسب نہیں کہ وہ یہ کہے کہ میں یونس بن متی سے افضل ہوں۔ ۱۲۔ عبدالحمید سواتی۔

سے کھائے ہیں اپھسلا رہے ہیں تاکہ آپ مرعوب ہو کر تبلیغ کرنا چھوڑ دیں۔

نظر بد برحق

بعض فرماتے ہیں نظر بد لگ جاتی ہے اَلْعَیْنُ حَقٌّ نظر بد برحق ہے حدیث میں آتا ہے۔ کہ بعض آدمیوں میں نظر بد کا مادہ ہوتا ہے۔ اُن کی نگاہوں میں ایسی تاثیر ہوتی ہے۔ کہ دیکھتے ہی استعجاب پیدا ہوتا ہے اور اُس کا اثر ہو جاتا ہے۔ بعض احادیث میں یہ الفاظ ہیں کہ نظر بد انسان کو قبر میں اور اونٹ کو ہانڈی میں پہنچا دیتی ہے۔ اس کا اثر فوری ہوتا ہے۔ آدمی بیمار ہو جاتا ہے یا ہلاک ہو جاتا ہے۔

حضور کے صحابہ میں سے بعض کی نظر لگ جاتی تھی۔ کوئی شخص حوض کے کنارے تہ بند باندھے نہا رہا تھا۔ دوسرے نے دیکھا کہ جسم بڑا خوبصورت ہے۔ کہنے لگا، کمال جسم ہے، ایسا پہلے نہیں دیکھا۔ اس کا فوری اثر ہوا بخار آیا اور آدمی تڑپنے لگا۔ حضورؐ کو پتہ چلا تو اُس کو بلا کر کہا کہ تم میں سے کیوں کوئی اپنے بھائی کو قتل کرتا ہے۔ اَلَّا بَرَّکْتَ عَلَیْہِ تم نے اُس کے لیے برکت کی دعا کیوں نہ کی۔ لہٰذا اگر کسی کی نگاہ میں ایسی تاثیر ہو تو اُسے کہنا چاہیئے۔ اللہ برکت دے۔ برکت کی دعا کرنی چاہیئے تاکہ نظر بد کا اثر نہ ہو۔

یہ بھی فرمایا کہ اگر تم میں سے کسی کی نظر بد لگتی ہو تو نظر بد والے شخص کا وضو یا غسل کا مستعمل پانی اگر مریض کے جسم پر ڈال دیا، تو اللہ شفا دے دیتا ہے۔ یہ حکمتِ خداوندی ہے۔ کہ جس جسم میں بیماری رکھی ہے۔ اس میں شفا بھی رکھی ہے۔ جیسے مکھی کے متعلق فرمایا کہ مکھی کے ایک پر میں بیماری اور دوسرے میں شفا کا مادہ ہوتا ہے۔ وہ بیماری والا پر پہلے ڈبوتی ہے۔ اسی لیے مناسب ہے کہ اگر کوئی گرم چیز نہ ہو، پانی وغیرہ ہو تو جب مکھی ایک پر کو ڈبوئے تو تم دوسرا بھی ڈبو دو۔ مکھی کو پھینک دو اور چیز کو استعمال کر لو۔ اس طرح بیماری کا اثر زائل ہو جائے گا۔ اسی طرح نظر بد والے کے جسم میں بھی بیماری اور شفا دونوں چیزیں ہوتی ہیں۔ اگر اُس کے غسل کا پانی مریض کے سر پہ ڈال دیا جائے تو اللہ تعالیٰ شفا دے دیتے ہیں۔

قرآن پاک نصیحت ہے

الغرض کفار و مشرکین جب قرآن پاک سنتے تھے تو حضور علیہ السلام کو پاگل کہتے تھے جس سے آپ کو تکلیف پہنچتی تھی۔ اس پہ اللہ تعالیٰ نے صبر کی تلقین فرمائی۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ یہ قرآن پاک پاگلوں کا کلام نہیں ہے بلکہ وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ یہ تو تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

سورة

الحاقة

Marfat.com

درس اوّل

آیت ۱ تا ۱۲

سُوْرَةُ الْحَاقَّةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اِثْنَتَانِ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ الحاقہ مکی ہے یہ باون آیتیں اور اس میں دو رکوع ہیں ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنیوالا ہے

اَلْحَاقَّةُ ۝۱ مَا الْحَاقَّةُ ۝۲ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَاقَّةُ ۝۳ كَذَّبَتْ
ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ۝۴ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ
۝۵ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝۶ سَخَّرَهَا
عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا
صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝۷ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ
مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ۝۸ وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ
۝۹ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝۱۰ اِنَّا
لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِى الْجَارِيَةِ ۝۱۱ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ
تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۝۱۲

ترجمہ: وہ ثابت ہونے والا واقعہ (حادثہ) ۝۱ وہ ثابت ہونے والا واقعہ کیا ہے ۝۲ اور اے پیغمبر علیہ السلام آپ کو کس نے بتلایا کہ وہ ثابت ہونے والا واقعہ کیا ہے ۝۳ قوم ثمود اور عاد نے کھٹکھٹا دینے والی چیز کو جھٹلایا ۝۴ قوم ثمود کو ایک چیخ اور زلزلے کے ساتھ ہلاک کیا گیا ۝۵ اور جو قوم عاد تھی انہیں تند ہوا کے ساتھ ہلاک کیا گیا جو کہ حد سے بڑھنے والی تھی ۝۶ ان پر تند ہوا مسلط کر دی گئی جو سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلتی رہی تم لوگوں کو اس کے اندر پچھاڑے ہوئے دیکھو گے جیسا کہ کھجور کے تنے اکھاڑ کر زمین پہ پھینک دیئے گئے ہوں ۝۷ ان کافروں میں سے کسی ایک فرد کو بھی باقی نہیں چھوڑا ۝۸ پھر فرعون کی باری آئی اور اس سے پہلے الٹی بستیوں والے ان لوگوں نے گناہ کئے تھے ۝۹ انہوں نے اپنے رب کے رسولوں کی نافرمانی کی تو اللہ نے پکڑا ان

Marfat.com

کو بڑی چڑھی ہوئی گرفت کے ساتھ ⑩ جب پانی میں طغیانی آگئی تو اے موجودہ زمانے کے لوگو ہم نے تمہیں (تمہارے آباؤ اجداد کو) چلنے والی کشتی میں لاد دیا ⑪ تمہارے لیے یادگار بنا دیا کہ اس واقعہ کو یاد رکھنے والے کان یاد رکھیں ⑫

کوائف سورۃ

اِس سورۃ کا نام سورۃ الحاقہ ہے۔ مکی زندگی میں نازل ہوئی۔ اس کی باون آیات اور دو رکوع ہیں۔ یہ سورۃ دو سو چھپن کلمات اور ایک ہزار چار سو اسی حروف پر مشتمل ہے۔

سابقہ سورۃ کے ساتھ ربط

سابقہ سورۃ میں رسالت کا ذکر تھا۔ اللہ کے نبی اور رسول کو مجنون کہنے والوں کا ردّ تھا۔ یہ بھی ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو دنیاوی نعمتیں عطا کی ہوئی ہیں یہ محض امتحان کے لیے ہیں کسی کی مقبولیت کی نشانی نہیں ہے۔ اِس کے ساتھ باغ والوں کی مثال بیان فرمائی کہ اللہ نے ان کا بھی امتحان لیا تھا۔ اس کے علاوہ منکرین قیامت کا ردّ فرمایا، اور ان کے ساتھ آخرت میں پیش آنے والے حالات کا ذکر فرمایا آخر میں پھر رسالت کے مضمون کو تازہ کیا۔ اور مشرکین کی ایذا کے مقابلے میں صبر کی تلقین کی۔ جلد بازی سے منع فرمایا۔ مچھلی والے رسول کی مثال بیان کی کہ انہوں نے جلد بازی کی تو ابتلا میں مبتلا ہو گئے۔ فرمایا آپ ایسا نہ کریں بلکہ اپنے رب کے حکم کے سامنے صبر کرتے رہیں۔ اور مشرکین کی ایذاؤں کو برداشت کریں۔

مضامین سورۃ ہٰذا

اِس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے جزائے عمل کا ذکر فرمایا ہے۔ کہ جزائے عمل یقیناً واقع ہوگا۔ اور مجرموں کو سزا مل کر رہے گی۔ یہ بھی اشارہ کر دیا کہ سزا دنیا میں بھی ملتی ہے اور آخرت میں بھی ملے گی۔ اللہ تعالیٰ ہر دو طریقوں سے جزائے عمل دیتے ہیں۔ تو گویا جزائے عمل سے سورۃ کو شروع کر کے آخر میں پھر رسالت کا ذکر فرمایا۔

پہلی سورۃ میں مشرکین کے اُس الزام کا رد تھا جس میں وہ حضور ؐ کو شاعر اور کاہن کہتے تھے۔ اور قرآن پاک کو کہانت اور شاعری سے تشبیہ دیتے تھے۔ اس سورۃ کی ابتدا میں جزائے عمل کا بیان ہے۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی مجرم کو چھوڑتے نہیں، اُسے دنیا میں بھی سزا ملتی ہے اور آخرت میں بھی ملے گی۔ دنیا کی سزا دنیوی اسباب کے دائرے کے اندر ملتی ہے۔ اور دنیا کا نظام معطل نہیں کیا جاتا۔ اور آخرت کی سزا مستقل طور پر ملے گی۔

الحاقہ کا مفہوم

الحاقہ حق سے مشتق ہے۔ اور حق کے معنی ثابت ہونا ہے حق ثابت شدہ چیز کو کہتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اسم پاک بھی ہے، هُوَ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ یعنی وہ ثابت اور قائم دائم ہے۔ جیسے حقوق

Marfat.com

ہیں اکوئی حق اللہ ہے کوئی حق العباد ہے یعنی اللہ کا حق بھی ہے اور بندوں کا حق بھی ہے۔ تو گویا حق کا معنیٰ ثابت ہونا اور حاقہ کا معنیٰ وہ حادثہ ہے جو ثابت ہوگا یعنی ثابت ہونے والا حادثہ۔

جزائے عمل کا معین وقت

جزائے عمل کے متعلق اللہ تعالےٰ نے اس سورۃ میں تین لفظ استعمال کیے ہیں یعنی اَلْحَاقَّةُ اَلْقَارِعَةُ اور اَلْوَاقِعَةُ اور ان تینوں کا اطلاق قیامت پر کیا ہے، جو کہ جزائے عمل کا اصلی وقت ہے۔ اللہ تعالےٰ تمام لوگوں کو اُس دن اُن کے اعمال کی جزا دے گا۔

یہاں پہلے صبر کی تلقین کی، پھر الحاقہ کا ذکر کیا کہ وہ ثابت ہونے والا واقعہ یعنی قیامت ضرور برپا ہوگی مشرکین کہتے تھے لَا بَعْثَ وَلَا جَزَاءَ یعنی نہ کوئی بعث ہے اور نہ حساب کتاب کے لیے قیامت یہ سب غلط کہتے ہیں کہ قیامت آنے والی ہے۔ وہ توحید و رسالت کا بھی انکار کرتے تھے تو اللہ تعالےٰ نے اس موقع پر قیامت کا ذکر فرمایا کہ جزائے عمل کے لیے وہ دن مقرر ہے۔ اس کے علاوہ تھوڑا سا توحید کا ذکر فرمایا اور دوسرے نمبر پر رسالت کا ذکر اور منکرین رسالت کا ردّ فرمایا۔

الحاقہ کیا ہے؟

فرمایا اَلْحَاقَّةُ وہ ثابت ہونے والا حادثہ مَا الْحَاقَّةُ وہ ثابت ہونے والا واقعہ کیا ہے۔ کسی چیز کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لیے یہ ترکیب استعمال کی جاتی ہے۔ وَمَا اَدْرٰكَ مَا الْحَاقَّةُ ٥ اور اے پیغمبر علیہ السلام آپ کو کس نے بتلایا کہ وہ ثابت ہونے والا واقعہ کیا ہے۔ کسی چیز کی زیادہ تاکید کے لیے یا تفہیم کے لیے اس قسم کا عنوان اختیار کیا جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالےٰ خود ہی اس سوال کا جواب دیتے ہیں۔ کیونکہ عام مخاطب ویسے ہی نہیں جانتے مگر جو اصلی مخاطب ہے اُسے بھی گویا اس کا علم نہیں۔ تو اس جگہ چند دنیوی حادثے بیان کئے جو دنیوی سزا کے طور پر مجرمین پر واقع ہوئے۔ اور اس کے بعد پھر بڑے حادثے یعنی قیامت کا ذکر کیا۔ اور اس کو واقعہ کے لفظ سے تعبیر کیا۔ جو کہ جزائے عمل کی اصل گھڑی ہے یعنی اَلسَّاعَةُ اَلْقِيَامَةُ کے واقع ہونے کا ذکر کیا اور پوری تفصیل بیان کی۔

قوم ثمود اور عاد کی سرکشی

الغرض یہاں چند حادثے بیان کئے جو ان مجرمین کو پیش آئے جو جزائے عمل کا انکار کرتے تھے۔ بجملہ ان کے قوم ثمود اور عاد کا ذکر کیا كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ قوم ثمود اور عاد نے قارعہ یعنی کھٹکا دینے والی چیز کو جھٹلایا۔ قرع کے معنیٰ کھٹکھٹانا، ہلا دینا کہ وہ ہر چیز کو ہلا کر رکھ دے گی کوئی نظام قائم نہیں رہے گا اور اس سے مراد قیامت ہے۔ تو گویا قوم ثمود اور عاد نے قیامت کے واقع ہونے کا انکار کر دیا جس کی وجہ سے وہ سزا کے مستوجب قرار پائے۔

Marfat.com

سزا کی دو قسمیں

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ سزا دو قسم کی ہوتی ہے۔ بعض سزائیں صرف تنبیہ کے لیے ہوتی ہیں۔ اور ان کو مسلسل نہیں رکھا جاتا۔ یہ سزا اس لیے دی جاتی ہے تاکہ لوگ سمجھ جائیں۔ تنبیہ ہو جائے اور اس کے بعد وہ سزا اٹھالی جاتی ہے۔ جیساکہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ کہ ہم بندوں کو تکلیف اور خوشحالی دے کر آزماتے ہیں۔ کبھی قحط، کبھی زلزلہ۔ مگر یہ سزا دائمی نہیں ہوتی بلکہ وقتی طور پر ہوتی ہے تاکہ لوگ عبرت پکڑیں۔

دوسری آیت مبارکہ میں ہے۔ وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ بسا اوقات ہم دنیا میں بڑے عذاب سے پہلے سزا دے دیتے ہیں تاکہ یہ لوگ خبردار ہو کر باز آجائیں۔ بڑا عذاب تو قیامت کو آئے گا مگر اس سے پہلے بھی ہم سزا دے دیتے ہیں۔ اس کو ابتلا کہتے ہیں۔

عذاب کی دوسری صورت یہ ہے کہ سزا آئی اور گرفتار ہو گیا۔ اب برزخ کا معاملہ شروع ہو گیا۔ جیساکہ آگے فرعون، عاد، ثمود، قوم لوط اور اصحاب ایکہ وغیرہ کا ذکر آیا ہے۔ جب خدا کی گرفت آئی أُغْرِقُوا فَأُدْخِلُوا نَارًا ادھر غرق کیا، اُدھر برزخ میں آگ پر پیش کر دیئے گئے۔ اور یہ حالت تا قیام قیامت مسلسل قائم رہے گی، اگرچہ برزخ کی سزا مکمل سزا نہیں ہے۔ تاہم فی الجملہ سزا ہے۔ اصل سزا تو قیامت کو آئے گی جب تمام اعمال کا آخری اور قطعی فیصلہ ہوگا، مگر برزخ میں بھی سزا شروع ہو جاتی ہے۔ اور کچھ نہ کچھ ملتی رہتی ہے اور پھر رعایت کی کوئی صورت نہیں ہوتی۔

سزا کی پہلی صورت ابتلا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آزمائش کے لیے وقتی طور پر سزا دیتے ہیں تاکہ لوگ باز آجائیں۔ پھر اُس کو اٹھا دیا جاتا ہے۔ مکے والوں پر سات سال تک قحط نازل رہا۔ وہاں بھی یہی فرمایا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ اس کے بعد جب ہم بڑی پکڑ میں پکڑیں گے پھر إِنَّا مُنتَقِمُونَ مجرموں سے انتقام لیں گے۔ بڑی گرفت وہاں بدر کی لڑائی کو کہا گیا ہے۔ پہلے قحط میں مبتلا کیا پھر بڑی گرفت میں تمام بڑے بڑے اکابر مجرمین ہلاک ہو گئے۔

قوم ثمود اور عاد کی ہلاکت

تو فرمایا كَذَّبَتْ ثَمُودُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ یعنی قوم عاد اور قوم ثمود نے کھٹکھٹا دینے والی چیز قیامت کو جھٹلا دیا۔ اس بات کی سزا یوں دی گئی کہ فَأَمَّا ثَمُودُ فَأُهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ۔ قوم ثمود کو ایک چیخ اور زلزلے کے ساتھ ہلاک کیا گیا۔ طاغیہ کا معنی زلزلہ بھی ہوتا ہے اور چیخ بھی یعنی سخت آواز۔

Marfat.com

ان دو چیزوں سے قوم ثمود کو ہلاک کیا گیا۔ فَاَمَّا عَادٌ اور جو قوم عاد تھی فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ انہیں تند ہوا کے ساتھ ہلاک کیا گیا عَاتِيَةٍ جو کہ حد سے بڑھنے والی تھی۔

ہلاکت کے بیان میں تقدیم و تاخیر

اس مقام پر قوم ثمود کی ہلاکت کا پہلے بیان کیا گیا اور قوم عاد کا بعد میں حالانکہ تاریخی اعتبار سے ترتیب اس کے برعکس ہے۔ عاد پہلے گذرے ہیں۔ اور ثمود کا عروج عاد سے دو سو سال بعد ہوا۔ عاد یمن اور احقاف میں آباد تھے، جب کہ ثمود وادی القریٰ اور تبوک وغیرہ کے علاقے میں آباد تھے قوم عاد کی طرف حضرت ہود علیہ السلام آئے جو انہیں کی قوم کے فرد تھے ——————

—————— اور قوم ثمود کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ اور یہ بعد میں آئے مگر یہاں سزا کے ذکر میں قوم ثمود کو پہلے لایا گیا اور قوم عاد کو بعد میں۔ اس کے بعد فرعون اور الٹی بستی والوں کا ذکر ہے۔ اور پھر قوم نوح کا حالانکہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پہلے غرق ہوئی، پھر عاد تباہ ہوئے اور پھر ثمود کی باری آئی۔ اس کے بعد الٹی بستی والے اور قوم شعیب کا نمبر آتا ہے اور سب سے آخر میں فرعون کی ہلاکت ہے۔

شاہ عبدالعزیز رح فرماتے ہیں، کہ ہلاکت کے بیان میں تقدیم و تاخیر میں ایک لطیف نکتہ پنہاں ہے فرماتے ہیں کہ یہاں پر تاریخی ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھا گیا بلکہ بیان میں سزا کی نوعیت کا خیال رکھا گیا ہے یعنی پہلے اُس قوم کا ذکر کیا گیا جسے جلدی ہلاک کر دیا گیا۔ قوم ثمود پر ایک چیخ آئی، ایک زلزلہ آیا اور وہ تباہ ہوگئی۔ مگر قوم عاد کے متعلق فرمایا فَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ انہیں تند ہوا کے ساتھ ہلاک کیا گیا سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا ان پر تند ہوا مسلط کر دی گئی جو سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلتی رہی، آٹھ دن تک انہوں نے تکلیف اٹھائی اور پھر آخری دن بالکل ہی ہلاک کر دیئے گئے۔ تو گویا نوعیت کے اعتبار سے یہ سزا لمبی تھی جب کہ قوم ثمود کو یکدم ختم کر دیا گیا۔

مزید برآں سزا کی نوعیت کے لحاظ سے قوم ثمود کو ایک چیز سے ہلاک کیا گیا، چیخ ہوا کی کیفیت ہے۔ جبرائیل علیہ السلام نے ایک چیخ ماری، جگر پھٹ گئے، ہارٹ فیل ہوگئے اور ساری قوم ہلاک ہوگئی۔ یہ ہوا کی کیفیت ہے۔ برخلاف اس سے قوم عاد ہوا کے جسم سے ہلاک ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو مسلط کیا اُس نے اکھاڑ پچھاڑ کیا۔ آدمیوں کو اِدھر اُدھر گرایا، اُن کو آپس میں ٹکرایا اور آخر میں ان کو بالکل ہی

ہلاک کر دیا۔ ہوا سات دن مسلسل چلتی رہی اور آٹھویں دن اُن کا کام تمام کر دیا۔ تو گویا یہ ہلاکت ہوا کے جسم کے ذریعے ہوئی۔

فرعون اور قوم لوط کی ہلاکت

فرعون کی ہلاکت کے اسباب میں پانی ہے، دریا ہے، ساتھ مٹی ہے، گویا اس سزا میں کئی چیزیں شامل ہیں۔ یہی حال قوم لوط کا ہے۔ وہاں ہوا بھی ہے، طوفان بھی ہے، پانی کی موجیں اُٹھ رہی ہیں، بارش برس رہی ہے مٹی اور آگ بھی ہے۔ پتھر بھی ہیں۔ یہ ساری چیزیں سزا میں شریک ہیں۔ سزا نیچے سے بھی مل رہی ہے، اوپر سے بھی نازل ہو رہی ہے۔ لہٰذا قرآن پاک نے اس مقام پر اقوام عالم کی ہلاکت کو تاریخی اعتبار سے نہیں بلکہ سزا کی نوعیت کے لحاظ سے تقدیم و تاخیر کے ساتھ بیان کیا ہے۔

قوم عاد کا حال

بہر حال قوم عاد کی سزا کی نوعیت یہ تھی کہ ان پر تند ہوا سات رات اور آٹھ دن تک مسلسل مسلط رہی فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَىٰ تم لوگوں کو اس کے اندر پچھاڑے ہوئے دیکھو گے كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ جیسا کہ کھجور کے تنے اکھاڑ کر زمین پر پھینک دیے گئے ہوں۔ یہ لوگ بڑے جسیم اور قد آور تھے، اس لیے انہیں کھجور کے تنوں سے تشبیہ دی گئی۔

یہ لوگ بڑی بڑی عمارتیں، مینار اور حوض بناتے تھے۔ بڑے طاقتور تھے اور اپنے جیسا طاقتور کسی دوسرے کو نہیں مانتے تھے۔ کہتے تھے مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ہم سے زیادہ کون طاقتور ہے۔ انہوں نے خدا کو بھی فراموش کر دیا اس قوم میں تین جرائم خاص طور پر پائے جاتے تھے۔ ایک کفر و شرک، دوسرا ظلم اور تیسرا تکبر۔

قوم ثمود کا حال

قریب قریب یہی حال قوم ثمود کا تھا۔ بڑے کاریگر، صناع اور انجینئر تھے۔ ان کی سترہ سو شہر اور بستیاں آباد تھیں۔ تبوک سے لے کر وادی القریٰ تک زرخیز زمین، گھنے باغات اور عالیشان عمارات تھیں۔ آج ان کے کھنڈرات دیکھ کر ہی آدمی حیران ہو جاتے ہیں۔ تبوک میں پہاڑوں کے اندر ان کے مکانات کے کھنڈرات اب بھی موجود ہیں۔ کمال درجے کی عمارات اور دلکش نقش و نگار بناتے تھے۔ کمال درجے کے کاریگر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ عنکبوت میں ارشاد فرمایا کہ دنیا کے اعتبار سے یہ لوگ بڑی سوجھ بوجھ رکھتے تھے مگر دین کے معاملے میں بالکل نادان اور بڑے بیوقوف تھے۔

دنیا کی ترقی یافتہ اور ترقی پذیر اقوام

آج دنیا کی ترقی یافتہ اقوام بڑی سوجھ بوجھ کی مالک ہیں۔ سائنس، ٹیکنالوجی، صنعت و حرفت اور اقتصادیات کے مالک ہیں۔ وہ اپنے آپ کو ترقی یافتہ کہتے ہیں۔ برخلاف اس کے مشرقی ممالک

Marfat.com

پس ماندہ ہیں۔ غیر ترقی یافتہ یا ترقی پذیر ہیں یعنی ابھی ترقی کی منازل طے کر رہے ہیں۔ شاہ ولی اللہ رہ کی زبان میں ترقی یافتہ اقوام میں عقلِ معاش کامل ہے۔ مگر عقلِ معاد بالکل نہیں۔ یہ لوگ عقلِ معاد سے بالکل خالی ہیں۔ انہیں عقلِ معاش مفید نہیں ہوگا۔ جونہی یہ معاش ختم ہوا یہ بھی ختم ہو گئے آگے کچھ بھی نہیں ہے۔

الغرض قوم عاد کے متعلق فرمایا کہ انہیں ایسا پچھاڑ کے رکھ دیا کہ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ ان کافروں میں سے کسی ایک فرد کو بھی باقی نہیں چھوڑا۔ یہ لوگ ہود علیہ السلام کی نبوت اور قیامت کا انکار کرتے تھے ان میں سے ایک کو بھی زندہ نہیں رہنے دیا گیا۔

فرعون اور الٹی بستیوں والے

وَجَاءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ۔ پھر فرعون کی باری آئی اور اس سے پہلے الٹی بستیوں والے جن کی بستیوں کو الٹ دیا گیا تھا، اُن پر پتھر برسائے گئے اور آگ برسائی گئی ان کے کام ہی اُلٹے تھے ان لوگوں نے گناہ کئے تھے، جرائم کے مرتکب ہوئے فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ انہوں نے اپنے رب کے رسولوں کی نافرمانی کی۔ رسول نے کہا اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرو وہ کہتے تھے وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا۔ کیا تیرے جیسے بے وقوف آدمی کی وجہ سے ہم اپنے باپ دادا کے معبودوں کو چھوڑ دیں۔ رسول کہتا تھا ظلم نہ کرو، قیامت آنے والی ہے، وہ کہتے تھے کوئی قیامت نہیں ہے۔ ڈھکوسلے مارتے تھے، بیہودہ باتیں کرتے تھے۔ رسول کے فرمان کو ردّ کرتے تھے فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً تو اللہ نے پکڑا اُن کو بڑی چڑھی ہوئی گرفت کے ساتھ۔ رابیہ کا معنی چڑھی ہوئی گرفت جس طرح سیلاب اوپر چڑھتا ہے۔ یہ ابتلا نہیں تھی بلکہ سزا تھی۔ اس میں گرفتار ہو کر تباہ و برباد ہو گئے اکڑ اور تکبر سارا ختم ہو گیا۔

طوفانِ نوح

اس کے بعد طوفانِ نوح کا ذکر فرمایا اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ جب پانی میں طغیانی آگئی، پانی چڑھ آیا تو اے موجودہ زمانے کے لوگو! حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ۔ ہم نے تمہیں چلنے والی کشتی میں لاد دیا۔ یہ نوح علیہ السلام کا زمانہ تھا۔ آج اِس دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس کے آباؤ اجداد نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار نہ ہوئے ہوں، وہی بچے تھے جو کشتی میں سوار ہو گئے۔ باقی سارے اس طوفان کی نذر ہو گئے۔ تو گویا ہمارے آباؤ اجداد کا کشتی نوح میں سوار ہونا ہمارا ہی سوار ہونا ہے۔ اور پھر انہیں میں سے اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کو آگے چلایا۔

حاصل کلام

یہ تمام چیزیں اللہ کی گرفت تھیں۔ یہ چھوٹے چھوٹے جاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بڑا

حاقہ یعنی قیامت ضرور واقع ہو کر رہے گا۔ اس میں قیامت صغریٰ اور قیامت کبریٰ کا مفہوم بھی آگیا۔ جو آدمی مرگیا اس کی قیامت تو برپا ہوگئی مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ وہ تو عالم برزخ کی جزا و سزا میں مبتلا ہوگیا، اسی طرح بڑی قیامت تمام عالم پر یکبارگی آئے گی۔ جس طرح یہ قیامت صغریٰ برحق ہے، اسی طرح قیامت کبریٰ بھی برحق ہے، ضرور برپا ہوگی۔

یہ اُن قوموں کی قیامت تھی جن کا حال ذکر کیا گیا ہے۔ بڑے بڑے مکانوں میں متمکن تھے قوم ثمود کی بڑی بڑی سترہ سو بستیاں تھیں اور ان کی بلڈنگوں کے نشانات آج بھی موجود ہیں اسی طرح عمدان قوم عاد کا مکان چالیس منزلہ تھا، ہر منزل سے دوسری تک چالیس گز کا فاصلہ تھا۔ اس کے کھنڈرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک موجود تھے۔ قوم عاد کی یہ یادگاریں پانچ ہزار سالہ پرانی تھیں اور ان کی صنعت و حرفت اور کاریگری کی زندہ مثال تھیں۔ اہرام مصر بنانے والوں کی طاقت کا اندازہ لگائیں ایک ایک پتھر پچھتر من وزنی ایک دوسرے کے اوپر چڑھایا گیا تھا۔ یہ ہرم چار سو فٹ اونچا ہے۔ ان کا اوپر چڑھانا اور آپس میں جوڑنا کتنی اعلیٰ صنعت تھی۔

بہرحال اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اس کشتی کو لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً تمہارے لیے یادگار بنا دیا۔ کہ جو لوگ اس کشتی میں سوار ہوئے وہ بچ گئے اور انہیں کی نسل سے آئندہ دنیا کو قائم کیا۔ وَتَعِيَهَا أُذُنٌ وَّاعِيَةٌ اس واقعہ کو یاد رکھنے والے کان یاد رکھیں کہ دیکھو جب خدا کی سزا آتی ہے تو لوگ کس طریقے سے ہلاک ہوتے ہیں۔ تباہ و برباد ہوتے ہیں۔ اور صرف وہی بچتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ بچانا چاہیں۔ یہ دنیا کے چھوٹے چھوٹے حاقے بیان کئے اور اس کے بعد بڑے حاقے یعنی قیامت کا ذکر فرمایا

Marfat.com

درس دوم — آیت ١٣ تا ٢٤

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ ﴿١٣﴾ وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ
فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً ﴿١٤﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١٥﴾
وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ ﴿١٦﴾ وَالْمَلَكُ عَلَىٰ أَرْجَائِهَا
وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ ﴿١٧﴾ يَوْمَئِذٍ
تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿١٨﴾ فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ
بِيَمِينِهِ فَيَقُولُ هَاؤُمُ اقْرَءُوا كِتَابِيَهْ ﴿١٩﴾ إِنِّي ظَنَنْتُ
أَنِّي مُلَاقٍ حِسَابِيَهْ ﴿٢٠﴾ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ﴿٢١﴾ فِي جَنَّةٍ
عَالِيَةٍ ﴿٢٢﴾ قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ ﴿٢٣﴾ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا
أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿٢٤﴾

ترجمہ :- جب صور میں پھونکا جائے گا ایک ہی بار پھونکنا (١٣) زمین اور پہاڑ اٹھائے جائیں گے
تو ان کو کوٹ دیا جائے گا ایک ہی دفعہ کوٹ دیا جانا (١٤) پس اس دن واقع ہو جائے گی واقع
ہونے والی بات (١٥) اور آسمان پھٹ جائے گا پس آسمان اس دن بڑا بکھرنے والا ہوگا (١٦)
اور فرشتے اس کے اطراف پر ہوں گے اور اٹھائیں گے تیرے رب کے عرش کو اپنے اوپر اس دن
آٹھ فرشتے (١٧) اس دن تم پیش کیے جاؤ گے تم میں سے کوئی نفس چھپ نہیں سکے گا (١٨)
پس جس کو اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں ملے گا وہ کہتا پھرے گا لو بھئی! میرا اعمال نامہ پڑھ لو (١٩)
میں تو یقین رکھتا تھا کہ ایک نہ ایک دن حساب کا آنے والا ہے (٢٠) وہ بہت پسندیدہ زندگی
کے اندر ہوگا (٢١) بڑے اونچے باغات ہوں گے (٢٢) ان کے پھل قریب ہوں گے (٢٣)
خوشگواری سے کھاؤ پیو اس وجہ سے جو تم نے بھیجا گذرے ہوئے دنوں میں۔ (٢٤)

گذشتہ سے پیوستہ

اس سورۃ کا موضوع جزائے عمل ہے اور قیامت کا ذکر ہے۔ پہلی آیات میں الحاقہ اور القارعہ کا ذکر فرمایا۔ چند گذشتہ اقوام کا ذکر کیا جو قیامت کو جھٹلاتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر حاقہ واقع کیا اور یہ دو قسم سے وارد ہوتا ہے۔ ایک ابتلا ہوتی ہے، وقتی طور پر تکلیف آ گئی اور دور ہو گئی

Marfat.com

اس کے بعد پھر موقع مل گیا۔ دوسری قسم سزا ہوتی ہے، مذکورہ اقوام کو اس دنیا میں ہی سزا ملی اور پھر اٹھایا نہیں گیا۔ وہ لوگ اس دنیا سے رخصت ہوئے اور عالم برزخ میں سزا پا رہے ہیں۔

ان اقوام میں شرک و کفر تھا اور انکار رسالت بھی، یہ لوگ قیامت کا بھی انکار کرتے تھے، تو یہ قیامت کے جھٹلانے کا نتیجہ تھا کہ وہ لوگ دنیا میں ہی سزا میں مبتلا ہو گئے۔ دنیا میں آزمائش میں ڈالنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ تاکہ انسان گڑگڑانے لگیں، عاجزی کریں اور گناہوں سے تائب ہو جائیں۔ دوسری نوعیت سزا کی ہوتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے قوم عاد، قوم ثمود، فرعون، قوم لوط اور قوم نوح پر مسلط کی۔ ان کا مؤاخذہ ہوا، سزا ملی اور ہلاک ہو گئے۔

صورِ اسرافیل

دنیا میں واقع ہونے والے چھوٹے چھوٹے حاقے بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اب محاسبے کا ذکر فرماتے ہیں۔ فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ جب صور میں پھونکا جائے گا، ایک ہی بار پھونکنا۔ صور پھونکنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتہ مقرر کیا ہوا ہے وہ مقررہ وقت پر صور پھونکے گا۔

ایک دیہاتی شخص نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ حضور! صور کیا ہے۔ فرمایا یہ سینگ کی مانند ایک طرف سے باریک اور دوسری طرف سے کشادہ ہے اور فرشتے نے منہ میں پکڑ رکھا ہے۔ سر جھکائے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حکم کا منتظر ہے۔ جب حکم ہوگا، صور پھونک دے گا۔ الغرض حضور نے فرمایا کہ صور بگل کی مانند، سینگ جیسا گول دار ہے۔

شیخ ابن عربیؒ جو صاحب کشف تھے، فرماتے ہیں کہ صور کا دہانہ اتنا بڑا ہے کہ ساتوں زمین اور ساتوں آسمان اس کے دہانے میں پڑے ہوئے ہیں اور قرآن پاک سے صراحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ صور دو مرتبہ پھونکا جائے گا۔ پہلی دفعہ نظام کائنات کو درہم برہم کرنے کے لیے دوسرا زندہ کرنے کیلئے۔

زمین و آسمان ریزہ ریزہ ہو جائیں گے

جب پہلی دفعہ صور پھونکا جائے گا تو حالت یہ ہوگی کہ وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ۔ زمین اور پہاڑ اٹھائے جائیں گے فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً۔ تو ان کو کوٹ دیا جائے گا ایک ہی دفعہ کوٹ دیا جانا۔ یعنی زمین و آسمان کو یکبارگی ایسا باریک کر دیا جائے گا جیسا ہاون دستے میں کوئی چیز کوٹ کر باریک کر دی جاتی ہے۔ اور یہ گرد و غبار کی مانند ہو جائیں گے۔ دوسری جگہ فرمایا إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ ۝ سورج اور ستاروں کا بیان فرمایا۔ جو شخص قیامت کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا

Marfat.com

چاہے تو وہ سورۃ قارعۃ سورۃ شمس، سورۃ واقعہ اور سورۃ عَمَّ یَتَسَاءَلُوْنَ کو پڑھ لے۔ تو فرمایا جب قیامت برپا ہوگی تو پہاڑ جو سب سے مضبوط ہیں، ان کو کوٹ دیا جائے گا۔ اور وہ گرد وغبار کی مانند اڑنے لگیں گے۔ سمندر بھاپ بن کر اڑ جائیں گے۔ کتنا خوفناک منظر ہوگا۔

قیامت برپا ہو جائیگی

فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۔ پس اس دن واقع ہو جائے گی واقع ہونے والی۔ یہ واقعہ، قارعہ، طامہ وغیرہ قیامت ہی کے مختلف نام ہیں وہ حاقہ یعنی ثابت شدہ چیز ہے وہ تو ضرور ہو کر رہنے والی ہے اور واقعہ یعنی واقع ہو جائے گی۔

اس نام پر ایک مستقل سورۃ بھی ہے سورۃ واقعہ اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝ یعنی جب وہ واقع ہونے والی چیز واقع ہو جائے گی اور اس کے واقع ہونے کی بات غلط نہیں ہے اس سورۃ میں بھی یہی مضمون ہے کہ پہاڑ چلا دیے جائیں گے، ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور آسمان کا یہ حال نہیں رہے گا جو اب نظر آتا ہے۔ وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ اور آسمان پھٹ جائے گا۔ سارا معاملہ درہم برہم ہو جائے گا۔ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ آسمان اُس دن بڑا بکھرنے والا ہوگا۔ واھیۃ کا معنی کمزور۔ آج تو آسمان مضبوط چھت کی صورت میں نظر آتا ہے، اس کے اندر بڑے بڑے کرّے نظر آتے ہیں مگر جس دن یہ واقعہ پیش آئے گا، اُس دن کچھ بھی نہیں ہوگا۔ اور جس وقت یہ واقعہ پیش آئے گا وَالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا اور فرشتے اس کے اطراف پر ہوں گے۔ فرشتوں پر بھی دہشت طاری ہوگی۔ کیونکہ ساری کائنات پر دہشت طاری ہوگی۔ جیسا کہ سورۃ انبیاء اور دوسری سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے، کہ ہر طرف ایک مدہوشی طاری ہوگی۔ اور فرشتے اس کے اطراف واکناف پر ہوں گے۔

حاملین عرش فرشتے

وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ اور اٹھائیں گے تیرے رب کے عرش کو اپنے اوپر اُس دن آٹھ۔ حدیث میں آتا ہے کہ اس وقت حاملین عرش فرشتے چار ہیں۔ جب قیامت واقع ہوگی تو اُس وقت اُن کی تعداد آٹھ ہو جائے گی۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔ کہ یہ بات انسان کی تفہیم اور اُس کے ذہن کو قریب کرنے کے لیے بیان کی ہے۔ کیونکہ عرش کا نظام بھی ایسا ہی ہے جیسے نظام حکومت ہوتا ہے۔ تو مطلب یہ ہے۔ کہ قیامت کے روز حاملین عرش آٹھ ہوں گے۔ باقی رہی فرشتوں کی کیفیت کہ وہ عرش

Marfat.com

کوکس طرح اٹھاتے ہوئے ہیں تو یہ باتیں انسانی عقل سے بالا ہیں۔ اس پر ایمان ہی رکھنا چاہیئے۔ کہ جیسا بھی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، وہ صحیح ہے۔ مگر عقل انسانی سے بالا ہے۔ کہ انسانی فہم میں یہ کیفیت نہیں آ سکتی۔ باقی رہی یہ بات کہ فرشتوں کو عرش اٹھانے کی کیا ضرورت ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا نظام ہے وہ جس طرح چاہے کرے۔ اتنی بات محض سمجھانے کے لیے کی ہے۔

فرشتوں کے متعلق بہت سی باتیں حدیث شریف میں آتی ہیں۔ یہ بڑی طاقت والے فرشتے ہیں۔ ابوداؤد شریف ابن ابی حاتم اور دوسری روایات میں ان فرشتوں کی جو حالت بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ان کے جسم کی کلائی ایسی ہے کہ کان کی لَو سے کندھے تک سات سو سال کی مسافت ہے، اتنی بڑی کلائی ہے۔ ان فرشتوں کی اتنی بڑی بڑی جسامت ہے۔ اس کے مقابلہ میں ارض و سماء کی کوئی حیثیت نہیں قرآن پاک میں عرش الٰہی کو عرش عظیم کہا گیا ہے یعنی بہت بڑا عرش۔

فرمایا آج اس کو چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں، اُس دن آٹھ ہو جائیں گے۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے اس کی وجہ یوں بیان کی ہے۔ کہ جب قیامت واقع ہو گی تو اُس دن خدا تعالےٰ کی قہری تجلی نازل ہو گی جس کی وجہ سے عرش الٰہی کا ثقل بہت بڑھ جائے گا۔ اُس دن کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائیگا اور پھر محاسبے کی منزل آئے گی تو خدا تعالیٰ کی قہری تجلی پڑ رہی ہو گی۔ اس لیے کوئی چیز اپنے ٹھکانے پر نہیں رہے گی، سخت گھبراہٹ ہو گی۔ عرش کا ثقل بڑھ جائے گا۔ لہذا اُس دن اِسے اُٹھانے کے لیے آٹھ فرشتے مقرر ہوں گے۔

حضرت حسن بصریؒ کی روایت میں یوں آتا ہے کہ لَا اَدْرِیْ یعنی میں نہیں جانتا کہ آٹھ اشخاص مراد ہیں یا آٹھ صفیں یا آٹھ ہزار فرشتے۔ بہر حال اتنی بات واضح ہے کہ آج چار ہیں اُس دن آٹھ ہو جائیں گے۔

نظام کائنات کیلیے اللہ کی آٹھ صفات

شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ نظام کائنات کو چلانے کے لیے آج اللہ تعالیٰ کی چار صفات یعنی علم، قدرت، ارادہ اور حکمت کام کر رہی ہیں۔ قیامت کو چار مزید صفات کا ظہور ہو گا، ان میں ایک صفت انکشاف ہے۔ آج جو چیزیں مخفی ہیں، اُس دن کھل جائیں گی۔ ہر چیز ظاہر ہو گی۔ یہ صفت انکشاف کا فیضان ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کی دوسری صفت سبوغ و کمال کا ظہور ہو گا۔ اُس دن ہر چیز مکمل شکل میں ظاہر ہو گی۔ تیسری صفت طہارت اور تقدیس کام کرے گی۔ وہاں پر نجاست اور گندگی

نہیں ہوگی۔ نجاست صرف سزا کے طور پہ دوزخیوں کو دی جائے گی جیسے پیپ، خون وغیرہ علم طور پہ وہاں تقدیس کا ظہور ہوگا۔ اللہ تعالےٰ کی چوتھی صفت عدل کا ظہور ہوگا۔ اور اس طرح گویا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی آٹھ صفات کا ظہور ہوگا۔

اسی لیے فرمایا کہ اُس دن ہر فرشتہ ایک صفت کے ساتھ اپنا فریضہ سرانجام دے گا۔ لیکن مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ چونکہ ایسی باتیں انسانی عقل میں نہیں آسکتیں لہٰذا ان پر صرف ایمان ہی رکھنا چاہیئے۔ اور ان کو متشابہات میں شمار کرنا چاہیئے۔

عرشِ الٰہی پر تجلی اعظم

جیسا کہ حدیث میں آتا ہے ساتوں زمین اور ساتوں آسمان طے کرلینے کے بعد بہشت آتا ہے۔ اور بہشت کے بھی آٹھ طبقات ہیں۔ سب سے اوپر کا طبقہ جنت الفردوس ہے۔ نچلے طبقے سے لے کر بالائی طبقے تک پچاس ہزار سال کی مسافت ہے۔ پھر اس کے اوپر عرش الٰہی ہے۔ عرش الٰہی بھی مخلوق ہے اللہ تعالےٰ کی پیدا کردہ ہے۔ خدا کی ذات سب سے وراء الوریٰ ہے۔ اس عرش پہ اللہ تعالیٰ کی جو تجلی پڑتی ہے، اس کو شاہ ولیؒ تجلی اعظم کا نام دیتے ہیں۔ جب وہ پڑتی ہے تو پہلے عرش رنگین ہوتا ہے۔ پھر ساری کائنات رنگین ہوتی ہے۔ اور پھر اس کے نتائج پلٹ کر جاتے ہیں یہ تجلی کب سے پڑ رہی ہے اور کب تک پڑتی رہے گی، یہ انسانی عقل و فکر سے باہر ہے۔ جب انسان بہشت کے مقامات عالیہ میں پہنچیں گے تو سمجھ میں آئے گا۔ اس وقت انسانی عقل کی وہاں تک رسائی نہیں ہے۔ بہرحال یہ اللہ تعالیٰ کے نظامِ حکومت کی بات ہے، اُس کے نظام حکومت کا ظہور اس طریقے سے ہوگا۔

مخلوق کی پیشی خالق کے روبرو

دنیا میں پیش آنے والے چھوٹے چھوٹے حاقے ذکر کر کے بتلایا کہ یہ لوگ قیامت کا انکار کرتے تھے مگر دیکھو ان پر کیسے حاقے پڑے۔ اور جب بڑا حاقہ واقع ہوگا یعنی قیامت برپا ہوگی تو پھر کیا ہوگا۔ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ اُس دن تم پیش کیے جاؤ گے۔ جس طرح عدالت میں پیشی ہوتی ہے گواہ لائے جائیں گے، باز پرس ہوگی۔ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ تم میں سے کوئی نفس چھپے گا نہیں۔ دنیا میں تو کئی لوگ چھپ جاتے ہیں۔ عدالت میں پیش نہیں ہوتے۔ حکومت ان کو تلاش کرنے سے عاجز آجاتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی عدالت میں ایسا نہیں ہوسکے گا۔ وہاں کوئی نہیں چھپ سکیگا۔ یا خَافِيَة سے مراد یہ ہے کہ وہاں کوئی بات اور کوئی خصلت چھپ نہیں سکے گی۔ دنیا میں تو ہزاروں کروڑوں باتیں چھپی رہتی ہیں مگر وہاں کوئی بات، کوئی خصلت چھپی نہیں رہے سب ظاہر ہو جائینگی۔

Marfat.com

یہ جو فرمایا کہ اُس دن پیشی ہوگی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اُس دن تین پیشیاں ہوں گی دو پیشیاں ایسی ہوں گی فَجِدَالٌ وَّمَعَاذِيْرُ کہ سوال و جواب اور جھگڑا وغیرہ ہوگا۔ جب تیسری پیشی ہوگی تو اعمالنامے اڑنے شروع ہو جائیں گے۔ فرمایا تیسری پیشی پر کسی کو دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ ملے گا اور کسی کو بائیں ہاتھ میں۔

دائیں ہاتھ والے

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتَابَهٗ بِيَمِيْنِهٖ جس کو اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں ملے گا، فَيَقُوْلُ وہ کہتا پھرے گا هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتَابِيَهْ ۝ لو بھئی! میرا اعمالنامہ پڑھ لو، بڑا خوش ہوگا هَآؤُمُ کے معنی خُذْ یعنی لے لو۔ اِقْرَءُوْا كِتَابِيَهْ۔ میرا اعمالنامہ پڑھ لو۔ مجھے اعمالنامہ دائیں ہاتھ میں ملا ہے کامیاب ہوگیا ہوں۔

جنت کا پاسپورٹ

بعض دوسری احادیث میں آتا ہے۔ کہ دائیں ہاتھ میں اعمالنامہ کیا ملے گا گویا جواز یعنی پاسپورٹ یا ویزا مل گیا۔ جس کے بغیر دوسری جگہ نہیں جاسکتا تھا۔ یہ بہشت کا ویزا ہوگا خدا کی جانب سے فلاں بن فلاں کے لیے فرمایا کہ دائیں ہاتھ میں اعمالنامہ وصول کرنے والوں کو جنت میں داخل کر دو وہ کامیاب ہونے والے ہیں۔ وہ مارے خوشی کے لوگوں کو اعمالنامہ دکھاتا پھرے گا اور کہے گا اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ۝ میں تو یقین رکھتا تھا کہ ایک نہ ایک دن حساب کا آنیوالا ہے اور باز پرس ضرور ہوگی۔

جنت کی نعمتیں

تو دائیں ہاتھ میں اعمالنامہ وصول کرنے والا آدمی فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ بڑی پسندیدہ زندگی پائے گا۔ من مانی گزران کرے گا۔ وہ جس قسم کی خواہش کرے گا، وہاں اُس کو زندگی کے ویسے ہی لوازمات نصیب ہوں گے۔ رَاضِيَةٍ کے معنی بہت پسندیدہ زندگی کے اندر ہوگا۔ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝ بڑے اونچے باغات ہوں گے قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ اُن کے پھل قریب ہوں گے۔ درختوں کے اوپر چڑھنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ نہ سیڑھیاں لگانی پڑیں گی، نہ کمر سے رسہ باندھنے کی ضرورت ہوگی جیسے کھجوریں اتارنے کے لیے باندھنا پڑتا ہے بلکہ جب خواہش ہوگی مطلوبہ پھل خود بخود جھک کر منہ کے قریب آجائے گا تاکہ وہ اس کو آسانی سے لے لے۔ اس کے بعد اپنی جگہ واپس چلا جائے گا۔

جنت میں کوئی تکلیف نہیں ہوگی

جنتیوں سے کہا جائے گا كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓئًا خوش گواری سے کھاؤ پیو۔ جتنا جی چاہے

کھاؤ، یہاں نہ بدہضمی ہوگی، نہ مروڑ لگیں گے۔ نہ کوئی پیٹ میں فضلہ پیدا ہوگا۔ فرمایا بہشت والے جو چیز بھی کھائیں گے ایک خوشبودار ڈکار کے ساتھ سب کچھ ہضم ہو جائے گا۔ لَا یَبُوْلُوْنَ انہیں بول و براز کی حاجت بھی نہیں ہوگی۔ وہ پاک جگہ ہوگی، وہاں کوئی گندگی نہیں ہوگی نہ رینٹ ہوگا، نہ بلغم والی تھوک ہوگی نہ کوئی پیٹ میں تکلیف پیدا ہوگی۔ بلکہ ایک خوشبودار جشاء یعنی ڈکار کے ساتھ ہر چیز ہضم ہو جائے گی۔

جزائے عمل

اور یہ ساری نعمتیں اس وجہ سے ہیں بِمَا اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَۃِ جو تم لے بھیجا ہے گذرے ہوئے دنوں میں۔ یعنی دنیا میں عقیدہ درست کیا، نیک اعمال کئے۔ یہ ان اعمال کا صلہ ہے۔ جو تم نے دنیا میں اختیار کئے اور اپنے لیے ذخیرہ آخرت آگے بھیجا۔ یہ سلوک تمہارے ساتھ اس وجہ سے کیا جا رہا ہے۔

Marfat.com

درس سوم

(آیت ۲۵ تا ۳۷)

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۵ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ کِتٰبِیَهْ ۲۵
وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ ۲۶ یٰلَیْتَهَا کَانَتِ الْقَاضِیَةَ ۲۷
مَآ اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَهْ ۲۸ هَلَکَ عَنِّیْ سُلْطٰنِیَهْ ۲۹ خُذُوْهُ
فَغُلُّوْهُ ۳۰ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُ ۳۱ ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا
سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُکُوْهُ ۳۲ اِنَّهٗ کَانَ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ
الْعَظِیْمِ ۳۳ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ ۳۴ فَلَیْسَ لَهُ
الْیَوْمَ هٰهُنَا حَمِیْمٌ ۳۵ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِیْنٍ ۳۶ لَّا
یَاْکُلُهٗۤ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ ۳۷ ع

ترجمہ:۔ بہرحال وہ انسان جس کو اس کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا گیا وہ کہے گا کاش کہ یہ اعمالنامہ مجھے نہ دیا گیا ہوتا (۲۵) اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے (۲۶) افسوس کہ یہ قیامت یا موت مجھے ختم ہی کر دیتی (۲۷) افسوس کہ میرا مال آج میرے کچھ کام نہ آیا (۲۸) افسوس کہ آج میرا اقتدار بھی برباد ہوگیا (۲۹) (فرمائے گا) اس کو پکڑ لو اور اس کے گلے میں طوق ڈال دو (۳۰) پھر اسے جہنم کی آگ میں ڈال دو (۳۱) پھر اس کو زنجیروں میں جنکی لمبائی ستر ستر گز ہے جکڑ دو (۳۲) وہ عظمتوں والے خدا پر ایمان نہیں رکھتا تھا (۳۳) مسکین کو کھانا کھلانے پر برانگیختہ بھی نہیں کرتا تھا۔ (۳۴) آج اس کا یہاں کوئی دوست نہیں (۳۵) آج اسے غسلین (زخموں کے دھوون) کے سوا کھانا بھی کوئی نہیں ملے گا (۳۶) اس کو صرف خطاکار ہی کھائیں گے (۳۷)

گذشتہ سے پیوستہ

قیامت واقع ہونے پر انسانوں کے دو گروہ ہو جائیں گے۔ پہلی آیتوں میں صور پھونکنے کا ذکر ہوا۔ نظام جہان کے درہم برہم ہو جانے اور زمین و آسمان کے تغیر و تبدل کا بیان ہوا۔ اُس روز عرش الٰہی اور ملائکہ کی کیفیت کا حال بھی ذکر کیا گیا پچھلے درس میں اُس گروہ کا ذکر ہوا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ جس کو اعمالنامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ وہ بڑا خوش ہوگا۔ اپنا اعمالنامہ لوگوں کو

Marfat.com

دکھاتا پھرے گا۔ اِس گروہ کو ملنے والے انعام واکرام کا ذکر بھی پچھلے درس میں ہو چکا ہے۔

بائیں ہاتھ والے

اب ناکام ہونے والے گروہ کا بیان ہوتا ہے۔ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ بہرحال وہ انسان جس کو اُس کا اعمالنامہ بائیں ہاتھ میں دیا گیا۔ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ وہ کہے گا کاش کہ یہ اعمالنامہ مجھے نہ دیا گیا ہوتا۔ یہ اصحاب شمال ہیں۔ جیساکہ سورۃ واقعہ میں گذر چکا ہے۔ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ مَاۤ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ فِیْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ اُس دِن لوگوں کا بہت بُرا حال ہوگا۔ یہ اصحاب شمال ہیں۔ جن کا اعمال نامہ قیامت والے دن بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اور سورۃ انشقاق میں وَرَآءَ ظَهْرِهٖ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ ایسے لوگوں کا اعمالنامہ پیچھے دیا جائے گا۔ یعنی سامنے نہیں دیا جائے گا۔ ان لوگوں کو نہایت ذلّت کے ساتھ پیچھے کی طرف سے بائیں ہاتھ میں اعمالنامہ دیا جائے گا۔

دایاں ہاتھ برکت اور قوت والا ہوتا ہے جب کہ بایاں ہاتھ دائیں کی نسبت کمزور ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ عزت والے کام دائیں ہاتھ سے کرنے چاہئیں۔ کسی کو کوئی چیز دینا ہو، مصافحہ کرنا ہو، دائیں ہاتھ سے کرنا چاہیئے۔ حقارت کے کام، گندگی صاف کرنا۔ استنجا پاک کرنا وغیرہ بائیں ہاتھ سے کئے جاتے ہیں۔

الغرض جس کا اعمالنامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کے اعمال اس قدر کمزور ہیں کہ وہ خدا کے عذاب کو روک نہیں سکتے، لہٰذا یہ شخص عذاب میں مبتلا ہوگا۔ اگر اس کے اعمال میں قوت ہوتی تو اعمالنامہ دائیں ہاتھ میں ملتا۔ اور اس کے اعمال غضب الٰہی کو روک سکتے۔

اظہار افسوس

لہٰذا بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ حاصل کرنے والا شخص افسوس اور حسرت کا اظہار کرے گا اور کہے گا يٰلَيْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ کاش! کیا اچھا ہوتا یہ اعمال نامہ مجھے ملتا ہی نہ۔ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ مجھے علم ہی نہ ہوتا۔ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ افسوس کہ یہ قیامت یا موت مجھے ختم ہی کر دیتی، میرا وجود ہی باقی نہ رہتا دوبارہ زندگی حاصل نہ ہوتی۔ سورۃ النباء میں ہے۔ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِیْ كُنْتُ تُرٰبًا کاش میں مٹی ہوتا، بے جان ہوتا، عقل و شعور سے خالی ہوتا تو آج اس عذاب میں مبتلا نہ ہوتا۔ مگر اس کا اظہار افسوس کچھ کام نہیں آئے گا۔

Marfat.com

مال کچھ کام نہیں آئیگا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُن باتوں کا ذکر فرمایا جن کی وجہ سے لوگ غرور کرتے تھے، اتراتے تھے۔ اور جن کی وجہ سے وہ غفلت میں پڑے ہوئے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ مَآ اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَهْ بائیں ہاتھ والے لوگ کف افسوس ملتے ہوئے کہیں گے کہ افسوس میرا مال آج میرے کچھ کام نہ آیا۔ وہ مال جسے دنیا میں سمیٹ سمیٹ کر رکھتے تھے اور اسے من مانے طریقے سے خرچ کرتے تھے، آج وہ ان کے کسی کام نہیں آئے گا۔ گذشتہ سورۃ میں گذر چکا ہے۔ کہ وہ لوگ اس بات پر غرور کرتے تھے کہ اَنْ کَانَ ذَامَالٍ وَّبَنِیْنَ کہ اللہ نے انہیں مال اور اولاد دی ہے۔ حالانکہ آخرت میں یہ چیزیں کسی کام نہ آئیں گی۔ اسی طرح سورۃ ہُمَزَہ میں آتا ہے کہ دنیا میں مال جمع کرنے والا یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ سمجھتا تھا کہ میں ہمیشہ خوشحال رہوں گا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے عام طور پر انسان اسی مال کی وجہ سے مفتون ہوتا ہے۔ اور آزمائش میں پڑ جاتا ہے۔

سورۃ وَالْعٰدِیٰتِ میں ہے وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ انسان مال کی محبت میں پکا بھی ہے۔ فطرت انسانی ہے کہ عام طور پر مال سے بڑی محبت ہوتی ہے اسی لیے شرائع الٰہیہ یعنی آسمانی شریعتیں لوگوں کو تہذیب سکھاتی ہیں۔ مال کی محبت بے شک فطری ہے۔ لیکن ایسا نہ ہو کہ اس میں مبتلا ہو کر انسان فرائض کو ترک کر بیٹھے۔ ایسی صورت میں یہی مال وبال بن جائے گا۔ اگر مال کو ہی معبود بنا لیا، حلال و حرام کی تمیز چھوڑ دی تو یہی مال فتنہ بن جائے گا۔ چنانچہ اس جگہ یہی بات بیان ہو رہی ہے۔ کہ بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ حاصل کرنے والا آدمی کہے گا مَآ اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَهْ افسوس! میرے مال نے مجھے کچھ کام نہ دیا۔

ابولہب کا واقعہ قرآن پاک میں موجود ہے۔ مَآ اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ابولہب بڑا دولت مند آدمی تھا مگر جب خدا تعالیٰ کی گرفت آئی تو اس کے مال نے اور جو کچھ اُس نے کمایا تھا، کچھ بھی کام نہ آیا۔

اسی لیے حدیث شریف میں آتا ہے کہ آخرت میں جب دنیا کے دولت مند دیکھیں گے کہ غرباء و مساکین کو بڑے درجے اور فلاح نصیب ہو رہی ہے۔ تو تمنا کریں گے کاش دنیا میں ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی جاتیں، ہم ایسی تکالیف وہاں برداشت کر لیتے اور اس کے بدلے آج ہمیں راحت نصیب ہوتی، درجہ ملتا، مگر اس وقت ان کا کفِ افسوس ملنا کسی کام نہ آئے گا۔

Marfat.com

اقتدار بھی جاتا رہے گا

مال کے بعد اقتدار ایسی چیز ہے جس پر انسان اتراتا ہے۔ جس کے پاس حکومت ہوتی ہے وہ ہمیشہ غرور کرتا ہے۔ ایسا انسان شاذ و نادر ہی ہوگا جو اقتدار پر فائز ہونے کے باوجود جامۂ انسانیت میں رہے۔ انصاف قائم کرے۔ مخلوق خدا پر ظلم نہ کرے۔ لوگوں کا استحصال نہ کرے۔ مگر قیامت کے روز یہ چیز بھی اس کے کام نہ آئے گی اور وہ کہتے گا هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ افسوس کہ آج میرا اقتدار بھی برباد ہوگیا۔ حکومت بھی چھن گئی۔ آج نہ کوئی نوکر چاکر ہے، نہ فوج ہے، نہ پولیس ہے، نہ سیکورٹی والے ہیں جو میرے کام آئیں۔ مگر وہاں ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔ انسان بے یار و مددگار ہوگا۔ بلکہ یہی چیزیں اس کے لیے مہلک ثابت ہوں گی۔

امت محمدیہ کا فتنہ مال ہے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے لِكُلِّ اُمَّةٍ فِتْنَةٌ ہر امت کا کوئی نہ کوئی فتنہ ہوتا ہے وَفِتْنَةُ اُمَّتِي الْمَالُ اور میری امت کا فتنہ مال ہے فرمایا مجھے اس بات کا خطرہ نہیں ہے کہ تم فقر میں ہلاک ہو جاؤ گے۔ مجھے خطرہ یہ ہے کہ تم پر دنیا پھیلا دی جائے گی اَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا فَتُهْلِكَكُمْ كَمَا اَهْلَكَتْهُمْ پھر تم کو وہ اس طرح ہلاک کر دے گی جس طرح پہلے لوگوں کو کیا۔ دنیا میں غرور و تکبر کیا۔ برائیوں میں پڑ گئے اور تباہ ہوئے۔ دنیا کا پھیلاؤ ہی سب کو تباہ کر دے گا۔ اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ میری امت کا فتنہ مال ہے۔

مخصوص اخلاق حیا ہے

نبی علیہ السلام نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ہر امت کا کوئی مخصوص اخلاق ہوتا ہے۔ اور میری امت کا مخصوص اخلاق حیا ہے۔ جب تک امت میں حیا باقی رہے گی ٹھیک رہیں گے۔ جب حیا اٹھ جائے گی تو ناکام و نامراد ہوں گے، برباد ہو جائیں گے۔

مال و جاہ کا غلط استعمال

تو فرمایا کہ مال اور اقتدار یہ دو چیزیں ہیں جن میں مبتلا ہو کر اکثر و بیشتر لوگ ناکام ہوتے ہیں کیونکہ ان دونوں چیزوں کو غلط استعمال کرتے ہیں۔ قیامت کے روز ان کے پاس نہ مال ہوگا نہ اقتدار ہوگا بلکہ وہاں تو قلاش ہوں گے۔ اور جیسا کہ آگے آخری آیت میں آرہا ہے، اس وقت انسان اس کا افسوس کرے گا۔

مجرمین کا جہنم رسید ہونا

ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ اس کو پکڑ لو اور اس کے گلے میں طوق ڈال دو۔ یہ مجرم ہے۔ جیسا کہ سورۂ یٰس میں آتا ہے فِيْ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا ان کے گلے میں طوق ہوں گے۔ اسی طرح یہاں بھی فرمایا کہ حکم ہوگا کہ طوق پہنا کر ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ اسے جہنم کی آگ میں ڈال دو۔ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ پھر ان کو زنجیروں میں جکڑ دو ان زنجیروں میں

Marfat.com

ذَرۡعُهَا سَبۡعُوۡنَ ذِرَاعاً فَاسۡلُکُوۡهُ جس کی لمبائی ستر ستر گز ہے ان میں جکڑ کر جہنم میں پھینک دو۔ بائیں ہاتھ میں اعمالنامہ وصول کرنے والا شخص آج اسی سزا کا مستحق ہے۔ اسے زنجیروں میں جکڑ کر اور گلے میں طوق ڈال کر جہنم رسید کر دو۔

خدائے عظیم کا انکار

ایسے لوگوں کی جہنم رسیدگی کی دو وجوہات اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائیں۔ ایک تو یہ کہ اِنَّهٗ کَانَ لَا یُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ الۡعَظِیۡمِ وہ عظمتوں والے خدا پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ جب اللہ کے نبی کہتے تھے قُوۡلُوۡا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفۡلِحُوۡا یعنی اللہ پر ایمان لے آؤ، فلاح پا جاؤ گے، تو یہ اکڑتا تھا۔ خدا کی توحید کو نہیں مانتا تھا۔ بلکہ کہتا تھا کہ باپ دادا کے تمام معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک اللہ کو مان لیں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ الٹا اکڑتا تھا۔ کہتا تھا العیاذ باللہ اس بیوقوف آدمی کی بات کو کیسے مان لوں، اِنَّهٗ لَمَجۡنُوۡنٌ یہ تو پاگل ہے، دیوانہ ہے۔ اسے اس جرم کی پاداش میں جہنم رسید کیا جا رہا ہے۔ کہ اِنَّهٗ کَانَ لَا یُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ الۡعَظِیۡمِ کہ وہ خدائے برتر پر ایمان نہیں لاتا تھا۔

اطعام مسکین سے اعراض

اس کا دوسرا جرم یہ ہے کہ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الۡمِسۡکِیۡنِ مسکین کو کھانا کھلانے پر برانگیختہ بھی نہیں کرتا تھا۔ نہ خود مساکین کو کھانا کھلاتا تھا، نہ دوسروں کو ہی ترغیب دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان دو جرائم کا ذکر کیا جن کی پاداش میں اس کو ذلت و رسوائی کے ساتھ دوزخ میں ڈالا جا رہا ہے

دین کا خلاصہ

امام رازیؒ جو پانچویں صدی کے آخر میں اور چھٹی صدی کے شروع میں گذرے ہیں۔ آپ کا انتقال ۶۰۶ھ میں ہوا۔ آپ بڑے امام تھے۔ انہوں نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے۔ کہ دین کا خلاصہ اور نچوڑ دو چیزیں ہیں اگر کوئی شخص دین کو سمجھنا چاہے تو اس کا خلاصہ دو لفظوں میں بیان کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ ہے اَلتَّعۡظِیۡمُ لِاَمۡرِ اللّٰهِ وَالشَّفۡقَةُ عَلٰی خَلۡقِ اللّٰهِ یعنی اللہ کے احکام کی تعظیم اور مخلوق خدا پر شفقت۔ ان دو چیزوں کو پھیلایا جائے تو دین کے سارے قوانین انہیں میں آ جائیں گے۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد

عام متکلمین کے انداز میں اس کو یوں بیان کریں گے کہ دین نام ہے حقوق اللہ اور حقوق العباد کا۔ یا اللہ کے حقوق ہیں یا مخلوق کے، تیسری چیز کوئی نہیں۔ لَا یُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ الۡعَظِیۡمِ حقوق اللہ ہیں۔ جو شخص اللہ کے حقوق نہیں مانتا وہ دہریہ ہے یا کافر۔ لہٰذا ناکام ہوتا ہے۔ اور جو شخص مخلوق کے حقوق ادا نہیں کرتا۔ مخلوق پر شفقت نہیں کرتا، وہ بھی ناکام اور مردود ہے۔ الغرض ان دو قوانین کو پھیلائیں گے تو ہر چیز اس میں آ جائے گی۔ ان سے باہر کوئی چیز نہیں ہے۔ دین اسی

Marfat.com

کا نام ہے۔

تو مطلب یہ ہے کہ یہ شخص نہ تو اللہ کا حق ادا کرتا تھا، نہ مخلوق کا حق اور عنوان یہ ہے لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ خدائے عظیم کی توحید کو نہیں مانتا تھا۔ اور مسکین کے کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا تھا۔ خود کھلانا تو کجا، دوسرے کو بھی امادہ نہیں کرتا تھا۔ اس میں یہ ادنٰے درجے کی نیکی بھی نہیں تھی جیسا کہ سورۂ دہر میں ہے وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف فرمائی جو اپنی خوشی سے مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔

باعزت روٹی انسان کا بنیادی حق ہے

مسکین کو روٹی کھلانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بھیک مانگنے والوں کو دے کر بھکاریوں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ محتاج کی روزی کا مستقل بندوبست کیا جائے۔ اس کے لیے باعزت روزگار مہیا کر کے باعزت روٹی کا انتظام کیا جائے۔ آج کی دنیا میں بھی اَلْخُبْزُ بِالْکَرَامَۃِ کا بنیادی حق تسلیم کیا جاتا ہے۔ کہ ہر شخص کو باعزت روٹی ملنی چاہیئے۔

در بدر بھیک مانگنا انسانیت کی تذلیل ہے۔ یہ صرف ہمارے ممالک کا ہی رواج ہے اور یہ ذلت ہمارے ہی مقدر میں ہے۔ ورنہ عیسائی ممالک میں کوئی بھیک نہیں مانگتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم دین سے دور ہو گئے ہیں، مذہب سے بیگانہ ہو گئے۔ جہالت، تاریکی، شرک، بدعت وغیرہ تمام قباحتیں مسلمانوں میں پائی جاتی ہیں۔

حلبیؒ نے سیرت میں لکھا ہے کہ پہلی صدی کے آخر میں آدھی دنیا سے زیادہ پر مسلمانوں کی سلطنت تھی، جہاں جہاں مسلمان تھے کہیں ایک جگہ بھی کوئی قحبہ خانہ نہیں تھا۔ انگریز کے زمانہ میں لائسنس لے کر برائی کرنے والی پچھتر فی صد عورتیں مسلمان تھیں۔ یہی حال مصر، ایران اور ہندوستان میں تھا۔ مسلمانوں پر اس قدر ذلت مسلط ہو گئی تھی۔

گداگری حرام ہے

شاہ ولیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے دین میں گداگری حرام ہے۔ یہ اسی طرح اکساب ضارہ میں شمار ہوتی ہے جیسے چوری، ڈاکہ، زنا وغیرہ۔ لیکن حکومتیں اس کا خاطر خواہ انتظام نہیں کرتیں، وہ اپنی عیاشی میں لگی ہوئی ہیں سکیمیں بن رہی ہیں، اعلان ہو رہے ہیں یہ ہو جائیگا، وہ ہو جائیگا اتنے کروڑ منظور ہوا۔ مگر حال یہ ہے کہ لوگ بھیک مانگ رہے ہیں اور ان کی عیاشی چل رہی ہے۔ ٹی وی جیسی بری اور حرام چیزوں پر کیوں دولت خرچ کی جا رہی ہے۔ غیر ضروری چیزوں کی حکومت کیوں اجازت دے رہی ہے۔ عیاشی کے کاموں پر

اربوں روپیہ خرچ کرنے کی بجائے حکومت مساکین اور غربا پروری کا بندوبست کیوں نہیں کرتی۔ مگر ہم جس نظام کا حصہ ہیں اس کا خاصہ ہی یہ ہے کہ خود عیش کرو، دوسروں کی فکر نہ کرو۔ کوئی مرتا ہے مرنے دو۔ اسلام کا نام لیتے رہو، غریبوں اور مزدوروں کا نام لیتے رہو مگر ان کی خدمت کا کام مت کرو۔ محض نام لے کر زندگی گذارو۔

غربا کی دستگیری مسلمان سوسائٹی کا فریضہ ہے

الغرض لَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ سے مراد یہ ہے کہ مسکین کو بھکاری نہ بناؤ۔ اُن کو باروزگار بناؤ۔ ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ لے کر چلو۔ جو سوسائٹی اپنے غربا و مساکین کی دست گیری نہیں کرتی، وہ ذلیل سوسائٹی ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں باعزت نہیں ہے۔ صدقہ خیرات تو وقتی چیزیں ہیں ان سے وقتی طور پر گذراوقات ہوسکتی ہے، بھیک کا دروازہ نہیں کھل جانا چاہیئے۔ بھیک کی اجازت دینا انسانیت کی تذلیل ہے اپنے غربا و مساکین کی مستقل بحالی کا بندوبست مسلمان سوسائٹی کا فریضہ ہے۔

دوزخی بے یارومددگار رہ جائیں گے

چونکہ بائیں ہاتھ والا شخص نہ حقوق اللہ ادا کرتا تھا نہ حقوق العباد، اس لیے فرمایا کہ اسے ستر ستر گز لمبی زنجیروں میں جکڑ کر اور گلے میں طوق ڈال کر جہنم میں پھینک دو۔ فَلَیْسَ لَهُ الْیَوْمَ هٰهُنَا حَمِیْمٌ آج اس کا یہاں کوئی دوست نہیں ہے۔ دنیا میں اس کے بڑے دوست تھے جو برائی میں اس کے ساتھ تعاون کرتے تھے۔ مگر آج وہ بے یارومددگار ہے۔ وَلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِیْنٍ۔ آج اسے غسلین کے سوا کھانا بھی کوئی نہیں ملیگا۔ غسلین، زخموں کے دھوون یعنی پیپ اور خون ملے ہوئے زرد پانی کو کہتے ہیں۔ یہ اُسکی خوراک ہوگی۔

جب انسان جسمانی طور پر کمزور ہو جاتا ہے۔ یا غم میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کی حوصلہ افزائی کے لیے دو ہی چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک مخلص دوست جو دکھ درد میں اس کی غم خواری کرے، اس سے باتیں کرے اور دوسرا کھانا جو اسکی جسمانی قوت کی بحالی میں مدد دے۔ تو اس ضمن میں فرمایا کہ دوزخیوں کا نہ کوئی دوست ہوگا جو اُن سے ہمدردی کا اظہار کرے اُن کے دکھ درد میں شریک ہو، پیار و محبت کی بات کرے اور نہ انہیں کھانا ہی ایسا میسر ہوگا جو کمزوری کا مقابلہ کر سکے۔ سورۃ غاشیہ میں فرمایا لَا یُسْمِنُ وَلَا یُغْنِیْ مِنْ جُوْعٍ دوزخیوں کا کھانا نہ بھوک سے بچائے گا نہ جسم کو فائدہ دے گا۔

فرمایا اس قسم کا کھانا لَا یَاْکُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ صرف خطاکار ہی کھائیں گے۔ وہ خطاکار جو حقوق اللہ اور حقوق العباد سے اعراض کرتے ہے، یہ کھانا ان کے لیے ہوگا۔ البتہ مومنوں

Marfat.com

کے لیے اللہ تعالیٰ نے بڑے اعزاز رکھے ہیں۔ ان کا ذکر پہلی آیات میں آچکا ہے۔ کہ ان کو حکم ہوگا۔ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓــًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ تم ان اچھے کاموں کے بدلے میں جو دنیا میں سرانجام دیتے رہے، خوب کھاؤ پیو۔ عیش و آرام کی زندگی بسر کرو۔

Marfat.com

درسِ چہارم — آیت ۳۸ تا ۵۲

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ
رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۴۰﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَا
بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ
﴿۴۳﴾ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ
﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ
عَنْهُ حَاجِزِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ
اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَ
اِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۵۱﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾ ع ۲ / ۶

ترجمہ: قسم ہے ان چیزوں کی جو تم دیکھتے ہو ﴿۳۸﴾ اور ان چیزوں کی جن کو تم نہیں دیکھتے ﴿۳۹﴾ کہ البتہ یہ قرآن پاک ایک پیغام ہے بزرگ رسول کی زبان سے ادا کیا ہوا ﴿۴۰﴾ اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے بہت کم تم ایمان لاتے ہو ﴿۴۱﴾ اور نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے بہت کم تم نصیحت پکڑتے ہو ﴿۴۲﴾ یہ تو رب العلمین کی طرف سے نازل کردہ وحی الٰہی ہے ﴿۴۳﴾ اور اگر رسول ایسا کرے کہ کوئی بات جھوٹ موٹ بنا کر لائے ﴿۴۴﴾ تو ہم اسے دائیں ہاتھ (قوت) سے پکڑ لیں گے ﴿۴۵﴾ اور اس کی رگ گردن کاٹ دیں گے ﴿۴۶﴾ اور پھر تم میں سے کوئی بھی اس کو گرفت سے روکنے والا نہیں ہوگا ﴿۴۷﴾ یہ تو متقیوں کے لیے تذکرہ اور نصیحت ہے ﴿۴۸﴾ اور بیشک ہم جانتے ہیں کہ تم میں سے جھٹلانے والے بھی ہیں ﴿۴۹﴾ اور یہ کافروں پر بڑے افسوس کا باعث ہوگا ﴿۵۰﴾ اور یہ قرآن پاک حق الیقین ہے ﴿۵۱﴾ پس آپ اپنے عظمتوں والے رب کی تسبیح بیان کریں ﴿۵۲﴾

گذشتہ سے پیوستہ

سورۃ الحاقہ کے پہلے رکوع میں قیامت کا ذکر ہے۔ آخری آیتوں میں بنیادی عقائد کا بیان ہے منجملہ ان کے رسالت اور نبوت کا ذکر ہے۔ جس طرح کفار قیامت کا انکار کرتے تھے، اسی طرح حضور علیہ السلام کی نبوت اور رسالت کے منکر تھے۔ پہلے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی اس قسم کے واقعات

پیش آتے رہتے ہیں جب کہ لوگ ان کی تکذیب کرتے تھے۔ یہ لوگ نہ صرف پیغمبر کا انکار کرتے تھے، بلکہ وحی الٰہی اور اُس کے لانے والے فرشتے کا بھی انکار کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ یہ اپنے پاس سے باتیں گھڑ کر لایا ہے، خدا کا پیغام نہیں ہے۔ بعض شاعر اور کاہن کا خطاب دیتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ یہ غیب کی خبریں بتاتے رہتے ہیں اور سچ کے ساتھ جھوٹ ملاتے ہیں۔ اپنی فیس لیتے ہیں مسجع عبارت بولتے ہیں۔ جنات کے ساتھ تعلق قائم کرتے ہیں۔

پہلی سورۃ میں گزر چکا ہے۔ کہ بعض بدبخت لوگ حضور علیہ السلام کو مجنون کہہ کر رسالت کا انکار کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر نبوت اور رسالت کا ذکر فرمایا ہے۔ اس سورۃ کے پہلے رکوع میں قیامت اور سابقہ اقوام کا ذکر تھا۔ اُن سزاؤں کا اجمالی ذکر تھا جو اُن اقوام کو دی گئیں۔ پھر اس سے قیامت کے برحق ہونے کی دلیل قائم کی۔ جیسے اَلْقَارِعَةُ اور اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ میں اس کے بعد انسانوں کے دو گروہوں یعنی اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال کا ذکر ہوا۔ اصحاب شمال کو ملنے والی سزا کا بیان ہوا۔ اور اس کی بنیادی وجہ بیان کی کہ وہ لوگ خدائے عظیم پر ایمان نہیں رکھتے تھے، اور انسانی حقوق ضائع کرتے تھے۔

لا تاکیدی یا لا نفی

آیات زیر درس میں نبوت اور رسالت کا ذکر ہے۔ قرآن پاک کا کلام الٰہی ہونا بیان کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ قسم ہے اس چیز کی جو تم دیکھتے ہو۔ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ اور اُن چیزوں کی جن کو تم نہیں دیکھتے۔

لا کی تفسیر مفسرین نے دو طریقوں سے کی ہے۔ اول یہ کہ لَا تاکید کے لیے آتا ہے۔ جیسے لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں۔ یا مثلاً فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُوْمِ میں ستاروں کے ڈوبنے کی قسم کھاتا ہوں۔ ستارے ڈوبتے ہیں تو سورج نمایاں ہوتا ہے سابقہ انبیاء کی مثال ستاروں جیسی تھی اور خاتم النبیین کو اللہ تعالیٰ نے سراجاً منیراً فرمایا۔ تو یہ لَا قسم کی تاکید کے لیے ہوتا۔ یہ ایک محاورہ بھی ہے۔

بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ لَا نافیہ ہی ہے۔ کیونکہ مفہوم ایک ہی نکلتا ہے۔ فَلَآ اُقْسِمُ میں نہیں قسم کھاتا اُن چیزوں کی جن کو تم دیکھتے ہو، اور جن کو تم نہیں دیکھتے۔ قسم اٹھانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ بات بڑی واضح ہے۔ قسم اٹھانے کی تو وہاں ضرورت ہوتی ہے۔ جہاں کوئی بات

Marfat.com

پوشیدہ ہو تو دوسرے کو یقین دلانا مقصود ہو۔ مگر قرآن پاک کا کلام الٰہی اور وحی الٰہی ہونا تو واضح ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم نبی برحق ہیں قسم اٹھانے کی ضرورت ہی نہیں۔ لہٰذا اس لحاظ سے لانفی مراد ہے۔ مگر زیادہ تر اسے لا تاکیدی کے معنوں میں ہی لیا جاتا ہے۔

غیر اللہ کے نام کی قسم کھانا شرک ہے

یہاں ایک دوسرا مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ حضورؐ نے غیر اللہ کے نام کی قسم اٹھانے سے منع فرمایا ہے جیسے مَنْ اَقْسَمَ بِغَیْرِ اللّٰہِ فَقَدْ اَشْرَکَ جس نے اللہ کے علاوہ کسی دوسرا قسم کھائی، اُس نے شرک کیا۔ نیز یہ بھی ارشاد ہے لَا تُقْسِمُوْا بِاٰبَآءِ کُمْ وَلَا بِالطَّوَاغِیْتِ اپنے باپوں اور طاغوت کے نام پر مت قسم اٹھاؤ۔ اگر قسم سے غیر اللہ کی تعظیم مراد ہے تو پھر واضح شرک ہے۔ اور تعظیم مدِ نظر نہیں تو پھر بھی شرک کی صورت بنتی ہے۔ ہر حالت میں ناپسندیدہ ہے۔ قسم صرف اللہ کے نام کی یا اُس کی صفت کی اٹھانی چاہیئے۔

اللہ تعالٰے خود مخلوق کی قسم اٹھاتا ہے

اللہ تعالٰے نے قرآن میں خود کئی چیزوں کی قسم اٹھائی ہے۔ جیسے وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ یا لَا اُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُوْمِ یا فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ غیر اللہ کی قسم نہ اٹھانے کا قانون صرف انسانوں کے لیے ہے۔ اللہ تعالٰے بے نیاز ہے۔ اس کے لیے یہ قانون نہیں ہے۔ انسان تو اللہ تعالیٰ کا نام یا اس کی صفت سامنے رکھ کر قسم اٹھاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں خدا کے نام کی تعظیم کر رہا ہوں اگر غلط بیانی کروں گا تو اللہ تعالیٰ مواخذہ کرے گا۔ تو ایسی صورت میں دوسرے کو یقین آجاتا ہے۔ مگر اللہ تعالٰے کے قسم اٹھانے کا یہ مطلب نہیں ہے اللہ تو خود عظمت والا ہے۔ باقی جن چیزوں کی قسم اٹھائی گئی ہے، وہ تو مخلوق ہیں۔ تو اللہ تعالٰے کے قسم اٹھانے میں قسم کا مفہوم نہیں پایا جاتا، بلکہ صرف ایک دلیل قائم کرنا مقصود ہوتا ہے کہ اللہ تعالٰے نے اس چیز کو بطور گواہ پیش کیا ہے اس پر غور کر لو، بات سمجھ میں آجائے گی۔ اس قسم سے مقسوم کی تعظیم مراد نہیں ہوتی۔

حدیث شریف میں حضورؐ کی ایک دعا مذکور ہے۔ کہ اے اللہ! میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ تو ملائکہ کو اور اپنی مخلوق کو ہماری اس بات پر گواہ بنالے کہ ہم شہادت دیتے ہیں کہ اَنَّکَ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ تو اکیلا ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مقدمات کے فیصلہ کے لیے بھی دو طریقے ہی ہیں۔ یا تو گواہ پیش

Marfat.com

سکے جائیں یا قسم پر فیصلہ ہو۔ فرمایا قضیٰ بِیَمِیْنٍ وَشَاھِدٍ۔ جہاں گواہ موجود نہ ہو وہاں فیصلہ قسم پر ہوگا۔ مدعی کے ذمہ گواہ پیش کرنا ہوتا ہے۔ اگر گواہ نہیں ہیں تو مدعا علیہ قسم اٹھائے گا اور حاکم اس کے مطابق فیصلہ کر دے گا۔

مبصرات اور غیر مبصرات

فرمایا فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ میں قسم اٹھاتا ہوں ان چیزوں کی جن کو تم دیکھتے ہو۔ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ اور جن کو تم نہیں دیکھتے۔ عالم شہادت میں زمین، آسمان، ستارے اور مخلوق نظر آنے والی چیزیں ہیں اور بعض چیزیں نظر نہیں آتیں مثلاً ملائکہ، جنات، جبرائیل۔ ایک دفعہ حضورؐ گھر میں تشریف فرما تھے، جبرائیل علیہ السلام آئے اور وحی لائے۔ آپ حضرت عائشہؓ کے گھر تشریف فرما تھے۔ آپ نے ان کو بتایا کہ عائشہؓ! جبریل علیہ السلام آئے ہیں اور تم کو سلام کہتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے سلام کا جواب دیا وَعَلَیْہِ السَّلَامُ اور عرض کیا تَرٰی مَا لَا نَرٰی کہ اے اللہ کے نبی آپ تو جبریل علیہ السلام کو دیکھ رہے ہیں مگر ہمیں وہ نظر نہیں آتا ہمارے لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں پردہ غیب میں رکھا ہوا ہے۔

اسی طرح کعبہ نظر آتا ہے، بیت المعمور نہیں نظر آتا کہ وہ عالم بالا میں ہے۔ فرشتے بیت اللہ کے طواف کے لیے آتے ہیں مگر نظر نہیں آتے۔ بیت اللہ شریف پر تجلی پڑ رہی ہے مگر نظر نہیں آتی۔ ایسی ہی اور کتنی چیزیں ہیں جو نظر نہیں آتیں۔ تو اس میں کفار کے لیے دلیل قائم کی جا رہی ہے۔ کہ تم جبریل کا انکار کرتے ہو، وحی الٰہی کا انکار کرتے ہو، قرآن پاک کے منجانب اللہ ہونے کا انکار محض اس لیے کرتے ہو کہ یہ چیزیں تمہیں نظر نہیں آتیں حالانکہ بے شمار چیزیں ایسی ہیں جن کا تم بن دیکھے یقین کرتے ہو۔ بعض چیزیں تم دوسروں کی تقلید میں مانتے ہو، بعض دوسروں سے سُن کر تسلیم کر لیتے ہو مگر جبریل کو، وحی الٰہی کو اور قرآن پاک کو تسلیم کرنے میں کون سا امر مانع ہے انہیں بن دیکھے کیوں نہیں مانتے۔ اللہ کا نبی کہہ رہا ہے کہ جبریل آئے ہیں، اللہ کا پیغام لائے ہیں، مگر تم ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے کیا تم دنیا کی ہر چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ہی یقین کرتے ہو؟

بعض چیزیں انسانی عقل سے بالا ہیں، کئی چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے پردۂ غیب میں رکھا ہے ایک وقت آئے گا، سب کو کھول دے گا۔ اس وقت سب چیزیں شہادت بن جائیں گی۔ اب پابند کیا گیا ہے۔ حکم ہوتا ہے۔ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ غیب پر ایمان لاؤ فلاح پاجاؤ گے۔ اگر ایمان

Marfat.com

نہیں لاؤ گے۔ نجات نہیں ہوگی۔ اسی لیے حضورؐ کی دعا کے الفاظ ہیں کہ اے اللہ! میں گواہی دیتا ہوں
اَلْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ یعنی جنت اور دوزخ برحق ہیں۔ حالانکہ یہ نظر نہیں آتیں۔ اسی طرح
جبرئیل کا آنا، وحی الٰہی کا نازل ہونا نظر نہیں آتا مگر برحق ہے۔ اس پر ایمان لانا ضروری ہے انہیں ملنے
میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہیئے۔

اسی طرح برزخ کا معاملہ ہے، قیامت کا معاملہ ہے، نظر نہیں آتا مگر انسان دوسروں سے سن کر یا ان کی تقلید میں ایمان لاتے ہیں۔ وہاں تو انکار نہیں کرتے۔ پھر یہاں انکار کی کیا وجہ ہے جب پیغمبر کو دیکھتے ہو تو اس کے پاس وحی لانے والے کو بھی مان لو۔

کلام الٰہی از زبان رسول

الغرض یہ تمام چیزیں بیان کر کے فرمایا کہ میں قسم اٹھاتا ہوں محسوسات کی اور غیر محسوسات کی، مبصرات کی اور غیر مبصرات کی یعنی ان سب چیزوں کو بطور گواہ اور بطور دلیل پیش کرتا ہوں کہ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ کہ البتہ قرآن پاک ایک پیغام ہے بزرگ رسول کی زبان سے ادا کیا ہوا۔ لَقَوْلُ کے معنی اس کی زبان سے ادا کیا ہوا۔ اس کا ذاتی قول نہیں ہے۔ وہ رسول ہے، عزت والا ہے۔ قرآن پاک کو لانے والا فرشتہ بھی عزت والا ہے۔ دونوں کو کریم کے لفظ سے تعبیر کیا۔ یعنی رسول جسے دیکھ رہے ہو وہ بھی عزت والا ہے اور فرشتہ جو نظر نہیں آتا، وہ بھی عزت والا ہے بڑی شرافت والا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے مَا اَذِنَ اللّٰهُ لِشَیْءٍ اللہ تعالےٰ اتنی مہربانی اور شفقت سے توجہ نہیں فرماتا جتنا اس چیز پر جو نبی کی زبان سے نکلتی ہے مَا خَرَجَ مِنْهُ۔ اللہ تعالیٰ اس کو بڑی مہربانی سے سنتا ہے۔ وہ کلام الٰہی ہے۔ نبی کا کلام نہیں مگر نبی کی زبان سے ادا کیا گیا ہے۔

قرآن پاک شاعر کا کلام نہیں

کفار کہتے تھے۔ کہ یہ کلام الٰہی نہیں بلکہ کسی شاعر کا کلام ہے، محض تک بندی ہے حالانکہ قرآن پاک کا شعر نہ ہونا ایک واضح بات ہے۔ مگر افسوس کہ لوگ ایمان نہیں لاتے اور ہٹ دھرمی کر رہے ہیں۔ شعر و شاعری کا مدار تو تخیلات پر ہوتا ہے۔ کسی کی مدح کر دی، کسی کی قدح کر دی۔ سورۃ شعراء میں ارشاد ربانی ہے۔ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُنَ شاعروں کے پیچھے چلنے والے گمراہ لوگ ہوتے ہیں۔ شعر جتنا جھوٹا ہوگا اتنا ہی زیادہ لذیذ ہوگا اور زیادہ داد وصول کریگا برخلاف اس کے قرآن پاک تو حقائق پر مبنی ہے۔ اس کے سارے حقائق برحق ہیں۔ اس بات کو

Marfat.com

تو سمجھدار عرب بھی جانتے تھے کہ قرآنِ پاک کسی شاعر کا کلام نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ کے ایمان لانے کے سلسلے میں جو روایات آتی ہیں، اُن میں ایک یہ بھی ہے جسے آپ خود بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں میں حضور علیہ السلام کو ایذا پہنچانے میں پیش پیش ہوا کرتا تھا بلکہ بسا اوقات آپ کو قتل کرنے کے درپے رہتا تھا۔ میں اپنے خیالات میں مگن خانہ کعبہ میں آیا اور دیکھا کہ حضورؐ پہلے سے وہاں موجود ہیں۔ اور قرآن پاک پڑھ رہے ہیں۔ میں دل میں کہہ رہا تھا کہ آپ شاعر ہیں مگر اسی وقت آپ کی زبان مبارک سے یہ آیت پاک نکلی وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ط قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ حضرت عمرؓ کہتے ہیں۔ کہ میں سوچنے لگ گیا۔ کہ یہاں شاعری کی تو نفی کر دی گئی ہے۔

قرآنِ پاک کاہن کا کلام نہیں

فرماتے ہیں کہ اگر آپ شاعر نہیں ہیں تو کاہن ضرور ہیں۔ یہ خیال آنا تھا۔ تو آپ نے اگلی آیت تلاوت کر دی وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ط قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں پھر متذبذب ہو گیا کہ آپ نے تو کاہن ہونے کی بھی نفی کر دی۔ اتنی دیر میں حضورؐ سورۃ کو آخر تک پڑھ گئے۔ تو میرے دل میں قرآن پاک کی وقعت پیدا ہو گئی۔ یہ نہ تو شاعری ہے اور نہ کہانت۔ بلکہ اِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ یہ تو رسولِ کریم کی زبان سے ادا کیا ہوا۔ اللہ تعالےٰ کا کلام ہے۔

قرآنِ پاک اللہ تعالےٰ کا نازل کردہ ہے

سورۃ قلم میں بیان ہوا۔ کہ قرآن پاک کسی مجنون کا کلام نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایسا کلام ہے جس سے قلم سے لکھنے والے لوگ عاجز ہیں۔ کہ اس کا مقابلہ کر سکیں۔ فرمایا کہ آپ کو پاگل کہنے والوں کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ۔ آپ تو بلند ترین اخلاق پر ہیں۔ جس سے بلند اور کوئی اخلاق نہیں ہے۔ آپ تو عظمت والے ہیں۔

اسی طرح اس سورۃ میں ذکر ہوا کہ یہ شاعر کا کلام بھی نہیں شاعر تو معمولی باتوں کے پیچھے لگے رہتے ہیں، اُن کا دارومدار تخیلاتی باتوں پر ہوتا ہے۔ آپ کاہن بھی نہیں کہ کاہنوں کا اخلاق وہ نہیں ہوتا جو پیغمبر کا ہوتا ہے۔ فرمایا حقیقت یہ ہے کہ تَنْزِيلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِينَ یہ تو رب العلمین کی طرف سے نازل کردہ وحی الٰہی ہے۔ خدا تعالےٰ کا کلام ہے اس کو لانے والا بزرگ فرشتہ ہے جس ہستی کی زبان سے ادا کیا جا رہا ہے۔ وہ رسولِ کریم ہے اور بڑی عزت والا ہے۔

قرآنِ پاک کی مثل لانے کے لئے چیلنج

کفار کہتے تھے۔ کہ قرآن پاک اللہ کا کلام نہیں۔ بلکہ خود ساختہ ہے اَمْ يَقُولُونَ افْتَرٰىهُ۔

اس مضمون کو قرآن پاک نے کئی ایک طریقوں سے بیان کیا ہے۔ تاہم اللہ تعالے نے چیلنج کیا کہ اگر تمہارے کہنے کے مطابق یہ کلام من گھڑت ہے۔ تو فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ تم بھی اس جیسی ایک سورۃ بنا کر لے آؤ جس میں قرآن پاک جیسے حقائق، علوم، فصاحت اور بلاغت ہو۔ یہ چیلنج چودہ صدیوں سے قائم ہے مگر آج تک کوئی ایسا انسان پیدا نہیں ہوا، جو اس چیلنج کو قبول کرے اور قرآن جیسی ایک آیت ہی بنا کر لائے۔

البتہ یہ ضرور ہے۔ کہ جس کسی نے بھی اس معاملہ میں جرأت کی، اس نے منہ کی کھائی۔ مثلاً جب مسیلمہ کذاب نے کوشش کی تو حضرت عمرو بن العاصؓ جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے، کہنے لگے کہ تم پر لعنت ہو کہ تم اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ کے مقابلے میں ایسا اول فول کلام پیش کرتے ہو۔ حالانکہ خود تیرا دل گواہی دیتا ہوگا۔ کہ تو جھوٹا ہے۔ غرضیکہ مخالفین اس بات کو خوب جانتے تھے۔ کہ وہ قرآن پاک کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جس نے بھی کوشش کی، وہ جھوٹا ثابت ہوا۔

رسول خود کلام بنا کر اللہ کی طرف منسوب نہیں کر سکتا

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی غیر تو کجا خود رسول بھی اپنی طرف سے کوئی کلام بنا کر اللہ کی طرف منسوب نہیں کر سکتا۔ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ یعنی اگر رسول ایسا کرے۔ کوئی جھوٹ موٹ بنا کر لائے تو پھر سب سے پہلے خود اللہ تعالیٰ اس کا محاسبہ کرے گا لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ہم اسے دائیں ہاتھ سے پکڑ لیں گے۔ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ اور اس کی رگ گردن کاٹ دیں گے۔ وتین اس رگ کو کہتے ہیں جو دل سے اوپر کی طرف آتی ہے۔ اور ایسی صورت میں فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ اور تم میں سے کوئی بھی روکنے والا نہیں ہوگا۔ اس قسم کا مضمون تورات میں بھی موجود ہے کہ کوئی سچا نبی خدا کی طرف غلط بات منسوب کرے گا۔ تو خدا اس کو ہلاک کر دے گا۔ زندہ نہیں چھوڑے گا۔

ہاں البتہ جھوٹے نبیوں کے متعلق یہ بات نہیں ہے۔ ان کو تو مہلت ملتی رہتی ہے۔ جیسے مسیلمہ کذاب، اسود عنسی اور مرزا قادیانی وغیرہ۔ وہ اول فول باتیں کرتے رہتے ہیں۔ خود بنا کر اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں مگر ذلیل ہوتے ہیں یا مارے جاتے ہیں۔ سچا نبی اللہ تعالےٰ کی طرف غلط بات منسوب نہیں کر سکتا۔ اگر کرے گا تو فرمایا ہم اس کا محاسبہ کریں گے اور تم میں سے کوئی بھی اسے روکنے والا نہیں ہوگا۔

Marfat.com

قرآن پاک متقین کے لیے نصیحت ہے

یہ قرآن پاک کیا ہے فرمایا وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ یہ تو متقیوں کے لیے تذکرہ اور نصیحت ہے۔ جیسے پہلی آیت میں فرمایا تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ یعنی قرآن پاک تو رب العلمین کا نازل کردہ ہے مگر اس سے فائدہ وہی اٹھاتا ہے جو متقی ہے۔ اس میں خوف خدا پایا جاتا ہے۔ قیامت کے محاسبے سے ڈرتا ہے۔ اسی لیے سورۃ البقرہ میں فرمایا هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کہ قرآن پاک متقین کے لیے ہدایت ہے الغرض یہ کلام نصیحت اور یاد دہانی اُن لوگوں کے لیے ہے جو ڈرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچتے ہیں۔

منکرین جھٹلاتے ہیں

یہ حقائق بیان کرنے کے بعد فرمایا وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ اور بیشک ہم جانتے ہیں کہ تم میں سے جھٹلانے والے بھی ہیں جو قرآن پاک کو جھٹلاتے ہیں اور احکام الٰہی جیسے قیامت توحید اور رسالت کو جھٹلاتے ہیں نیز فرمایا کہ یاد رکھو وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ یہ کافروں پر بڑے افسوس کا باعث ہوگا۔ آگے چل کر کفار بڑا افسوس کریں گے۔

قرآن پاک حق الیقین ہے

فرمایا وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ قرآن پاک حق الیقین ہے۔ یہ کوئی مشکوک چیز نہیں ہے۔ کوئی بناوٹی چیز نہیں ہے بلکہ قرآن کا بیان حق ہے۔ یہ قطعی اور یقینی ہے۔ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔ نہ من گھڑت ہے نہ جھوٹا بلکہ خداوند قدوس کا سچا کلام ہے۔ اُس کی صفت ہے۔ اس نے وحی کے ذریعے اتارا ہے۔ لانے والا بزرگ فرشتہ ہے۔

وحی کے لانے میں بھی بڑا اہتمام ہوتا ہے لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ اس میں آگے یا پیچھے کسی شیطان یا مخلوق کا دخل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ جب وحی نازل ہوتی ہے تو چاروں طرف پہرے لگ جاتے ہیں کہ کوئی اس میں دخیل نہ ہو سکے۔ یہ تو تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہے

تسبیح بیان کرنے کا حکم

یہ تمام حقائق بیان کرنے کے بعد سورۃ کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے۔ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ اپنے رب کی تسبیح بیان کریں کہ اس نے ہماری ہدایت اور رہنمائی کے لیے کلام پاک نازل فرمایا۔ وہ عظمتوں کا مالک ہے، اس نے ہم پر بڑی مہربانی کی۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضورؐ نے فرمایا اِجْعَلُوْهَا فِيْ رُكُوْعِكُمْ اسے اپنے رکوع میں داخل کر لو۔ اور کہو سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ اسی طرح جب آیت سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى نازل ہوئی تو فرمایا اِجْعَلُوْهَا فِيْ سُجُوْدِكُمْ اسے اپنے سجدے میں داخل کر لو یعنی سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا

Marfat.com

ہے۔ جو رکوع کرتا ہے اور تین دفعہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم کہتا ہے تو اس کا رکوع مکمل ہے۔ وَذَالِکَ اَدْنٰی اور یہ ادنیٰ درجہ ہے۔ ورنہ نفلی عبادت میں پانچ دفعہ سات دفعہ، اکیس دفعہ، اکتالیس دفعہ بھی یہ تسبیح کہی جا سکتی ہے۔ حضورؐ بعض اوقات اتنا لمبا رکوع کرتے اور تسبیح پڑھتے جتنی قرأت ہوتی۔ دو سیپارے کے برابر قرأت کی اور اتنی ہی لمبی تسبیح بیان کی لو بلی الحمد۔ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم۔ اسی طرح سجدے میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھتے۔ تو فرمایا خدائے پاک کی ذات بے عیب ہے اس نے ہماری ہدایت کے لیے قرآن نازل فرمایا یہ کفار غلط باتیں منسوب کرتے ہیں۔

Marfat.com

سورة
المعارج

Marfat.com

درس اول

آیت ۱ تا ۱۴

سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ معارج مکی ہے یہ چوالیس ۴۴ آیتیں اور اس میں دو ۲ رکوع ہیں ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالٰے کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ﴿۱﴾ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ
لَهٗ دَافِعٌ ﴿۲﴾ مِّنَ اللّٰهِ ذِى الْمَعَارِجِ ﴿۳﴾ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ
الرُّوْحُ اِلَيْهِ فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ
﴿۴﴾ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ﴿۵﴾ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا
﴿۶﴾ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ﴿۷﴾ يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ﴿۸﴾
وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿۹﴾ وَلَا يَسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا
﴿۱۰﴾ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ؕ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِىْ مِنْ عَذَابِ
يَوْمِئِذٍۭ بِبَنِيْهِ ﴿۱۱﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ﴿۱۲﴾ وَ
فَصِيْلَتِهِ الَّتِىْ تُئْوِيْهِ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ
ثُمَّ يُنْجِيْهِ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: مانگا ہے ایک مانگنے والے نے ایسا عذاب جو واقع ہونے والا ہے (۱) جو
واقع ہو کر رہنے والا ہے کافروں پر اس کو کوئی ہٹانے والا نہیں (۲) وہ عذاب اللہ کی طرف
سے ہے جو سیڑھیوں والا ہے (۳) عروج کرتے ہیں فرشتے اور جبریل امین اس کی طرف ایک
دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے (۴) آپ اچھا صبر کریں (۵) یہ لوگ اسے
بعید خیال کرتے ہیں (۶) اور ہم اس کو قریب دیکھ رہے ہیں (۷) جب وہ دن آئے گا تو
آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا (۸) اور پہاڑ رنگین دھنی ہوئی روئی کی مانند ہو جائیں گے

Marfat.com

(۹) اس دن دنیا کا کوئی دوست اپنے دوست کو نہیں پوچھے گا (۱۰) ایک دوسرے کو سامنے دیکھیں گے اس دن مجرم خواہش کرے گا کہ کاش وہ عذاب سے بچنے کے لیے بیٹوں کا فدیہ دے دے۔ (۱۱) بیوی اور بھائی کو فدیہ میں پیش کر دے (۱۲) اور اپنے اس قبیلہ کو جو اس کو پناہ دیتا تھا (۱۳) کہے گا کاش ساری زمین اور اس پر سب رہنے والے کو فدیہ دے کر جان بچالے (۱۴)

کوائف اور مضامین

اِس سورۃ کا نام سورۃ المعارج ہے۔ اس کی تیسری آیت میں معارج کا لفظ ہے جس سے اس سورۃ کا نام لیا گیا ہے۔ یہ سورۃ مکی زندگی میں نازل ہوئی۔ اس کے دو رکوع چوالیس آیتیں، دو سو سولہ کلمات اور آٹھ سو اکسٹھ حروف ہیں۔ اس کے مضامین گذشتہ سورۃ الحاقۃ سے ملتے ہیں۔ اس سورۃ کے ابتدا میں قیامت کا ذکر ہے۔ آخر رکوع میں نبوت اور رسالت کا انکار کرنے والوں کا ردّ ہے۔ اس سورۃ میں بھی زیادہ تر قیامت کے بارے میں ارشادات ہیں۔

سابقہ سورۃ سے ربط

اس سے پہلی سورۃ میں بیان ہوا۔ کہ مشرکین جن کو قیامت کے روز بائیں ہاتھ میں اعمالنامہ ملے گا، وہ بڑا افسوس کریں گے۔ اور جہنم میں داخل ہونے کی وجہ یہ بیان کریں گے کہ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ۔ یعنی خدائے عظیم پر ایمان نہیں رکھتے تھے اور مسکین کو کھانا کھلانے کا انتظام نہیں کرتے تھے، اِس سورۃ میں بھی اللہ تعالےٰ نے مشرکین کے اسی ذہن کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ کہ یہ لوگ قیامت کے متعلق جلدی کر رہے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ عذاب الٰہی جلدی کیوں نہیں آتا۔ خود عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں۔ مگر جب وہ قیامت کا دن آئے گا تو یہ لوگ آرزو کریں گے کہ بیوی، بھائی۔ قبیلہ، مال وغیرہ سب کچھ فدیہ میں دے کر نجات حاصل کر لیں مگر انہیں نجات حاصل نہیں ہوگی۔

عذاب کا مطالبہ

ارشاد ربانی ہے۔ سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ مانگا ہے ایک مانگنے والے نے ایسا عذاب جو واقع ہونے والا ہے۔ یہ مشرکین کے اس مطالبہ کی طرف اشارہ ہے۔ کہ وہ اپنے منہ سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ قیامت جلدی کیوں نہیں آتی۔ اور جس عذاب سے آپ ڈراتے ہیں، وہ واقع کیوں نہیں ہوتا۔

سائل نکرہ ہے اور اس کے دو معنے ہوتے ہیں۔ اس کا ایک معنیٰ پوچھنا یا استفسار کرنا ہے اور دوسرا معنیٰ مانگنا یا طلب کرنا۔ اس جگہ سَاَلَ سے مراد طلب کرنا ہے۔

Marfat.com

کیا سائل سے مراد پیغمبر خدا ہے

سائل سے کون مراد ہے۔ مفسرین نے اس کی دو تفسیریں کی ہیں۔ شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ فرماتے کہ سائل سے مراد خود پیغمبر خدا ہیں۔ بعض دوسری آیات سے پتہ چلتا ہے۔ کہ جب مشرکین ہٹ دھرمی کرتے تھے اور اللہ تعالٰے کے بھیجے ہوئے نبیوں کا انکار کرتے تھے۔ تو اللہ تعالٰے کے رسول اور نبی خود بارگاہِ رب العزت میں عرض کرتے تھے۔ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ یعنی اے ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ کر دے۔ یعنی ان پر عذاب نازل فرما اور ان کو اپنی گرفت میں لے۔ اس لیے شاہ عبدالقادرؒ سائل سے پیغمبر خدا مراد لیتے ہیں یعنی پیغمبر خدا نے تمہارے لیے عذاب مانگا ہے۔ ایسا عذاب لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ جس کو کوئی ٹال نہیں سکتا وہ آکر رہے گا۔

اگر سائل کا یہ معنی بھی کیا جائے تو درست ہے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے حالات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے۔ کہ انہوں نے تنگ آکر اللہ تعالٰی سے عذاب کی درخواست کی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا۔ یعنی اے ہمارے رب! روئے زمین پر کسی کافر کو بسنے والا نہ رہنے دے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے بھی ایسا ہی کہا تھا۔ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ یعنی اے اللہ! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ کر دے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق اللہ تعالٰے نے سورۃ زخرف کے آخر میں نبی کی زبان سے فرمایا يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ۔ اے میرے پروردگار! یہ قوم تو ایمان نہیں لاتی۔ اب تو ہی فیصلہ کر۔

سائل سے مراد کافر اور مشرک ہیں

بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اس جگہ سائل سے مراد پیغمبر علیہ السلام کی ذات نہیں بلکہ کفار و مشرکین ہیں، جو اپنے منہ سے عذاب کا مطالبہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جس سزا سے تو ہمیں ڈراتا ہے، اُسے لاتا کیوں نہیں۔ اسی طرح قیامت کے متعلق استفسار کرتے تھے مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ یعنی اگر قیامت کا وعدہ برحق ہے تو کب پورا ہو گا۔ مشرکین میں سے ابوجہل اور نضر ابن حارث ابن کلدہ وغیرہ اس قسم کی بات کرتے تھے۔ جیسا سورۃ انفال میں ہے۔ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ اگر محمد درست کہتے ہیں۔ تو اے اللہ! تو ہم پر پتھروں کی بارش کر دے یا سخت ترین عذاب

Marfat.com

نازل فرما۔ اس طرح گویا اپنے منہ سے عذاب کا مطالبہ کرتے تھے۔ اور یہ محض تعصب اور عناد کی وجہ سے ایسا مطالبہ کرتے تھے۔

الغرض فرمایا سَاَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ۔ ایک مانگنے والے نے ایسا عذاب مانگا ہے جو واقع ہو کر رہنے والا ہے کافروں پر۔ لِلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ۔ اس کو کوئی ہٹانے والا نہیں، وہ آکر رہیگا۔ مِنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ وہ عذاب اللہ کی طرف سے ہے سیڑھیوں والا۔

لفظ معارج کی تشریح

معارج کے اسی لفظ سے سورۃ کا نام سورۃ المعارج ہے۔ معارج چڑھنے کی جگہ کو کہتے ہیں مفسرین نے اس کا معنیٰ بلندیوں والا، آسمانوں والا، درجوں والا۔ فضیلتوں والا، سیڑھیوں والا بھی کیا ہے۔ جب ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جاتے ہیں تو انہیں بڑی سیڑھیاں عروج کرنا پڑتا ہے۔ معراج بھی اسی لفظ سے ہے یعنی عروج کرنا معراج سیڑھی کو بھی کہتے ہیں جس پہ آدمی عروج کرتا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے۔ ایک موقع پر جبرائیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو حضور نے سوال کیا اَیُّ الْبِقَاعِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ خطے کون سے ہیں؟ تو جبریل علیہ السلام نے فوراً عروج کیا۔ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور آکر جواب دیا کہ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اَحَبُّ الْبِقَاعِ اِلَی اللّٰهِ الْمَسَاجِدُ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ خطے مسجدیں ہیں۔ اور ناپسندیدہ خطے بازار ہیں جہاں ہر قسم کا جھوٹ، فریب، فراڈ جھوٹی قسمیں اور دغا وغیرہ ہوتا ہے۔ وہاں شیطان کا جھنڈا گڑا رہتا ہے۔ مسجدیں اللہ کے ذکر اور عبادت کا مقام ہیں لہذا یہ سب سے زیادہ پسندیدہ خطے ہیں۔ الغرض معارج کا معنیٰ عروج والا اور بلندیوں والا ہے۔

عروج ملائکہ

ارشاد ہوتا ہے تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ۔ عروج کرتے ہیں فرشتے اور جبریل امین اس کی طرف۔ جیسا سورۃ قدر میں فرمایا تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ یعنی نازل ہوتے ہیں فرشتے اور خاص طور پہ روح الامین۔ یا نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ یعنی قرآن پاک کو آپ کے دل پہ روح الامین لائے ہیں۔ سورۃ نبا میں ہے يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا جس دن فرشتے اور خاص طور پہ روح الامین صف بستہ کھڑے ہوں گے۔ روح الامین سب فرشتوں سے زیادہ مقرب ہیں، وحی لانے والے ہیں۔

Marfat.com

تو فرمایا تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ ۔ عروج کریں گے اس کی طرف ملائکہ اور روح فِیْ یَوْمٍ ایک دن میں كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے ۔ اُس دن کی تفسیر میں مفسرین کرام نے بہت سی باتیں بیان فرمائی ہیں سب سے مشہور بات یہ ہے ۔ کہ اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے ۔ عروج کریں گے فرشتے اور روح ایک دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی ۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ تیرے رب کے پاس ایک دن ایسا ہے ۔ جیسا تم ایک ہزار سال شمار کرتے ہو ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی سکیم اور اس کا فرمان اس کا حکم اتنی مقدار میں جاری ہوتا ہے ۔

پچاس ہزار سال کا دن

امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ابتدائے نفخ یعنی پہلا صور پھونکے جانے سے لے کر جنت یا دوزخ میں داخل ہونے تک کا عرصہ پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا عام طور پر مشہور تفسیر یہی ہے ۔ کہ اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے ۔ کہ اتنا لمبا ہوگا ۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ جس طرح بعض گذشتہ اقوام کی سزا کے لیے مختلف عرصہ مقرر کیا گیا ، اسی طرح قیامت کے دن کا عرصہ پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا ۔ مثلاً بعض قوموں کو اس طرح سزا دی گئی کہ یکدم ختم ہو گئے ۔ جبرائیل نے ایک چیخ ماری اور ساری قوم ہلاک ہو گئی ۔ بعض قوموں پر سزا کی کیفیت چند گھنٹوں تک اور بعض پر سارا دن قائم رہی ۔ بعض قوموں کو تین دن تک سزا ہوتی رہی ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ ۔ قوم فرعون چند گھنٹوں میں غرق ہو گئی ۔ اسی طرح طوفان کا واقع چھ مہینے تک جاری رہا ۔ بعض قوموں پر قحط نازل کر دیا ۔ جو کئی سال پر محیط رہا ۔ اعمال نامے کے متعلق آتا ہے کہ انسان کے اعمال دن کے وقت جاتے ہیں ۔ یہ پورا دن ہوتا ہے کہیں فرمایا کہ ہفتے کے بعد ایک رپورٹ جاتی ہے ۔ کہیں سالانہ رپورٹ ہوتی ہے ۔ اسی طریقے سے مختلف واقعات ہوتے رہتے ہیں اور اسی طرح سمجھ لیں کہ قیامت کا جو واقع ہوگا وہ پچاس ہزار سال کا ہوگا ۔

مسلمانوں کا عروج و زوال

حضور علیہ السلام کے بعد دنیا میں مسلمانوں کو جو عروج حاصل ہوا ۔ اُس کی مدت ایک ہزار سال بنتی ہے ۔ پانچ سو سال تک اقتدار عربوں کے پاس رہا اور اگلے پانچ سو سال سلجوقی اور ترک برسرِ اقتدار رہے ۔ اس کے بعد زوال شروع ہوا ۔ ہنود کا غلبہ ہو گیا ، انگریز غالب آگئے ۔ مسلمانوں کا عروج ایک ہزار سال تک قائم رہا ۔ یہ غلبہ صرف دینی طور پر ہی نہیں بلکہ سیاسی طور پر بھی مسلمان غالب رہے ۔ مسلمانوں کا

موجودہ انحطاط جو کئی صدیوں پر محیط ہے، دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ اب مسلمان اس قدر کمزور ہیں کہ دنیا میں ان کی کوئی وقعت نہیں۔ یہ اگرچہ اجلاس کر رہے ہیں۔ میٹنگیں بلا رہے ہیں اتفاق و اتحاد کے ریزولیوشن پاس کر رہے ہیں مگر اس کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہو رہا ہے۔ اسلام آباد کانفرنس کا کیا نتیجہ مرتب ہوا۔ اس سے چار ماہ پہلے بھی کانفرنس ہوئی مگر اس کا بھی کیا اثر ہوا۔ اس لحاظ سے تو اچھا ہے کہ مسلمانوں کو ایک جگہ اکٹھا بیٹھ کر بات چیت کا موقعہ تو مل رہا ہے۔ یہ بھی اچھی علامت ہے۔ اس سے پہلے تو یہ بھی محال تھا۔ کفار کو اس قدر غلبہ حاصل ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں مل بیٹھنے کا موقع بھی نہیں ملتا تھا۔

غیر اقوام کی رخنہ اندازی

آیندہ بھی غیر اقوام مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق میں پھوٹ ڈالیں گی۔ یہ بڑی طاقتیں رخنے ڈالنے کی کوشش کریں گی۔ یہ نفاق کا ایسا بیج ڈالتے ہیں کہ مسلمانوں کو پتہ بھی نہیں چلتا اور انہیں آپس میں لڑا دیتے ہیں حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ نے ایک دفعہ کہا تھا کہ اگر سمندر میں دو مچھلیاں آپس میں لڑ رہی ہوں تو میں یقین سے کہوں گا کہ اس میں بھی انگریز کا دخل ہے۔ تاہم یہ بات باعث اطمینان ہے۔ کہ مسلمانوں نے انحطاط کے اس زمانے میں مل بیٹھنا شروع کر دیا ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ ایسے اسباب پیدا کر دے کہ ان میں حیاتِ نو آجائے۔ ان کو عزت کا مقام حاصل ہو۔ ہر مسلمان چاہتا تو یہی ہے کہ بحیثیت مجموعی مسلمانوں کو عزت نصیب ہو، اپنا کھویا ہوا وقار دوبارہ حاصل کریں مگر سلطنت اقوام غالب کی جادوگری ایسا ہونے نہیں دیتی۔ ؎

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا مزدور اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

اصل بات یہ ہے۔ کہ ہماری یہ حالت اس مالک الملک سے انحراف کی وجہ سے ہے، جس کی حقیقی حکومت قائم ہے۔ ؎

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
سلطنت اُس کی فقط باقی بتانِ آذری

مسلمانوں کے زوال کی وجہ

مسلمانوں کے زوال کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ دین اور خدا کی اطاعت سے برگشتہ ہیں پیچھے ہٹے ہوئے ہیں۔ حضرت نبی کریم کا ارشاد ہے کہ عزت و وقار اُس وقت حاصل ہوگا جب دین کے مرکز

Marfat.com

پھر واپس پلٹ آوگے حَتّٰی تَرْجِعُوا اِلٰی دِیْنِکُمْ۔ اس کے بغیر عزت وناموس کا حصول ممکن نہیں

حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اگر قریش میں دو آدمی بھی صلاحیت والے ہوں تو سلطنت اُن کے گھر سے باہر نہیں جائے گی۔ معلوم ہوا کہ دو آدمی بھی باصلاحیت باقی نہ رہے، نہ عباسیوں میں رہے، نہ امویوں میں۔ ورنہ خلافت اُن سے باہر نہ جاتی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سلجوقیوں کو توفیق دی تو ترکوں نے چار سو سال تک یورپی طاقتوں کا منہ توڑ جواب دیا۔ یہی ترک جن پر پچھلی جنگ میں انگریز نے کفر کا فتویٰ لگوایا۔ ہندوستان میں صرف ایک عالم دین مولانا شیخ الہندؒ کے علاوہ بیشتر پیروں اور مولویوں نے انگریز کی حمایت میں ترکوں پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ یہ شیخ الہندؒ ہی تھے جنہوں نے اس فتوے کے خلاف جہاد کیا۔ انہوں نے کہا کہ ترک گنہگار تو ہو سکتے ہیں مگر کافر نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا ان کے خلاف لڑائی کا جواز قطعی غلط ہے۔

بہرحال عام معمول کے مطابق ان پر بھی انحطاط آیا، عیاشی آئی، جیسا کہ سلطنت کا خاصا ہے کہ ابتدا شمشیر و سنان سے ہوتی ہے مگر اختتام طاؤس و رباب پر ہوتا ہے۔ یہاں پر مغلوں کا حال ہی دیکھ لیں کہ اُن کا اخیر شعر و شاعری اور ناچ گانے پر ہوا۔

مومن کے لیے لمبا عرصہ بھی مختصر ہوگا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ قیامت کا وقت بڑا دراز ہے۔ شیخ ابن عربیؒ کا بھی قول ہے۔ کہ پل صراط کا سفر پندرہ ہزار سال میں طے ہوگا لوگ پانچ ہزار سال کے عرصہ میں پل صراط پر چڑھیں گے، پانچ ہزار سال کا عرصہ اس پر سفر کریں گے اور پانچ ہزار سال میں نیچے اتر جائیں گے۔ یہ یہ روایت کشفی ہے حضور علیہ السلام کا فرمان نہیں ہے

ایک دوسری حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے۔ کہ عرصہ اگرچہ بہت طویل ہے مگر مومن پہ یہ عرصہ اتنا مختصر ہوگا جتنے عرصہ میں چار رکعت نماز ادا کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذہن کو اس قدر مطمئن رکھے گا کہ اتنا لمبا عرصہ اسے اتنا مختصر معلوم ہوگا۔

صبر کی تلقین

فرمایا کہ کافر لوگ جلدی کرتے ہیں مگر فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا۔ آپ اچھا صبر کریں اضطراب اور بیقراری کا اظہار نہ کریں۔ بددعا بھی نہ کریں۔ بلکہ صبر کریں، ہر چیز اپنے وقت پر وقوع پذیر ہوگی لِكُلِّ شَيْءٍ جَعَلَ اللّٰهُ قَدْرًا یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لیے اندازہ مقرر کیا ہوا ہے۔ قبل از وقت کوئی چیز نہیں آئیگی۔ لہٰذا آپ پریشان نہ ہوں۔ کفار آپ سے تمسخر کرتے ہیں۔ اپنے

Marfat.com

منہ سے عذاب مانگتے ہیں۔ قیامت کا وقوع چاہتے ہیں۔ آپ کو شاعر اور مجنون کہتے ہیں۔ دیوانہ اور کاہن کہتے ہیں۔ جھوٹا اور مفتری کہتے ہیں۔ مگر آپ ان سب کی پرواکئے بغیر صبر سے کام لیں۔ پچھلی سورۃ میں بھی فرمایا کہ آپ صبر کریں اور مچھلی والے پیغمبر کی طرح بے صبری نہ کریں۔ جس کی وجہ سے وہ ابتلا میں پڑ گئے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی تھے مگر جلد بازی کی وجہ سے آزمائش سے دوچار ہونا پڑا۔ لہٰذا آپ صبر و استقلال کا دامن نہ چھوڑیں، تنگ دل نہ ہوں، زبان پر حرف شکایت نہ لائیں۔ کوئی تکلیف آئے، صدمہ گذرے تو صبر اور نماز سے مدد لیں اِسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ نماز پڑھیں اللہ کی طرف رجوع کریں تو ہر ایذا کا مقابلہ ہو گا۔

قیامت قریب ہے

نبی علیہ السلام کو کفار کی ایذا رسانی پر صبر کی تلقین کے بعد ارشاد ہوا۔ کہ یہ لوگ جس عذاب کا مطالبہ کر رہے ہیں اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا یہ لوگ اُسے بعید خیال کرتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وَنَرٰىهُ قَرِيْبًا ہم اس کو قریب دیکھ رہے ہیں۔ یہ ماضی اور حال تو ہمارے اعتبار سے ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں تو یہ ماضی، حال اور مستقبل کی کوئی چیز نہیں۔ مزید براں جو چیز گذر گئی وہ تو بعید ہو گئی مگر جو چیز قطعی طور پر آنے والی ہے، وہ تو بہر حال قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے مطالبے کو ضرور پورا کرے گا اور ان کا منہ مانگا عذاب آکر رہے گا۔

سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

فرمایا جب وہ دن آئے گا تو حال یہ ہو گا يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا، اس کی رنگت تبدیل ہو جائے گی۔ ایک وقت آئے گا کہ آسمان در یچے در یچے ہو جائے گا۔ پھٹ جائے گا۔ ——— اور سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ وہ تمام چیزیں جو آج نظر نہیں آتیں، وہ سب نظر آئیں گی، انسان انہیں دیکھ سکیں گے۔

پہاڑ جو اللہ تعالیٰ ایک بہت بڑی مخلوق ہے۔ اور اللہ نے انہیں ابتدائے آفرینش سے زمین پر ٹکایا ہوا ہے، اُن کی حالت یہ ہو جائے گی وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ یعنی پہاڑ رنگین دھنی ہوئی اون کی مانند ہو جائیں گے عِهْن رنگین اون کو کہتے ہیں۔ تو پہاڑوں کے ذرات منتشر ہو جائیں گے۔ سیاہ و سفید ہر قسم کے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ بالکل ایسے جیسے رنگین اون دھنی جاتی ہے

دوست دوست کو نہیں پوچھے گا

گذشتہ سورۃ میں کفار کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ قیامت والے دن نہ تو ان کو

Marfat.com

اچھی خوراک مل جائے گی جس سے اُن میں قوت مدافعت پیدا ہو، اور نہ کوئی دوست ہوگا، جو تکلیف میں اُن کی غمگساری کر سکے۔ اس جگہ بھی فرمایا لَا يَسْئَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا اُس دن دنیا کا کوئی دوست اپنے دوست کو نہیں پوچھے گا۔ دوسری سورۃ میں فرمایا کہ آج کے دوست کل وہاں دشمن بن جائیں گے اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ماسوائے متقیوں کے یعنی وہ پرہیزگار اور متقی لوگ جن کی دوستی محض اللہ کے لیے تھی، وہ وہاں بھی قائم رہے گی۔ اس کے علاوہ کوئی دوست کسی کو نہیں پوچھے گا۔ نفس و نفسی کا عالم ہوگا۔ يُبَصَّرُوْنَهُمْ ایک دوسرے کو سامنے دیکھیں گے۔ پہچانیں گے کہ دنیا میں یہ میرا دوست تھا، مخلص تھا، جگری تھا مگر اُس دن کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔ کیونکہ انہوں نے کام دینے والے اعمال ہی سرانجام نہیں دیے۔ نہ ایمان لائے، نہ حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کیے اسی لیے آج کون کسی کو پوچھیگا، سب کو اپنی اپنی فکر ہوگی۔

بیٹے کسی کام نہیں آئینگے

يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۢ بِبَنِيْهِ۔ اس دن مجرم خواہش کرے گا کہ کاش وہ عذاب سے بیٹوں کے ساتھ فدیہ دے دے۔ وہی بیٹے جو رشتے میں سب سے قریب اور عزیز ترین ہوتے ہیں اور جن کی خاطر اُس نے دنیا میں جھوٹ بولا، چوری کی، خیانت کی کیونکہ یہ فطری طور پر پیارے ہوتے ہیں تو اس دن خواہش کرے گا کہ ان کو فدیہ دے کر اپنی جان بچا لوں مگر اُس کی یہ حسرت پوری نہیں ہو سکے گی۔ جیسا سورۃ عَبَسَ میں فرمایا يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيْهِ وَأُمِّهٖ وَأَبِيْهِ الخ اس دن انسان اپنے بھائی سے، ماں باپ اور بیوی بیٹوں سے۔

بیوی اور بھائی بھی فدیہ نہیں بنیں گے

بیوی جو دنیا میں اُس کی رازدار تھی۔ چاہے گا کہ اُسے فدیہ میں دے کر اپنی جان چھڑا لوں یعنی بیوی میری بجائے جہنم میں چلی جائے اور میں بچ جاؤں۔ اسی طرح بھائی جو دنیا میں دست و بازو ہوتا ہے۔ فارسی میں کہتے ہیں "ہر کہ برادر ندارد، قوت بازو ندارد" اور یہ بھی مقولہ ہے کہ جس کی بیوی نہیں ہے اُس کو آرام نہیں ہے۔ اور اسی طرح "ہر کہ مادر ندارد، شفقت ندارد" جس کی ماں نہیں وہ شفقت سے محروم ہے۔ الغرض اُس دن مجرم خواہش کرے گا وَصَاحِبَتِهٖ وَأَخِيْهِ کہ بیوی اور بھائی کو فدیہ میں پیش کر دے۔ مگر یہ بھی نہیں ہوگا۔

خاندانی بڑائی ناکام ہوجائے گی

وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُؤْوِيْهِ وہ قبیلہ جس کی رسم و رواج ادا کرنے کے لیے بڑی بڑی شیخیں مارتا تھا۔ کہتا تھا ہمارا خاندان اور فیملی ایسی ہے، ہماری قوم ایسی ہے اور اس کے لیے جائز و ناجائز

تمام رسوم ادا کرتا تھا، خواہش کرے گا کہ سارے قبیلے کو فدیہ دے کر اپنی جان چھڑا لوں۔ تُؤْوِیۡهِ وہ قبیلہ جو اس کو پناہ دیتا تھا دنیا میں اُسے فدیہ میں پیش کردوں۔ مگر وہ قبیلہ بھی اس کے کسی کام نہ آئے گا۔

روئے زمین کا کوئی فدیہ قابلِ قبول نہیں ہوگا

وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ کہے گا، کاش ساری زمین اور اس پر رہنے والے سب کو فدیہ دیکر بچ جاؤں، لیکن یہ خواہش پوری نہیں ہوگی۔ دوسری جگہ فرمایا کہ اگر ساری زمین خزانے اور سونے سے بھری ہوئی ہو، اور اس جیسی اور بھی ہو اور انسان چاہے کہ یہ سب کچھ فدیہ دے کر جان بچالے تو اللہ نے فرمایا قبول نہیں ہوگا۔

مسلم شریف کی حدیث میں آتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ ارشاد فرمائیں گے کہ اے ابن آدم! اگر ساری زمین سونے کی بھری ہوئی ہو تو کیا تم اُس کا فدیہ دینے کے لیے تیار ہو۔ آدمی عرض کرے گا، ہاں مولا کریم میں تیار ہوں۔ ارشاد ہوگا تم جھوٹے ہو۔ میں نے تم سے ایک تھوڑی چیز کا دنیا میں مطالبہ کیا تھا۔ اَلَّا تُشْرِكْ بِیْ شَيْئًا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ مگر تم نے دنیا میں میری اتنی بات نہ مانی، اب سونے کی بھری ہوئی ساری دنیا فدیہ دینے کے لیے تیار ہو، تم جھوٹے ہو۔

الغرض فرمایا کہ زمین والے جتنے بھی ہیں، کہے گا کہ ان کو فدیہ دیکر اپنے آپ کو بچالے۔ فرمایا ایسا نہیں ہوگا۔ اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے وہ وجوہات بیان فرمائی ہیں جن کی بنا پر ایسا نہیں ہوسکے گا۔

Marfat.com

درس دوم

آیت ۱۵ تا ۲۸

(آیت ۱۵ تا ۲۸)

كَلَّا ۖ إِنَّهَا لَظَىٰ ﴿١٥﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوَىٰ ﴿١٦﴾ تَدْعُو مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّىٰ
﴿١٧﴾ وَجَمَعَ فَأَوْعَىٰ ﴿١٨﴾ إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ﴿١٩﴾ إِذَا
مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ﴿٢٠﴾ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ﴿٢١﴾
إِلَّا الْمُصَلِّينَ ﴿٢٢﴾ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ
﴿٢٣﴾ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ﴿٢٤﴾ لِّلسَّائِلِ
وَالْمَحْرُومِ ﴿٢٥﴾ وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿٢٦﴾
وَالَّذِينَ هُم مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ﴿٢٧﴾ إِنَّ عَذَابَ
رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ﴿٢٨﴾

ترجمہ:۔ ہرگز ایسا نہیں ہوگا بیشک وہ تو جلانے والی آگ ہے (۱۵) کھینچنے والی ہے اطراف کو (۱۶) دوزخ ان لوگوں کو پکارے گی جنہوں نے پشت پھیری اور روگردانی کی (۱۷) جس نے مال جمع کیا اور سمیٹ کر رکھا (۱۸) انسان جی کا کچا پیدا کیا گیا ہے (۱۹) جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو بے صبرا ہو جاتا ہے (۲۰) اور جب اسے بھلائی پہنچتی ہے تو بخیل بن کر بیٹھ جاتا ہے (۲۱) ہاں جو ایماندار اور نمازی ہیں (۲۲) وہ ایماندار جو اپنی نمازیں مداومت کرتے ہیں (۲۳) اور وہ لوگ جن کے مالوں میں حق مقرر ہے (۲۴) سائل کا اور محروم کا (۲۵) اور جو لوگ قیامت کے دن کی تصدیق کرتے ہیں (۲۶) اور وہ لوگ جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں (۲۷) بیشک تیرے رب کا عذاب بے فکر ہونے کی چیز نہیں ہے (۲۸)

گذشتہ سے پیوستہ

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے منہ سے عذاب مانگنے والوں اور قیامت کا مطالبہ کرنے والوں کا رد فرمایا۔ اور کہا کہ یہ لوگ قیامت کو بعید سمجھتے ہیں، حالانکہ وہ قریب ہے اور اپنے وقت پر آئے گی۔ اس دن مجرم آرزو کرے گا کہ کاش اپنے بیٹوں، بیوی، بھائی، قبیلے اور تمام روئے زمین والوں کو فدیہ دے کر اپنی جان چھڑا لے، مگر ایسا نہیں ہوگا۔ فرمایا کَلَّا ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔

Marfat.com

اوّل تو ان تمام چیزوں کا فدیہ بننا ہی محال ہے۔ اور اگر بالفرض ایسا ہو بھی جائے تو یہ باطل آرزو پوری نہیں ہوگی۔ اس مقام پر سب سے پہلے بیٹوں کا ذکر کیا کہ آدمی کا سب سے زیادہ حق اور تسلط بیٹوں پر ہوتا ہے۔ اگر کہیں یہ خیال رکھتا ہو تو سب سے پہلے یہی ہو سکتا ہے اس کے بعد انسان کا تسلط اپنی بیوی پر ہوتا ہے۔ اس کے بعد بھائی اور پھر سارا قبیلہ۔ عام اجنبی لوگوں کا نمبر اس کے بعد آتا ہے۔ تو اس جگہ اللہ تعالیٰ نے اسی ترتیب کے ساتھ ذکر کیا کہ انسان خواہش کرے گا کہ فلاں کو فدیہ میں دے دوں، فلاں کو دے دوں، مگر ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ دوسری جگہ یہ الفاظ ہیں مَا تُقُبِّلَ مِنْہُ یعنی اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔

دوزخ مجرم کو خود طلب کرے گی۔

فرمایا کَلَّا ہرگز ایسا نہیں ہوگا کہ مجرم فدیہ دے کر اپنی جان بچالے بلکہ اِنَّھَا لَظٰی بیشک وہ تو جلانے والی آگ ہے۔ لَظٰی کا معنی جلانے والی، آتشِ سوزاں۔ اور نَزَّاعَۃً کھینچنے والی ہے لِلشَّوٰی اطراف کو شَوٰی ہاتھ پاؤں کو بھی کہا جاتا ہے۔ اور اس کا اطلاق اندرونی اعضاء پر بھی ہوتا ہے۔ اور بعض نے اس کا معنی کلیجہ کیا ہے۔ یعنی کلیجے کو کھینچتی ہے۔ حدیث شریف میں اس کی کیفیت بھی بیان ہوئی ہے کہ قیامت کے دن جب جمگھٹا ہوگا۔ تو بعض آدمیوں کو دوزخ خود طلب کرے گی۔ اور کہے گی اِلَیَّ یَا مُنَافِقُ اے منافق میری طرف آؤ۔ یَا جَامِعَ الْمَالِ اے مال اکٹھا کرنے والے، ادھر آؤ۔

بعض روائتوں میں آتا ہے۔ کہ اُس دن لوگ کثیر تعداد میں ہونے کی وجہ سے ملے جلے ہوں گے۔ دوزخ میں سے اونٹ کی گردن جیسی ایک گردن نکلے گی اور جن لوگوں کو پکڑنا مقصود ہوگا انہیں چن چن کر پکڑے گی جیسے کرین پکڑتی ہے۔ اور اٹھا کر لے جائے گی۔ وہ گردن یا کرین دو سال کی مسافت تک لمبی ہوگی اور مجرمین کو چن چن کر نکال لے گی۔

تو فرمایا وہ آگ کلیجے کو کھینچتی ہے۔ جس طرح سورۃ ہمزہ میں فرمایا اَلَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَۃِ یہ ایسی آگ ہوگی جو سب سے پہلے دل پر چڑھتی ہے۔ انسان کے اعضاء کا نمبر تو بعد میں آئے گا، پہلے یہ دل پر اثر انداز ہوگی۔ لہٰذا شوی سے مراد اگر کلیجہ ہے تو بھی اور اگر اعضاء و اطراف ہیں تو بھی آگ کا اثر سب سے پہلے ان چیزوں پر ہوگا۔

مجرمین پر فرد جرم

فرمایا تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰی یعنی دوزخ ان لوگوں کو پکارے گی جنہوں نے

پشت پھیری اور روگردانی کی۔ یعنی دوزخ ان لوگوں کو طلب کرے گی جنہوں نے اطاعتِ الٰہی کی طرف سے پیٹھ پھیری اور ایمان لاتے سے روگردانی کی۔ کہے گی آؤ! تمہاری سزا کا وقت آن پہنچا ہے تمہارے متعلق فیصلہ ہو چکا ہے۔

توجس نے پشت پھیری معصیت کے ساتھ اور اعراض کیا ایمان لانے سے اور اس کے ساتھ وَجَمَعَ فَاَوْعٰی یعنی جس نے مال جمع کیا اور سمیٹ سمیٹ کر رکھا۔ لفظ جمع میں یہ حقیقت پوشیدہ ہے کہ اس نے حلال وحرام کی تمیز کے بغیر مال جمع کیا۔ یہ نہیں دیکھا کہ مکروہ ہے یا مشتبہ بس اکٹھا ہی کرتا چلا گیا جیسا کہ سرمایہ دارانہ نظام میں لوگوں کی ذہنیت ہوتی ہے حلال وحرام کا کوئی امتیاز روا نہیں رکھا جاتا، امریکہ، برطانیہ، جرمنی، فرانس وغیرہ کا سرمایہ دارانہ نظام ہی ہمارے ملک میں رائج ہے جس میں ایک ہی بھوت سوار ہے، مال جمع کرو، بنک بیلنس قائم کرو۔ کاروبار کرو، حلال وحرام کی کوئی پروا نہ کرو۔

کسبِ حلال اور کسبِ حرام

حضرت عمرؓ کے زمانے میں حضور علیہ السلام کے ایک صحابی حضرت سمرہؓ شیرہ کا کاروبار کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اس پر بھی گرفت کی۔ کہ تم شیرہ بیچتے ہو، اس سے لوگ شراب بنائیں گے جو کہ حرام ہے۔ لہٰذا یہ کام ترک کر دو۔ ورنہ گرفت ہوگی۔ اگرچہ شیرہ بذاتہ حرام نہیں ہے۔ مگر اس سے شراب بنانے کا احتمال ہے لہذا عافیت اسی میں ہے کہ یہ کاروبار ترک کر دو۔ یہ مشکوک ہے۔

ترمذی شریف میں روایت موجود ہے حضرت عمرؓ بازار میں گشت کرتے تھے اور اعلان کرتے تھے، جس کو مسئلے کا علم نہ ہو، وہ بازار میں بیٹھ کر تجارت نہ کرے، پہلے حرام وحلال کی تمیز سیکھو کہ کونسا کاروبار جائز ہے اور کون سا ناجائز اُس کے بعد تجارت کرو۔ جو حلال وحرام کو نہیں سمجھتا، اُسے تجارت کی اجازت نہیں ہوگی۔ حضرت عمرؓ اس قدر محتاط تھے۔

اِسلامی نظامِ معیشت کا تعلق اس اصول سے ہے کہ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ باطل طریقے سے ایک دوسرے کا مال کھانا جائز نہیں ہے۔ نیز لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً دُگنا چوگنا سود مت کھاؤ۔ مگر یہاں جو ذہنیت کارفرما ہے وہ قیصر و کسریٰ کی ذہنیت ہے۔ اس دور میں اسے امریکہ اور برطانیہ کی ذہنیت کہا جا سکتا ہے۔ یہ سرمایہ دارانہ ذہنیت پہلے زمانے میں بھی موجود تھی اور آج بھی موجود ہے۔ مال جمع کرنے میں یہ نہیں دیکھا کہ سنیما کی کمائی ہے

Marfat.com

یا انشورنس کی۔ پیسہ سود سے آرہا ہے یا سٹے سے۔ خنزیر کا ٹھیکہ لے رکھا ہے یا تھیٹر کی کمائی ہے۔ بس مال جمع کرنے سے غرض ہے خواہ کسی راستے سے آئے۔ تو اس لیے دوزخ پکار پکار کر کہے گی۔ یا جامع المَالِ یا مُنَافِقُ یا مُشْرِکُ ادھر آؤ۔ تم نے دنیا میں ایمان سے روگردانی کی تھی معصیت میں آلودہ تھے۔ آؤ! آج اپنے کیے کا بدلہ چکھو۔

جمع مال میں حلال و حرام کی تمیز

اہل اسلام کے لیے مال جمع کرنے پر بھی پابندی ہے۔ آپس کا مال باطل طریقے سے مت کھاؤ حلال و حرام کی تمیز پیدا کرو۔ اَجْمِلُوْا فِی الطَّلَبِ روزی کے حصول کے لیے اچھا راستہ پکڑو۔ وہ طریقہ اختیار کرو جس کو اللہ اس کے دین اور شریعت نے جائز قرار دیا ہے۔ غلط راستے پر مت چلو۔ یہ فلم ایکٹر کتنی کمائی کرتے ہیں۔ لاکھوں میں کھیلتے ہیں مگر کمائی حرام ہے۔ بینڈ باجے والے، کھیل تماشے والے فوٹو گرافر اور بینک والے بڑی کمائی کرتے ہیں مگر حرام ہے۔ مجسمہ ساز اور ان کی تجارت کرنے والے۔ یہ سب ناجائز ذرائع ہیں۔ خدا کی جانب سے لعنت برستی ہے۔ تو گویا جمع مال میں حلال و حرام کی تمیز ضروری ہے

جائز و ناجائز اخراجات

جس طرح طلب رزق میں حلال ذرائع کی پابندی ہے۔ اسی طرح خرچ کرنے میں بھی پابندی ہے مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ہمارے عطا کردہ مال میں سے خرچ کرتے ہیں مگر کس طرح۔ اَعْطُوْا کُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّہٗ اس طرح کہ ہر حقدار کو اس کا حق ادا کرو۔ جائز راستے پر چلو، اور خرچ کرتے ہیں کنجوسی نہ کرو۔

انفاق میں پہلے فرائض آتے ہیں۔ پہلا نمبر زکوٰۃ ہے۔ صدقۂ فطر اور قربانی ہے اس کے بعد نفقات واجبہ ہیں۔ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ قرابت دار کو اس کا حق ادا کرو۔ بھائی یا بہن غریب ہے۔ چچازاد بھائی نادار ہے، اس کے پاس وسائل نہیں تو حنفی قانون میں واجب ہے کہ اس کو اتنا دے کہ اس کا بھی وقت بسر ہو سکے۔

اس کے علاوہ عبادات میں خرچ کرنے کا موقع ہے جیسے حج اور عمرہ۔ مساکین اور مسافر حقدار ہیں سب کی درجہ بدرجہ حق رسی کرے۔ تو یہاں فرمایا کہ اس نے مال جمع کرتے وقت بھی حلال و حرام کی تمیز نہ کی اور خرچ کرتے وقت بھی بخل سے کام لیا کیونکہ اس نظام معیشت کا طریق کار یہ ہے کہ کماؤ جس طرح بھی آئے اور خرچ کرو، جہاں جی چاہے۔ مگر اسلام میں تو پابندی ہے۔ حرام مصرف پر خرچ نہیں کر سکتے۔ فضول خرچی منع ہے۔ سب سے پہلے فرائض ادا کرو۔ اس کے بعد جائز ضرورتیں

Marfat.com

پوری کرو۔ باطل رسومات، کھیل تماشے اور عیاشی کے کاموں میں خرچ نہ کرو۔ بلکہ اسلام کے متعین کردہ راستے پر چلو اسی میں فلاح ہے۔

رفاہیت بالغہ

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں، قیصر وکسریٰ کی حکومتیں رفاہیت بالغہ میں مبتلا تھیں۔ ہر چیز عمدہ سے عمدہ استعمال کرتے تھے، پہننا ہے تو بہت اعلیٰ، لباس ہے تو نفیس ترین، رہائش تو بڑے اعلیٰ درجے کی، خوراک بہت عمدہ۔ فرماتے ہیں، یہی رفاہیت بالغہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عرب کی سرزمین پر آخری نبی کو مبعوث فرمایا اور رفاہیت بالغہ کے نظام کو باطل قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ذریعے سادگی کی تعلیم دی، تعیش اور اسراف کو ناجائز قرار دیا۔ وہ لوگ میز کرسی کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے حضورؐ نے فرش پر بیٹھ کر کھانے کا طریقہ سکھایا۔ وہ لوگ چارپائی کے بغیر سوتے نہیں تھے، آپ نے زمین پر سو کر دکھایا۔ اور اسے سنت قرار دیا۔ آپ نے سادہ زندگی بسر کر کے تکلف سے منع فرمایا۔

حضور کا اسوۂ حسنہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اعلان کرایا قُلْ مَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَکَلِّفِیْنَ میں تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا اور میں کسی چیز میں تکلف کرنے والا نہیں ہوں خوراک جیسی ملی کھالی، لباس جیسا میسر آیا، پہن لیا۔ رہائش کے لیے جس قسم کا مکان ملا، اس میں رہائش پذیر ہو گیا۔ سواری کے لیے آپ نے کبھی اونٹ یا گھوڑے کے لیے اصرار نہیں کیا۔ بلکہ بسا اوقات آپ گدھے پر سوار ہو جاتے تھے۔ ترمذی شریف میں موجود ہے۔ حضرت جابرؓ کی بیمار پرسی کے لیے جا رہے ہیں۔ تین میل کا سفر ہے، صحابہ کی جماعت ساتھ ہے مگر سواری کے لیے گدھا بھی میسر نہیں ہوا۔ کلر والی زمین پر پیدل ہی چل رہے ہیں جبکہ گرد وغبار بھی اڑ رہا ہے۔ آپ نے کوئی تکلف نہیں فرمایا۔

بہر حال جَمَعَ اور اَوْعٰی میں یہ سارا مضمون آ جاتا ہے۔ جمع کرتے وقت حلال و حرام کی تمیز نہ کی، مشتبہ اور مکروہ کا خیال نہ کیا، خرچ کرنے کی جگہ پر خرچ نہ کیا، بخل سے کام لیا۔ حقوق ادا نہ کیے۔ اسراف اور ناجائز کاموں پر خرچ کیا۔ لہو ولعب کی سرپرستی کی۔ تو ایسے لوگوں کو دوزخ پکار پکار کر کہے گی تَدْعُوْا بلائے گی کہ تمہاری سزا کا وقت آ چکا ہے۔ اس کی طرف آ جاؤ۔

انسانی فطرت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ کہ عام طور پر حال یہ ہے۔ کہ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۝ انسان جی کا کچا پیدا کیا گیا ہے۔ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا تو بے صبرا ہو جاتا ہے۔ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَیْرُ مَنُوْعًا اور جب اسے بھلائی پہنچتی ہے تو بخیل

Marfat.com

ہن کر بیٹھ جاتا ہے یعنی دونوں صورتوں میں اِس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ یا تو صبر کا دامن چھوڑ دیتا ہے یا بخل پر اُتر آتا ہے۔

اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ہاں جو ایماندار اور نمازی ہوں گے وہ ایسا نہیں کریں گے اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر آٹھ خصلتوں کا ذکر فرمایا جن کے حاملین کی یہ حالت نہیں ہوگی۔ نہ تو وہ تکلیف کے وقت صبر کا دامن چھوڑیں گے، اور نہ آسائش میں بخیل بنیں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے انسان میں دو خصلتیں بہت بُری ہیں۔ ایک انتہائی درجے کی بزدلی اور دوسرا انتہائی درجے کا بخل۔ بخل یہ ہے کہ مال موجود ہونے کے باوجود جائز مقام پر خرچ نہ کرے۔

جائز ضروریات کے لیے خرچ کرنے کی اجازت

حضرت ہندہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرا خاوند کنجوس آدمی ہے، اتنا بھی نہیں دیتا کہ بچوں کا جائز خرچہ پورا ہو سکے۔ تو کیا میں اس کے علم کے بغیر اُس کے مال میں سے اتنا لے سکتی ہوں، جس سے بچوں کا جائز خرچہ پورا کروں، تو آپ نے اجازت دے دی۔ فرمایا تم جائز کاموں کے لیے لے سکتی ہو، معروف یعنی جائز ضروریات کے لیے، نہ کہ ضائع کرنے کے لیے۔

نمازی بخیل نہیں ہوتا

تو فرمایا اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ذکر نمازیوں کا کیا، مراد ایمان والے لوگ ہیں۔ اور ایمان والوں کی اس اعلیٰ خصلت کو بیان فرمایا کہ جو نمازی ہوگا وہ بخیل نہیں ہوگا وہ تو پورے حقوق ادا کرے گا دوسری جگہ فرمایا مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ تمہارے ایمانوں کو ضائع کر دے یعنی تمہاری نمازوں کو۔ وہ نمازیں جو تم بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھیں وہ تبدیلی قبلہ کی بنا پر ضائع نہیں جائیں گی بلکہ مقبول ہوں گی۔ جس طرح وہاں ایمان کا ذکر کر کے مراد نماز لیا ہے، اسی طرح یہاں نمازی سے مراد ایماندار لوگ ہیں۔

نماز میں مداومت

اَلَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَائِمُوْنَ۔ وہ ایماندار جو اپنی نماز میں مداومت کرتے ہیں۔ مداومت میں بہت سی چیزیں آ جاتی ہیں۔ اگر نماز ادا نہیں کی تو بے قراری پیدا ہو جاتی ہے۔ سکون نہیں آتا۔ اسی لیے جتنے صالح سلف گذرے ہیں وہ نماز کا اہتمام وقت سے پہلے ہی شروع کر دیتے تھے۔ امام ابوطالب مکیؒ نے لکھا ہے کہ بعض لوگ ایسے ہیں، جو اذان سے پہلے ہی نماز کی تیاری شروع کر دیتے ہیں۔ نماز کی اذان کوئی راستے میں سنتے ہیں، کوئی مسجد میں پہنچ کر، جب تک وہ نماز ادا نہیں کر لیتے انہیں قرار نہیں آتا۔

Marfat.com

الغرض نماز کی مداومت میں یہ ساری چیزیں شامل ہیں یعنی وضو، طہارت، لباس کی پاکیزگی، وقت کی پابندی اور باقی تمام لوازمات۔ دائمون سے مراد یہ نہیں ہے کہ کبھی پڑھ لی کبھی چھوڑ دی بلکہ مداومت سے مراد اپنے لوازمات کے ساتھ نماز کو ہمیشگی سے قائم کرنا ہے۔

سائل و محروم کی حق رسی

اُس کے بعد اگلی خاصیت بیان فرمائی۔ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ اور وہ لوگ جن کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق مقرر ہے۔ شریعت نے حقیقی سائل اور محتاج کو سوال کرنے کی اجازت دی ہے۔ جب تک اُس کا کام نہ چل جائے۔ بلا وجہ مانگنا ناجائز اور حرام ہے۔ کسی پر کوئی مصیبت آگئی ہے۔ حادثہ پیش آگیا یا تاوان آگیا تو ایسی صورت میں مانگنا جائز ہے حَتّٰى يُصِيْبَ قِوَامًا الخ یہاں تک ذرا گزران ٹھیک ہو جائے اس کے علاوہ سوال کی اجازت نہیں۔

سائل اور محروم کون ہیں

بعض فرماتے ہیں کہ سائل وہ ہے جو طلب کرتا ہے اور محروم وہ ہے جو طلب نہیں کرتا۔ بیوی طلب کرتی ہے۔ نوکر اپنی مزدوری طلب کرتا ہے ان کا حق معلوم ہے، یہ سائل ہیں، ہاں مسکین، مسافر، یتیم طلب نہیں کرتا ان کا حق مقرر نہیں ہے۔ یہ محروم ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ سائل وہ ہے جو زبان سے بول کر مانگتا ہے۔ جیسے انسان، یہ سائل ہے۔ اور محروم وہ ہے جو قوتِ گویائی نہیں رکھتا جیسے جانور، لہذا یہ محروم ہیں، اجانور پال رکھا ہے۔ اس کی خوراک کا ذمہ دار اس کا مالک ہے۔ اگر اسے بھوکا رکھے گا تو سخت مجرم ہو گا۔ اس محروم کا بھی حق ہے۔

روز قیامت کی تصدیق

تیسری صفت اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ یعنی جو قیامت کے دن کی تصدیق کرتے ہیں۔ یہ تو اس سورۃ کا موضوع ہے۔ کفار قیامت کا ہی انکار کرتے تھے۔ مگر ایماندار جو ہیں وہ اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ کہ قیامت برحق ہے اور آنے والی ہے۔ اُس دن حساب کتاب ہو گا اور اعمال کا بدلہ ملے گا۔

چوتھی صفت یہ بیان فرمائی وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ وہ لوگ جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ انہیں خطرہ لاحق رہتا ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ گرفت میں نہ لے لے۔ ایسی خوف سے ایسا شخص نماز ترک نہیں کرے گا، جرائم سے بچے گا۔ حلال کمائی کرے گا۔ اسراف سے اجتناب کرے گا۔ سارے انبیاء علیہم السلام نے یہی بات سمجھائی اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ

Marfat.com

عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ یعنی اگر میں اپنے رب کی مخالفت کروں گا، تو بڑے دن کے عذاب میں پکڑا جاؤں گا۔ اسی اعتقاد کی بنا پر مومن اپنے رب سے ڈرتا ہے۔

ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے

فرمایا اِنَّ عَذَابَ رَبِّہِمْ غَیْرُ مَأْمُوْنٍ تیرے رب کا عذاب بے فکر ہونے کی چیز نہیں ہے۔ مومن کو ہر وقت اس کی فکر لگی رہنی چاہیئے۔ خدا کے عذاب سے بے فکر ہونا کفر کی نشانی ہے۔ اور اسی طرح قطعی طور پر پُرامید ہونا، یہ بھی کفر کی علامت ہے۔ یعنی نہ تو یہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ مجھے کبھی نہیں بخشے گا اور نہ یہ ایمان ہو کہ میں ضرور ہی بخش جاؤں گا۔ بلکہ اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَا یعنی ایمان خوف اور اُمید کے درمیان ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے نبیوں کے بارہ میں فرمایا یَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا میرے بندے مجھے رغبت اور خوف کے ساتھ پکارتے ہیں۔ تمام انبیاء کرام ہمارے انعامات میں رغبت بھی رکھتے ہیں اور ہماری گرفت سے ڈرتے بھی ہیں۔ ایمان کا تقاضا یہی ہے۔

Marfat.com

درس سوم

آیت ۲۹ تا ۳۵

وَالَّذِیۡنَ هُمۡ لِفُرُوۡجِهِمۡ حٰفِظُوۡنَ ﴿۲۹﴾ اِلَّا عَلٰۤى اَزۡوَاجِهِمۡ
اَوۡ مَا مَلَـكَتۡ اَيۡمَانُهُمۡ فَاِنَّهُمۡ غَيۡرُ مَلُوۡمِيۡنَ ﴿۳۰﴾ فَمَنِ
ابۡتَغٰى وَرَآءَ ذٰ لِكَ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡعٰدُوۡنَ ﴿۳۱﴾ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ
لِاَمٰنٰتِهِمۡ وَعَهۡدِهِمۡ رٰعُوۡنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ
بِشَهٰدٰتِهِمۡ قَآئِمُوۡنَ ﴿۳۳﴾ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ عَلٰى صَلَاتِهِمۡ
يُحَافِظُوۡنَ ﴿۳۴﴾ اُولٰٓـئِكَ فِىۡ جَنّٰتٍ مُّكۡرَمُوۡنَ ﴿۳۵﴾ ع۵

ترجمہ: اور وہ لوگ جو اپنے شہوت کے مقامات کی حفاظت کرنے والے ہیں ﴿۲۹﴾ سوائے اپنی بیویوں کے یا جن کے مالک ہیں انکے داہنے ہاتھ (لونڈیاں) تو ان پر کوئی ملامت نہیں ﴿۳۰﴾ پس جو شخص ان کے علاوہ کوئی راستہ تلاش کرے، تو یہ لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں ﴿۳۱﴾ اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور عہد کی رعایت کرنے والے ہیں ﴿۳۲﴾ اور وہ لوگ جو اپنی شہادتوں پر قائم رہنے والے ہیں ﴿۳۳﴾ اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں ﴿۳۴﴾ ان لوگوں کی بہشتوں میں عزت کی جائے گی ﴿۳۵﴾

گذشتہ سے پیوستہ

اس پہلے درس میں ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کا انکار کرنے والوں کی تردید بیان کی اور قیامت کے وقوع اور مجرمین کی سزا کا حال بیان کیا۔ یہ بھی بتایا کہ قیامت کے دن مجرمین تمنا کریں گے کہ کسی طرح اُن کی جان بچ جائے۔ فرمایا اُن کی طرف سے کسی قسم کا فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ جہنم اُن کو پکار پکار کر اپنی طرف بلائے گی جس میں سزا پائیں گے۔

اس کے بعد عام انسانوں کی حرص اور بے صبری کا ذکر فرمایا۔ یہ بھی بیان کیا کہ عام طور پر انسان کی حالت یہ ہے کہ جب اُسے خیر پہنچتی ہے تو بخیل بن جاتا ہے اور جب شر پہنچتا ہے تو بے صبری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ البتہ ان لوگوں کو اس گروہ سے مستثنیٰ کیا جو قرآن پاک میں مذکورہ آٹھ صفات سے متصف ہیں۔ یعنی نماز میں مداومت اختیار کرنے والے جن کے مالوں میں سائل اور محروم کا حصہ مقرر ہے جو قیامت کی تصدیق کرتے ہیں اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ گذشتہ درس میں یہ چار صفات بیان ہوئیں۔

شرمگاہ کی حفاظت

بقیہ چار صفات ہیں وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ۔ وہ لوگ جو اپنے شہوت کے مقامات کی حفاظت کرتے ہیں۔ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ سوائے اپنی بیویوں کے اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ یا جن کے مالک ہیں ان کے داہنے ہاتھ۔ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ۔ تو ان پر کوئی ملامت نہیں۔ ہاں! جو شخص ان کے علاوہ کوئی اور راستہ تلاش کرے گا۔ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ۔ یہ لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ جن میں یہ صفت پائی جائے گی یعنی اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں گے وہ بھی بے صبری والے گروہ سے مستثنیٰ ہوں گے۔

جائز ذرائع۔ نکاح اور مِلک یمین

قضائے شہوت کے لیے اسلام نے دو ہی ذرائع جائز قرار دیے ایک نکاح اور دوسرا مِلکِ یمین۔ پہلے ذریعہ کے لیے ازواج کا لفظ یعنی جوڑا استعمال کیا۔ ازواج، زوج کی جمع ہے۔ عورت کا جوڑا مرد ہے اور مرد کا عورت۔ گویا زوج کا لفظ مرد اور عورت ہر دو پر بولا جاتا ہے۔ تو ازواج سے مراد وہ جوڑے ہیں جو عقد نکاح کے ذریعے آپس میں منسلک ہو جائیں۔

ہر عورت ہر مرد کے لیے زوج نہیں بن سکتی۔ بلکہ اس کے لیے بہت سی شرائط ہیں۔ ویسے لغوی اعتبار سے تو مرد و زن جوڑا ہے جیسے فرمایا خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى یعنی مرد اور عورت کو جوڑا پیدا کیا مگر شہوت رانی کے لیے ہر عورت ہر مرد کی زوج نہیں بن سکتی، نہ ہر مرد ہر عورت کا زوج بن سکتا ہے جوڑا بننے کے لیے دو ہی صورتیں ہیں یعنی نکاح یا مِلکِ یمین۔

نکاح کے ضمن میں یہ شرط ہے کہ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ کہ عقد نکاح اور پاکدامنی مقصود ہو۔ غَيْرَ مُتَّخِذِيْ اَخْدَانٍ محض دوستانہ قائم کر کے قضائے شہوت کر لی، یہ حرام ہے۔ دوسری صورت مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ کی ہے کہ عورت مرد کی ملکیت ہو یعنی شرعی لونڈی ہو۔ ان صورتوں کے علاوہ باقی تمام ذرائع کو حرام قرار دیا۔

شرعی لونڈی کون ہے

لونڈیاں اور غلام بنانا حکومت اسلامی کی ذمہ داری ہے۔ اس زمانے میں تو یہ چیز بھی نہیں ہے۔ نزولِ قرآن کے زمانے میں ساری دنیا میں لونڈی غلام کا رواج تھا۔ اور ہزاروں سال سے چلا آرہا تھا جنگ میں دشمن کے جو مرد و زن پکڑے جاتے تھے، ان کو حکومت غلام اور لونڈیاں قرار دیتی تھی، انکو فاتح آپس میں تقسیم کر لیتے تھے۔ اور پھر ان کی خرید و فروخت بھی ہوتی تھی۔ کسی عورت کا کسی مرد کی ملکیت میں آنا۔ اس مرد کے لیے بغیر نکاح عورت کو تصرف میں لانا اور قضائے شہوت کرنا جائز تھا۔

لڑائی میں جو قیدی بنتے تھے، ان کے ساتھ چار قسم کا سلوک کیا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاۤءً یا تو ان قیدیوں پر احسان کرو، انہیں ویسے ہی رہا کر دو یا اُن سے فدیہ لے کر چھوڑ دو۔ تیسری صورت یہ تھی کہ دشمن کے ایسے قیدیوں کو قتل کر دیا جاتا تھا اور چوتھی صورت میں غلام اور لونڈی بنا لیا جاتا تھا۔ غلام اور لونڈی بنانا اِن چار صورتوں میں سے ایک ہے۔ یہ لازم نہیں ہے کہ قیدی کو ہر حالت میں غلام یا لونڈی ہی بنا لیا جائے بلکہ اگر پہلی تین صورتوں میں سے کوئی بھی مناسب نہ ہو تو یہ چوتھی صورت اختیار کر کے غلام اور لونڈی بنایا جا سکتا ہے۔ اس قسم کا فیصلہ حضور علیہ السلام کے زمانے میں ہوا ہے۔ بلکہ ساری دنیا میں یہ رواج موجود تھا، تو جس عورت کو لونڈی بنا کر کسی کی ملکیت میں دے دیا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ بلا نکاح شہوت رانی جائز ہوتی تھی، نکاح کی ضرورت نہیں تھی۔ اسی کو مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ کہا گیا ہے۔

لونڈی کے لیے بعض شرائط

ہاں البتہ لونڈی کے بھی بعض شرائط ہیں۔ اگر لونڈی کا مالک خود کسی دوسرے مرد کے ساتھ نکاح کر دے تو پھر اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتا، اُس سے خدمت کے باقی کام لے سکتا ہے مگر اس کے قریب نہیں جا سکتا۔ قطعاً حرام ہے۔

مالک لونڈی کو بیچ بھی سکتا ہے۔ اس قسم کی خرید و فروخت عام ہوتی تھی۔ غلام اور لونڈی بکتے بکاتے تھے۔ مگر کافی عرصہ سے اب یہ دستور باقی نہیں رہا۔ اٹھارہویں صدی میں یورپ اور ایشیا کے لوگوں نے مل کر پیرس میں ایک کانفرنس کی تھی۔ جس میں طے پایا تھا کہ لونڈی غلام کا نظام ختم ہونا چاہیے۔ چنانچہ اُس کے بعد دنیا میں یہ نظام باقی نہیں رہا۔

اس دور میں صرف ذریعہ نکاح ہے

اس دوران میں مسلمانوں پر زوال آ گیا۔ اور جہاد میں دشمن کے مرد و زن پر قبضہ اور ان کو لونڈی غلام بنانے کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ لہٰذا قضائے شہوت کا صرف ایک ہی ذریعہ باقی رہ گیا یعنی نکاح۔ اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت جائز نہیں۔ ہم جنسی یعنی لواطت حرام ہے۔ مُسَاحِقَہ یعنی ایک عورت کا دوسری عورت کے ساتھ خلط ملط بھی حرام ہے۔ اسی طرح جانوروں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانا، حدیث میں اس پر بھی لعنت آئی ہے۔ اُجرت دے کر زنا کرنا اور قضائے شہوت کے لیے متعہ کرنا بھی حرام ہے۔ یہ سب ذرائع ھَاوُرَاۤءَ میں آتے ہیں اور کوئی بھی جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے شہوت رانی کی اجازت صرف زوج کی صورت میں دی ہے۔

Marfat.com

نکاح کے لیے بعض شرائط

زوجیت سے صرف قضائے شہوت ہی مراد نہیں بلکہ یہ کئی ایک مقاصد کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مُحْصِنِيْنَ قید لگا کر ان میں لانے والے ہوں۔ محض شہوت مقصود نہیں ہونی چاہیئے صحیح طور پر نکاح ہو، حقوق ادا کیے جائیں اور نسل کشی مطلوب ہو۔ اس طرح نکاح میں آنے والی عورتوں کے لیے بھی بعض شرائط ہیں۔ کہ وہ کسی دوسرے کی منکوحہ بیوی نہ ہو، محرمات میں سے نہ ہو کہ ان کے ساتھ بھی نکاح جائز نہیں۔ اور پھر یہ ہے کہ دو یا زیادہ آدمیوں کی مشترکہ بیوی بھی نہیں ہو سکتی۔ صرف ایک کے لیے مختص ہونی چاہیئے۔ اور اس کا اعلان بر سر عام گواہوں کی موجودگی میں ہونا چاہیئے عَلٰی رُؤُسِ الْاَشْهَادِ کہ فلاں عورت فلاں مرد کے ساتھ مختص ہے، اس کا نکاح ہوا ہے۔ نکاح کا مقصد امور خانہ داری کی سرانجام دہی بھی ہے اور نسل انسانی کا آگے بڑھانا بھی ایک بڑا مقصد ہے اللہ تعالیٰ نے انسان پر شہوت کو مسلط کر کے نسل انسانی کی بقاء کا ذریعہ پیدا کر دیا۔ کہ انسان اس بات پر مجبور ہے۔

متعہ اور نکاح میں فرق

نکاح کی صورت میں مذکورہ مقاصد پیش نظر ہوتے ہیں امور خانہ داری اور نسل انسانی کو آگے بڑھانا مگر متعہ میں محض شہوت رانی مقصود ہوتا ہے۔ دو چار مہینے کے لیے وقتی طور پر متعہ کر لیا۔ مقررہ مدت ختم ہوئی۔ تو معاملہ خود بخود ختم ہو گیا۔ نہ نسل صحیح ہوئی، نہ عدت کی ضرورت، نہ وراثت کا مسئلہ پیدا ہوا، بلکہ نسل بھی حرام ہو گئی۔ نہ نسل کا ثبوت، نہ امور خانہ داری مقصود بلکہ صرف شہوت رانی سے غرض۔ تو مَا وَرَاءَ ذٰلِكَ کے تحت یہ سب ذرائع حرام ہیں۔

اسلام اور لونڈی غلام

اس دور میں لونڈی غلام کا وجود تو ویسے ہی ختم ہو چکا ہے۔ ہاں آئندہ اگر کوئی موقع آئے کہ کفار کے ساتھ جہاد ہو۔ مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو۔ قیدی مرد اور عورتیں آئیں، اُن کی رہائی کی بھی کوئی صورت پیدا نہ ہو، نہ فدیہ لینا مناسب ہو، نہ احسان کر کے چھوڑ دینا اور نہ اُن کے قتل کی نوبت آئے تو پھر چوتھی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ انہیں غلام اور لونڈیاں بنا لیا جائے۔ ہاں اگر اس رواج کو ختم کر دیا جائے تو کوئی حرج نہیں، اسلام پر کوئی زوال نہیں آتا۔ اگر ساری دنیا کے لوگ مل کر اس رواج کو ختم کر دیں کہ لونڈی غلام نہیں رکھنا، تو درست ہے۔ ایسے قانون کی اسلام بھی پابندی کرے گا۔ اس سے اسلام کے کسی اصول پر حرف نہیں آتا۔

لونڈی غلام بنانا فرض واجب نہیں

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام نے لونڈی غلام بنانے کو روا رکھا ہے یہ درست ہے

Marfat.com

مگر یہ کوئی فرض واجب تھے نہیں کہ لونڈی غلام بنانا لازمی امر ہو۔ چونکہ نزول قرآن کے وقت یہ بین الاقوامی رواج تھا، اس لیے اسلام نے بعض اصلاحات کے ساتھ اس کی اجازت دی، لازم قرار نہیں دیا۔ اُس زمانے میں سارے کاروبار غلاموں کے سر پر تھے۔ اس وقت کے معاشی نظام میں ان کا وافر حصہ تھا۔ اگر اِس نظام کو یک دم بند کر دیا جاتا۔ تو دنیاوی کاروبار میں خلل واقع ہو سکتا تھا، لہذا اسلام نے اس کی اجازت دے دی اور ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ یہ تمہارے انسانی بھائی ہیں، کسی وجہ سے تمہارے ماتحت ہو گئے ہیں، ان کے ساتھ انصاف کرو، اِن کا حق ادا کرو، زیادتی نہ کرو۔ یہی نہیں بلکہ غلام کی آزادی کو تعزیراتی قوانین اسلام کا حصہ بنا کر ان کی آزادی کی راہ ہموار کر دی۔ لہذا یہ الزام کہ اسلام لونڈی غلام بنانے کی ترغیب دیتا ہے، قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے۔

تو فرمایا جس نے جائز ذریعے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ تلاش کیا۔ وہ تعدی کرنے والا ہے۔

شرمگاہ کی حفاظت کا یہ مطلب ہے۔ حدیث شریف میں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَنِیِّیْ اے اللہ! مَیں مادۂ شہوت کے شر سے تیری ذات کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں

اس میں شر ہے اور قدرت نے اسے انسان پر مسلط کر دیا ہے تاکہ نوع انسانی کا بقا ہے۔ مگر اس کے ساتھ بہت سی شرائط عائد کر دیں، جن کی پابندی ضروری ہے۔ کوئی مسلمان اِن شرائط کے بغیر شہوت رانی نہیں کر سکتا۔ جو شخص اپنی شرمگاہ کی ناجائز ذرائع سے حفاظت کرے گا، وہی کامیاب ہو گا۔ اسی لیے فرمایا وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ۔ یہ پانچویں صفت ہے۔

امانت اور عہد کی حفاظت

نیکوکاروں کے گروہ کی چھٹی اور ساتویں صفت یہ بیان کی کہ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ۔ وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور عہد کی رعایت کرنے والے ہیں حفاظت کرنے والے ہیں۔ امانت میں ہر قسم کی خصوصی اور عمومی امانتیں شامل ہیں۔ خصوصی امانتوں کا تعلق حقوق اللہ سے ہے، اِس میں وضو، غسل، نماز وغیرہ کے مسائل شامل ہیں جو انسان کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو شخص وضو درست نہیں کرتا۔ غسل جنابت صحیح نہیں کرتا۔ وہ امانت میں خیانت کرتا ہے۔ جو نماز کا خیال نہیں رکھتا۔ زکوٰۃ کو چھپاتا ہے یا اس میں کمی بیشی کرتا ہے وہ بھی امانت میں خیانت کا مرتکب ہوتا ہے۔

عمومی امانتوں کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ کسی سے کوئی امانت لے کر واپس نہ کرے

Marfat.com

کسی کا حق مارے، چوری کرے، یہ عام امانتیں ہیں۔ لہٰذا مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ان امانتوں میں تمام خصوصی اور عمومی احکام آجاتے ہیں۔ اِن کی رعایت ضروری ہے۔ جو اُن کی نگرانی کرے گا، فلاح پائے گا۔ جو اُن کی حفاظت نہیں کرے گا، ناکام ہوگا، جہنم کا شکار بنے گا۔

شہادت کی درستگی

آٹھویں اور آخری صفت ہے کہ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ اور وہ لوگ جو اپنی شہادتوں پر قائم ہیں۔ یعنی گواہیوں کو بلاکم وکاست بیان کر دیتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ محض اللہ کے لیے بلا رو رعایت شہادت کو قائم کرو۔ اس میں امیر غریب کی پروا نہ کرو۔ اگر شہادت درست ہوگی تو فیصلے بھی صحیح ہوں گے اور اگر رعایت کرو گے تو خرابی پیدا ہوگی، فساد ہوگا، ظلم ہوگا۔ لہٰذا مقدمہ ہو یا کوئی اور معاملہ گواہی ٹھیک ٹھیک دو۔

انگریزی قانونِ شہادت

انگریزی قانونِ شہادت تو اِس قسم کا ہے کہ پولیس اور وکیل خود شہادت پڑھاتے ہیں۔ یوں کہنا، یوں نہ کہنا، ورنہ پھنس جاؤ گے۔ یا مقدمہ خراب ہو جائے گا۔ بھلا اس قسم کی شہادت سے مقدمے کا فیصلہ صحیح ہوسکتا ہے؟ اس قسم کی گواہیاں حرام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد تو یہ ہے اَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ جو کچھ دیکھا ہے، حق و انصاف کے ساتھ گواہی دو۔ انگریز کا قانونِ شہادت تو بالکل ہی غلط ہے، اس کے تحت قیامت تک درست فیصلہ نہیں ہوگا۔ کسی کو انصاف میسر نہیں آئے گا۔ سب معاملات خراب ہوں گے۔ جو جیتا وہ بھی ہارا اور جو ہارا وہ تو خراب ہوا ہی ہے۔ اِن حالات میں لوگ صحیح فیصلے کی برکات سے محروم رہیں گے ناانصافی کا دور دورہ ہوگا۔ اگر کوئی شہادت کو چھپائے گا تو یہ بھی نفسِ شہادت کے خلاف ہوگا۔

اللہ کے ہاں پسندیدہ عمل

فرمایا اِن آٹھ صفات کے حامل لوگ جہنم کی دعوت سے بچ جائیں گے۔ آخر میں آٹھ صفات میں سے پہلی صفت کو پھر دہرایا۔ شروع میں فرمایا تھا اَلَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ اور یہاں فرمایا وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ یعنی وہ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰهِ مَا دُوْوِمَ عَلَیْهِ اللہ کے نزدیک پسندیدہ اعمال وہ ہیں جن پر ہمیشگی اختیار کی جائے اگرچہ تھوڑا ہی ہو۔ ایسا نہیں ہے کہ ایک عمل ایک دن کیا، اور چار دن غائب ہوگیا۔ یہاں حفاظت سے مراد مداومت ہے یعنی وہ لوگ نماز کے ارکان، واجبات، سنن، مستحبات، اوقات سب کی حفاظت کرتے ہیں۔

Marfat.com

قبولیت نماز کے لیے شرائط

سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ نماز فوت نہ ہو جائے۔ ہر وقت یہی فکر لگی رہتی ہے پھر یہ کہ جو نماز پڑھتے ہیں وہ اس کے شرائط و آداب کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے۔ کہ نماز کے لیے کپڑے کی پاکیزگی۔ جسم کی طہارت اور وقت کی پابندی ضروری ہے۔ اس کے علاوہ قبولیت نماز کے لیے اخلاص کی ضرورت ہے حلال روزی کی ضرورت ہے۔ اگر لباس حرام پہنا ہے تو نماز کیسے قبول ہوگی۔ دعا کس طرح مستجاب ہوگی۔ یہ تمام چیزیں حفاظتِ نماز کے ضمن میں آتی ہیں۔

نماز مقرب الی اللہ ہے

اللہ تعالیٰ نے نماز کی خصوصی اہمیت کے پیشِ نظر سے اوّل اور آخر ذکر کیا۔ شاہ ولی اللہ رح فرماتے ہیں کہ نماز اُمُّ العِبَادَات یعنی سب عبادات کی بنیاد اور مُقَرِّبُ اِلَی اللّٰہِ یعنی اللہ سے قریب کرنے والی عبادت ہے۔ نماز اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرنے والی ہے۔ اگر کسی آقا کا بھاگا ہوا غلام اُس کے حضور دست بستہ حاضر ہو جائے، تو اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ نماز کی بھی یہی صورت ہے اپنے مالک الملک کے سامنے مؤدب ہو کر کھڑا ہو جائے تو بچ جائے گا۔ وگرنہ مالک سخت قہر میں ہوگا یہ نماز غضب کو ٹھنڈا کرنے والی چیز ہے۔

نمازی کے لیے بشارت

اسی لیے فرمایا کہ نمازوں کی حفاظت کرنے والے اور آٹھ صفات کے حاملین اُولٰٓئِكَ فِیْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ جنت میں جائیں گے اور اُن کی عزت کی جائیگی۔ ورنہ عام طور پر اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا۔ انسان حریص اور بے صبرا ہے۔ اس میں جزع فزع ہے۔ ایک حالت میں ناشکری کرتا ہے اور ایک حالت میں بے صبری کا اظہار کرتا ہے۔ ہاں ان آٹھ صفات والے لوگ جنت کے حقدار ہوں گے اور عزت پائیں گے۔ باقی محروم ہوں گے۔

Marfat.com

درسِ چہارم

آیت ۳۶ تا ۴۴

فَمَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا قِبَلَكَ مُهْطِعِينَ ﴿٣٦﴾ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ
الشِّمَالِ عِزِينَ ﴿٣٧﴾ أَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَن يُدْخَلَ
جَنَّةَ نَعِيمٍ ﴿٣٨﴾ كَلَّا ۖ إِنَّا خَلَقْنَاهُم مِّمَّا يَعْلَمُونَ ﴿٣٩﴾
فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ إِنَّا لَقَادِرُونَ ﴿٤٠﴾
عَلَىٰ أَن نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ﴿٤١﴾
فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي
يُوعَدُونَ ﴿٤٢﴾ يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَأَنَّهُمْ
إِلَىٰ نُصُبٍ يُوفِضُونَ ﴿٤٣﴾ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ
ع ۲ / ۸ ذِلَّةٌ ۚ ذَٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿٤٤﴾

ترجمہ: پس ان کافروں کو کیا ہوگیا ہے، کہ آپ کی طرف دوڑتے ہوئے آتے ہیں ﴿۳۶﴾ دائیں طرف سے بھی اور بائیں طرف سے بھی گروہ در گروہ ﴿۳۷﴾ کیا ان کافروں اور مشرکوں میں سے ہر ایک امید رکھتا ہے کہ وہ نعمتوں کے باغوں میں داخل ہوگا ﴿۳۸﴾ خبردار ہم نے ان کو اس چیز سے پیدا کیا جسے یہ جانتے ہیں ﴿۳۹﴾ میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی ہم اس بات پر قادر ہیں ﴿۴۰﴾ کہ ہم ان لوگوں سے بہتر لوگ پیدا کردیں اور ہم اس بات میں عاجز نہیں ہیں ﴿۴۱﴾ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں یہ باطل باتوں ہی میں گھسنے رہیں، اور کھیل تماشے میں لگے رہیں، یہاں تک کہ یہ اس دن سے جا ملیں جس کا وعدہ کیا گیا ہے ﴿۴۲﴾ جس دن قبروں سے نکلیں گے! تو دوڑتے ہوئے جائیں گے گویا کہ وہ اپنے نشانوں کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہیں ﴿۴۳﴾ اُن کی نگاہیں پست ہوں گی ان پر ذلت سوار ہوگی یہی ہے وہ دن جس کا اُن سے وعدہ کیا گیا تھا ﴿۴۴﴾

گذشتہ سے پیوستہ

گذشتہ آیات میں منکرین قیامت کو وعید سنائی گئی تھی۔ کہ قیامت کے روز مجرمین کو دوزخ خود اپنی طرف پکارے گی۔ جو دنیا میں احکام الٰہی سے پشت پھیرتے تھے، روگردانی کرتے تھے مال سمیٹ

Marfat.com

سمیٹ کر رکھتے تھے، خرچ کرنے میں بخل کرتے تھے، حلال و حرام میں تمیز نہیں کرتے تھے انہیں دوزخ چن چن کر اپنے اندر داخل کرے گی۔ انسان کے پیدائشی طور پر حریص اور بے صبرا ہونے کا ذکر کیا یعنی جب اُسے شر پہنچتا ہے تو بے صبری کا اظہار کرتا ہے اور جب اُسے خیر پہنچی ہے تو بخل کرتا ہے۔ البتہ اس سے وہ لوگ مستثنٰی ہیں جن میں آٹھ صفات پائی جاتی ہیں۔ یعنی نماز میں مداومت اختیار کرنے والے، جو اپنے مال میں محتاجوں اور محروموں کے حق کو تسلیم کرتے ہیں۔ روزِ قیامت کی تصدیق کرتے ہیں۔ اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ شہوت کے مقاموں کی حفاظت کرتے ہیں۔

اپنی امانتوں اور عہدوں کی حفاظت کرتے ہیں، اپنی شہادتوں پر قائم رہتے ہیں اور خصوصاً نمازوں کی پوری پوری نگرانی کرتے ہیں۔ ایسے لوگ یقیناً کامیاب ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ انہیں بہشت میں داخل کرے گا۔ جہاں اُن کی عزت و تکریم کی جائے گی۔

انسان کی فطری بے صبری پر اشکال

اب مشرکین اور کفار کا ذکر ہے جو قیامت کے بارے میں ٹھٹھا اور استہزاء کرتے تھے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالےٰ نے انسان کو پیدائشی طور پر حریص اور بے صبرا پیدا کیا ہے اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ ھَلُوْعًا تو پھر اس سے ثابت قدمی اور نیک اعمال کی توقع کس حد تک درست ہے۔ یہاں یہ اشکال بھی پیدا ہوتا ہے۔ کہ جانوروں میں بھی حرص و لالچ کا عنصر موجود ہے اور یہی مادہ انسان میں بھی فطری طور پر ہے تو پھر انسان کو حیوان پر فضیلت کس طرح حاصل ہوتی ہے، اور اس سے نیکی کی توقع کس طرح رکھی جا سکتی ہے۔

جواب۔ انسانی ترقی کا انحصار بے صبری پر ہے

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ نے انسان میں حرص اور بے صبری کا مادہ دوسری مخلوق سے زیادہ رکھا ہے۔ مگر انسان کا یہ عنصر اس لیے رکھا ہے کہ وہ ترقی کے منازل طے کر سکے۔ اگر انسان میں بھی باقی مخلوق کی طرح حرص و بے صبری کا مادہ معمولی مقدار میں رکھا جاتا تو پھر انسان کو باقی مخلوق پر فضیلت حاصل نہ ہوتی، کسی ذی روح میں حرص و بے صبری کا جس قدر زیادہ مادہ ہوگا۔ اُسی قدر اُس میں ترقی کرنے کی تڑپ زیادہ ہوگی۔ اور وہ کوشش اور محنت کے ذریعے ترقی کی منازل طے کرے گا۔ اگر یہ چیز نہ ہوتی تو انسان بھی حیوانوں کی طرح ترقی کے راستے پر گامزن نہ ہوتا۔ انسان کی درجاتِ عالیہ اور قربِ الٰہی تک رسائی اسی بے قراری کی مرہونِ منت ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

Marfat.com

اَلصَّبْرُ یُحْمَدُ فِی الْمَوَاطِنِ کُلِّہَا
اِلَّا عَلَیْکَ فَاِنَّہٗ مَذْمُوْمٌ

صبر ہر بات میں اچھی چیز ہے۔ مگر اے مولا کریم! تیرے بارے میں صبر نہیں ہو سکتا۔ یعنی تیری رضا اور تیرا قرب حاصل کرنے کے لیے صبر اچھا نہیں ہے بلکہ بے قراری ہی بہتر ہے تاکہ مقصد جلد از جلد حاصل ہو جائے۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے بھی ایک شعر میں اس مفہوم کو بیان کیا ہے

طلبم نہائتِ آں کہ نہائتے ندارد
بہ نگاہِ ناشکیبے بہ دلِ امیدوارے

میں اُس کی انتہا طلب کرتا ہوں، جس کی کوئی انتہا نہیں۔ نگاہیں ہمیشہ بے قرار رہتی ہیں اور دل میں امید رہتی ہے۔ کہ آگے بڑھ جائیں، ترقی کر جائیں۔

مولانا رومؒ نے اسی چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا ہے۔

اے برادر بے نہائت درگہیست ؎
ہرکہ بروے می رسی بالوے مائیست

اے بھائی! اس کی بارگاہ بے نہایت ہے۔ جس مقام پر بھی پہنچو، وہاں ٹھہرو مت بلکہ آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔

الغرض اگر حرص اور بے صبری انسان میں نہ ہوتی تو قرب خداوندی اور مراتب عالیہ حاصل کرنے کا جذبہ ہی پیدا نہ ہوتا۔ انسان بھی جانوروں کی طرح عام چیز پر ہی اکتفا کر لیتا۔ تو حقیقت میں یہ دو خصلتیں انسان کی ترقی کے لیے اللہ تعالےٰ نے اسے ودیعت کی ہیں۔ بخاری اور مسلم کی حدیث میں موجود ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ کہ دو حریص ایسے ہیں جو کبھی سیر نہیں ہوتے۔ ایک علم کا طالب اور دوسرا مال کا طلبگار۔ یہ دونوں چاہتے ہیں کہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے آگے ہی بڑھتے جائیں۔

دو چیزوں میں حسد جائز ہے

حضور علیہ السلام نے فرمایا، حسد جائز نہیں مگر دو چیزوں میں۔ ایک وہ جس کو خدا تعالیٰ نے مال دیا ہے، اور پھر اسے صحیح جگہ پر صرف کرنے کی توفیق دی ہے دوسرا وہ کہ جس کو خدا تعالےٰ نے علم دیا ہے، اور وہ لوگوں کو حکمت سکھاتا ہے۔ یہ دونوں قابلِ رشک ہیں۔ اور اصل میں یہ

Marfat.com

دو چیزیں بھی حرص اور بے قراری کی وجہ سے ہی حاصل ہوتی ہیں۔ جو اللہ تعالےٰ نے انسان کو دی ہیں۔ تاکہ اُسے ترقی کے زیادہ سے زیادہ مواقع حاصل ہوں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے ان کفار و مشرکین کا رد فرمایا ہے جو قیامت کا انکار کرتے تھے، ٹھٹھا اور مذاق کرتے تھے۔ اور تنبیہ کیا ہے۔ کہ قیامت کو پیش آنے والے واقعات میں ان کا حال بُرا ہوگا۔

قرآن وسنت کی بعض اصطلاحات

ارشاد ہوتا ہے فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ان کافروں کو کیا ہوگیا ہے۔ کفر کے اصطلاحی معنی انکار کرنا ہے۔ یعنی توحید، رسالت، قیامت، معاد، احکام الٰہی، کتُب سماویہ، ملائکہ اور تمام وہ چیزیں جن پر ایمان لانا ضروری ہے ان کا انکار کرنا۔ اسی طرح شرک یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کو مانتے ہوئے اُس کی عبادت میں یا صفات میں کسی کو شریک کیا جائے۔ منافق وہ ہوتا ہے۔ جو زبان سے تو اقرار کرے مگر اس کا دل کفر کے ساتھ مطمئن ہو۔ الحاد ٹیڑھا چلنے کو کہتے ہیں اسی طرح شک بھی بڑی بیماری ہے۔ یہ تمام اصطلاحات ہیں، جو قرآن میں استعمال ہوتی ہیں۔

کفار کی گروہ بندی

فرمایا فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ان کافروں کو کیا ہوگیا ہے کہ آپ کی طرف دوڑتے ہوئے آتے ہیں۔ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ دائیں طرف سے بھی اور بائیں طرف سے بھی عِزِيْنَ گروہ در گروہ۔ کفار جھنڈ در جھنڈ بیٹھے ہیں۔ باتیں کر رہے ہیں، مذاق اور استہزاء کر رہے ہیں ہیں۔ قیامت کا تمسخر اڑا رہے ہیں۔

عزین سے مراد گروہ در گروہ ہے، جیسا کہ حضورؐ کی ایک حدیث میں ہے۔ کہ ایک دفعہ آپ باہر تشریف لائے تو صحابہ کی جماعتیں گروہ در گروہ بیٹھی تھیں۔ آپ نے فرمایا مَالِیْ اَرٰکُمْ عِزِیْنَ کیا ہے کہ میں تم کو گروہ در گروہ بیٹھے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔

الغرض قرآن نے بیان فرمایا کہ ان کافروں کو کیا ہوگیا ہے۔ کہ آپؐ کے گرد گروہ در گروہ بیٹھے ہیں، ٹھٹھا اور استہزا کر رہے ہیں، مذاق اڑا رہے ہیں۔

کفار کی خام خیالی

قرآن پاک میں موجود ہے کہ بعض کافر قیامت کا انکار کرتے تھے۔ کہتے تھے یہ سب جھوٹی کہانیاں ہیں۔ قیامت کوئی نہیں ہے۔ آج تک دنیا سے گیا ہوا کوئی شخص واپس نہیں آیا، یہ ساری دنیا کیسے جی اٹھے گی۔ اور اگر بالفرض قیامت آ بھی گئی تو جس طرح آج ہم اس دنیا میں بہتر زندگی گذار رہے ہیں اور مسلمانوں کی حالت خستہ ہے اسی طرح اس دن بھی ہماری ہی حالت اچھی ہوگی۔ اگر کوئی بہشت وہاں ہوا تو وہاں بھی ہم ہی جائیں گے

Marfat.com

جس طرح آج ہمیں سہولتیں حاصل ہیں، اسی طرح قیامت کو بھی حاصل ہونگی۔ کلمہ پڑھنے والے اور توحید کے دعویدار اسی طرح تکلیف میں رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اَیَطْمَعُ کُلُّ امْرِیٍٔ مِّنْھُمْ اَنْ یُّدْخَلَ جَنَّۃَ نَعِیْمٍ کیا ان کافروں اور مشرکوں میں سے ہر ایک امید رکھتا ہے۔ کہ وہ نعمتوں کے باغوں میں داخل ہوگا۔ فرمایا کَلَّا خبردار ایسا نہیں ہوگا۔ یہ ان کی خام خیالی ہے۔

حقیر قطرۂ آب سے پیدائش

اِنَّا خَلَقْنٰھُمْ مِّمَّا یَعْلَمُوْنَ فرمایا کہ ہم نے اُن کو اُس چیز سے پیدا کیا، جسے یہ جانتے ہیں۔ دراصل یہ الفاظ کہہ کر اللہ تعالے نے کفار مشرکین کی توجہ اُن کی خلقت کی طرف دلائی ہے کہ یہ سمجھتے بھی ہیں، کہ ہم نے انہیں پانی کے حقیر قطرے سے پیدا کیا ہے جیسا فرمایا اَلَمْ نَخْلُقْکُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّھِیْنٍ کیا ہم نے تم کو پانی کے ایک حقیر قطرے سے پیدا نہیں کیا۔ دوسری جگہ فرمایا خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ انسان کو مٹی سے پیدا کیا۔ کافر ہو، مشرک ہو، نیک ہو، بد ہو، سب کی پیدائش پامال مٹی اور ناپاک قطرہ سے ہے۔ پھر اس کا مقام خروج اور دخول بھی ناپاک ہے۔ وہ ناپاک قطرہ جس کو یہ حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور جسم کے ساتھ لگ جائے تو فوراً اس کو دور کرتے ہیں، جسم کو پاک کرتے ہیں۔ فرمایا اپنی اس حیثیت کے باوجود تم یہ توقع رکھتے ہو کہ نعمتوں کے باغوں میں جاؤ گے۔

مشرکین۔ نجاست در نجاست

فرمایا نعمت کے باغوں میں وہ داخل ہوسکتا ہے، جو ایمان لے آئے۔ اعمال صالحہ کی دولت حاصل کرے، اپنے اخلاق و اطوار پاک کرے، ورنہ اُس کی اصلیت تو ناپاک ہی ہے۔ کفار و مشرکین تو ناپاک چیز سے پیدا ہوئے پھر کفر و شرک اور برائیوں والے ناپاک کام کئے تو ان کے اوپر گندگی پہ گندگی چڑھتی گئی، مجسم گندگی بن گئے، یہ جنت میں کیسے جائیں گے۔ جیسے منافقوں کے متعلق فرمایا اِنَّھُمْ رِجْسٌ وَّمَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ یہ گندے ہیں اور اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے مشرکوں کے بارے میں فرمایا۔ اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ مشرک تو ناپاک ہیں، اوّل پیدائشی ناپاکی، اس کے بعد کفر و شرک کی ناپاکی۔ کیا یہ جنت میں داخل ہونے کے قابل ہیں؟

تزکیہ مدار فلاح ہے

ہاں! حقیر قطرۂ آب سے پیدا ہونے والا جب اپنے آپ کو ایمان سے پاک کرلیتا ہے۔ اعمال صالحہ سے اپنی تطہیر کرلیتا ہے۔ باطن کو بھی نورِ ایمان سے پاک کرلیتا ہے۔ توحید اور اخلاق

حسنہ سے مزین ہو جاتا ہے۔ اور ظاہر کو بھی تمام الائشوں سے پاک کر لیتا ہے۔ تو بہشت میں داخل ہونے کے قابل ہو جاتا ہے۔ یعنی بہشت کے باغوں میں داخلے کا مدار تزکیہ ظاہر و باطن پر ہے۔

تمام تصرفات قبضۂ قدرت میں ہیں

فرمایا تمام تصرفات اللہ تعالےٰ کے قبضہ میں ہیں۔ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی۔ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ہم اس بات پر قادر ہیں عَلٰٓی اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ کہ ہم ان لوگوں سے بہتر لوگ پیدا کر دیں۔ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ اور ہم اس بات میں عاجز نہیں ہیں کہ ہم کو تھکا کر کوئی نکل بھاگے گا۔

اس موقع پر مشرق اور مغرب کی بجائے مشارق اور مغارب یعنی جمع کے صیغے استعمال کیے۔ بظاہر تو مشرق اور مغرب ایک ایک ہی ہے اور واحد کا صیغہ ہی استعمال ہونا چاہیئے تھا۔ مگر سورج کے طلوع و غروب کے مختلف مقامات ہونے کی بنا پر مشارق اور مغارب کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ سورج ہر روز طلوع اور غروب کا نقطہ بدلتا رہتا ہے۔ سردی میں مقام طلوع و غروب اور ہوتا ہے اور گرمی کے موسم میں اور ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں جمع کے صیغے استعمال کیے۔ تو فرمایا جس طرح مشرق اور مغرب ہر چیز کا تصرف ہمارے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اسی طرح ہم اس بات پر بھی قادر ہیں۔ کہ کفار و مشرکین جیسے نافرمان بلا استہزا کرنے والے لوگوں کی جگہ بہتر لوگوں کو لے آئیں۔

کفار مکہ کا نعم البدل انصار مدینہ

چنانچہ اللہ تعالےٰ نے ایسا ہی انتظام فرما دیا۔ مکہ میں دشمنان دین آپ کے ساتھ ٹھٹھا اور مذاق کرتے تھے۔ ایذا رسانی کے لیے دوڑتے تھے۔ اس کے بدلہ میں اللہ نے مدینہ میں آپ کے گرد وہ لوگ جمع کر دیئے جو ایمان اور نیکی کے ساتھی تھے۔ اطاعت اور توحید خداوندی کے جذبے سے سرشار تھے۔ اپنا مال دولت اور تمام قوتیں اسلام اور رضائے الٰہی کے لیے خرچ کرنے کو ہر وقت تیار رہتے تھے۔ آپ سے ہدایات کے حصول اور نفس کی تہذیب کے لیے ہر وقت آپ کے گرد جمع رہتے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے ایسے لوگوں کو کھڑا کر دیا جو مکے کے ابوجہل اور ابولہب وغیرہ سے بہرحال بہتر تھے۔ اسی لیے فرمایا کہ ہم اس بات پر قادر ہیں کہ ان کفار و مشرکین کی جگہ اچھے لوگوں کو کھڑا کر دیں۔ اگر یہ مان لیں تو ان کی ہی بہتری ہوگی۔ ورنہ ہم اپنا فیصلہ صادر کر دیں گے۔

کفار کو اُن کے حال پر چھوڑ دیں

فرمایا فَذَرْهُمْ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا یہ باطل باتوں میں ہی گھستے رہیں اور کھیل تماشے میں لگے رہیں۔ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ یہاں

Marfat.com

تک یہ اس دن سے جا ملیں جس کا وعدہ کیا گیا تھا۔ نتیجہ یہی ہوگا کہ دنیا کی زندگی ختم ہو جائے گی اور وعدے کا دن یعنی قیامت کا دن آ جائے گا اور یہ اس سے جا ملیں گے۔

قبروں سے نکلیں گے تو دوڑتے ہوئے جائیں گے

يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا جس دن قبروں سے نکلیں گے۔ تو دوڑتے ہوئے جائیں گے۔ یعنی جدھر سے آواز آ رہی ہوگی۔ بگل بج رہا ہوگا۔ ادھر دوڑ کر جائیں گے كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ گویا کہ وہ اپنے نشانوں کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہیں۔ اس طرح تیز دوڑیں گے، جس طرح تیر نشانے کی طرف جاتا ہے۔

نُصُب، نَصَب کی جمع ہے اور نصب بت کو بھی کہتے ہیں۔ جس طرح دنیا میں لوگ بتوں کی عبادت کے لیے تیزی سے دوڑتے ہوئے جاتے ہیں۔ ہر شخص چاہتا ہے کہ میں پہلے جا کر سجدہ کر لوں، عبادت کر لوں، اسی طرح قیامت کو لوگ قبروں سے دوڑتے ہوئے اٹھیں گے اور اپنے نشانوں کی طرف جائیں گے۔ نصب کا یہ معنیٰ بھی کیا ہے مگر پہلا معنیٰ زیادہ متبادر ہے۔

کفار کی ذلت و رسوائی

کفار جب قبروں سے برآمد ہوں گے تو ان کی حالت یہ ہوگی کہ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ ان کی نگاہیں پست ہوں گی، جھکی ہوئی ہوں گی۔ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ان پر ذلت سوار ہوگی۔ سیاہی چھائی ہوئی ہوگی، چہرے سیاہ ہوں گے اگر دو غبار پڑا ہوا ہوگا، آنکھیں اوپر اٹھا کر نہیں دیکھ سکیں گے۔ ندامت ہوگی۔ کہیں گے جس دن کا ہم انکار کرتے تھے، وہ آن پہنچا۔ قیامت برحق ثابت ہوئی۔ اب تو برا حشر ہوگا۔ فرمایا ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ۔ یہی ہے وہ دن جس کا وعدہ کیا گیا تھا۔ آج تم کو اس کا بھگتان کرنا پڑے گا۔ اپنے عقیدے اور اعمال کی جزا آج ضرور تم کو ملے گی۔ یہی وہ دن ہے۔

واللّٰہ اعلم بالصواب وصلی اللّٰہ

تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

سورة

نوح

Marfat.com

درس اوّل

آیت ۱ تا ۷

سُوْرَةُ نُوْحٍ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٍ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ نوح مکی ہے اور یہ اٹھائیس آیتیں اور اس میں دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲﴾
اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۳﴾ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ
وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَاۗءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ
لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا
﴿۵﴾ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَاۗءِيْٓ اِلَّا فِرَارًا ﴿۶﴾ وَاِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ
لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ
وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ﴿۷﴾

ترجمہ: بے شک ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا اور دعوت الی الحق کا یوں حکم دیا کہ اپنی قوم کو ڈرائیں پیشتر اس کے کہ ان کے پاس دکھ دینے والا عذاب آجائے ① کہا اس نے اے میری قوم کے لوگو میں تمہیں کھول کر ڈر سنانے والا ہوں ② اور میں تمہیں صاف صاف کہتا ہوں کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو اور میری بات مانو ③ اللہ تعالیٰ تمہاری کئی غلطیاں معاف کر دے گا۔ اور تمہیں مقررہ وقت تک مہلت دے گا۔ جب وہ وقت آجاتا ہے تو پھر ٹلتا نہیں اگر تمہیں کچھ سمجھ، عقل اور شعور ہے ④ بارگاہ رب العزت میں نوح علیہ السلام نے عرض کیا۔ اے میرے پروردگار میں نے اپنی قوم کو شب و روز مسلسل دعوت دی ⑤ مگر میری دعوت نے ان لوگوں کے لیے کوئی اضافہ نہیں کیا سوائے بھاگنے کے ⑥ اور جب بھی میں نے انکو بلایا تاکہ اے پروردگار تو ان کی بخشش فرمائے۔

Marfat.com

تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔ اور اپنے کپڑے سمیٹنے لگے۔ اور انہوں نے اصرار کیا اور ضد کی۔ اور بڑا تکبر کیا۔

کوائف اور مضامین

اس سے پہلی سورۃ معارج تھی۔ جس میں زیادہ تر قیامت کا ذکر تھا، تاہم ضمناً توحید و رسالت کا بیان بھی تھا۔ اِس سورۃ کا نام حضرت نوح علیہ السلام کے نام پر سورۃ نوح ہے۔ یہ مکی زندگی میں نازل ہوئی۔ اِس کی اٹھائیس ۲۸ آیات دو ۲ رکوع دو سو چوبیس ۲۲۴ الفاظ اور نو سو انیس ۹۱۹ حروف ہیں۔

اِس سورۃ میں اللہ تعالےٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی اُس دعوت الی الحق اور دعوتِ توحید کا ذکر فرمایا ہے، جو انہوں نے اپنی قوم کو دی۔ اس دعوت کے مختلف طریقے اور اس کارروائی کا بیان ہے جو نوح علیہ السلام نے اس سلسلہ میں سرانجام دی۔ گویا دعوت الی الحق کے لیے اللہ تعالےٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو بطور نمونہ پیش کیا ہے۔

سابقہ سورۃ سے ربط

گذشتہ سورۃ میں اللہ تعالےٰ نے حضورِ علیہ السلام کو صبرِ جمیل کی نصیحت فرمائی۔ کفار و مشرکین آپ کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے تھے۔ ٹھٹھا اور تمسخر کرتے تھے۔ آپ کے گرد گروہ در گروہ جمع ہو کر آپ کی دعوت کی تکذیب کرتے تھے۔ قیامت کا انکار کرتے تھے۔ اور کہتے تھے اگر برحق ہے تو پھر آتی کیوں نہیں۔ نہایت بیہودہ باتیں کرتے تھے۔ تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا اے نبی علیہ السلام! آپ انکی ایذا رسانی پر صبر و استقلال کا مظاہرہ کریں، تنگ دل نہ ہوں، وقت آنے پر ان کو ضرور سزا ملے گی۔ آپ اپنا کام جاری رکھیں۔

اِس سورۃ میں حضرت نوح علیہ السلام کو اُس صبرِ جمیل کے نمونہ کے طور پر پیش کیا ہے۔ جس کی تلقین اللہ تعالےٰ نے سابقہ سورۃ میں حضور نبی کریمؐ کو کی۔ فرمایا کہ دعوت الی الحق اور دعوت الی التوحید کے سلسلہ میں جس قدر صبر حضرت نوح علیہ السلام نے کیا، کسی اور کو میسّر نہیں آیا۔ لہذا اِس جگہ اُن کی دعوت کی تفصیلات اور ایذا رسانی پر صبر کا ذکر کر کے حضرت نوح علیہ السلام کو بطور نمونہ پیش کیا۔ کہ اے نبی علیہ السلام آپ بھی صبر کریں ہم ان سے ضرور بدلہ لیں گے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت نوح علیہ السلام تک

حضرت نوح علیہ السلام، حضرت آدم علیہ السلام کی آٹھویں یا دسویں پشت میں ہیں۔ ان سے پہلے حضرت ادریس علیہ السلام ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کے ایک بیٹے شیث علیہ السلام کے متعلق مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ بھی نبی تھے۔ اللہ تعالےٰ نے اِن پر بھی وحی بھیجی جس طرح آدم علیہ السلام

پر۔ ان کے علاوہ اگر اللہ تعالےٰ نے کوئی نبی مبعوث فرمایا ہو تو اس کا ذکر نہیں ملتا حضرت ادریسؑ کے بارے میں خیال ظاہر کرتے ہیں کہ ان کا نام اخنوخ تھا۔ وہ بھی آدم علیہ السلام کی اولاد سے تیسرے یا چوتھے نمبر پر تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے باپ لمک یا ملک۔ آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے زمانے کے درمیان اکثر لوگوں کا اعتقاد اچھا تھا۔ مگر نوح علیہ السلام کے زمانہ میں آکر بگڑ گیا۔ اور انہوں نے شرک کو اختیار کر لیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے باپ ان کو شرک سے منع کیا کرتے تھے۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام کا وقت آیا تو اللہ تعالےٰ نے انہیں صاحب شریعت نبی اور رسول بنا کر مبعوث فرمایا۔ اس سے پہلے حضرت ادریس علیہ السلام کا جو ذکر ملتا ہے۔ ان پر بھی اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی۔ جس میں اکثر احکام ایسے تھے، جن کا تعلق دنیا کی آبادی سے تھا۔ عقیدہ تو موجود تھا اس کے علاوہ شریعت کے کوئی خاص احکام نہیں تھے۔ تفسیر مدارک والے لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے کپڑے سینے کی سوئی اور مشین حضرت ادریس علیہ السلام نے ایجاد کی۔ ان پر کئی صحیفے نازل ہوئے۔ جن میں دنیا کی آباد کاری کے احکام تھے۔ مگر حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں لوگوں میں شرک پیدا ہو گیا تھا۔ جس کا ذکر اس سورۃ کے دوسرے رکوع میں آیا ہے۔

حضرت نوحؑ کے حالاتِ زندگی

حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ قرآن پاک کی دیگر بہت سی سورتوں میں ضمناً آتا ہے۔ مگر یہ سورۃ پوری حضرت نوح علیہ السلام کے حالات پر مشتمل ہے۔ دو نبی ایسے ہیں کہ جن کا ذکر اللہ تعالےٰ نے مکمل طور پر ایک ایک سورۃ میں فرمایا۔ یعنی حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر اس سورۃ میں اور حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر سورۃ یوسف میں۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کو چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا ہوئی۔ اس کے بعد آپ نو سو پچاس برس تک اپنی قوم کو تبلیغ فرماتے رہے سورۃ عنکبوت میں ہے۔ وَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا یعنی حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم میں پچاس کم ہزار سال ٹھہرے رہے۔ اور لوگوں کو حق کی دعوت دیتے رہے۔ اس دوران میں نوح علیہ السلام کے ساتھ بڑے بڑے واقعات پیش آئے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد باری تعالےٰ ہے۔ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا نوح علیہ السلام ہمارا بڑا شکر گزار بندہ تھا۔ کوئی ایسی ایذا نہیں،

Marfat.com

جو اُن کو نہ پہنچی ہو۔ قولی، فعلی، عملی، مار پیٹ ہر طرح سے اُن کو تکلیف دی گئی، مگر انہوں نے ہر مصیبت کو صبر و تحمل سے برداشت کیا۔

اس زمانے میں صرف حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ہی لمبی نہ تھی بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور سے پہلے اکثر لوگوں نے لمبی عمریں پائی ہیں۔ تین تین، چار چار، پانچ پانچ سو سال عمر کے لوگ تھے۔ مگر نوح علیہ السلام کی عمر ایک ہزار پچاس سال تھی۔ چالیس سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت عطا فرمائی۔ نو سو پچاس سال آپ تبلیغ کرتے رہے۔ اس کے بعد مشہور تاریخی طوفانِ نوح آیا۔ یہ طوفان دس رجب سے لے کر دس محرم تک مسلسل چھ ماہ تک قائم رہا اور آپ اتنا عرصہ کشتی میں سوار رہے۔ اتنا لمبا عرصہ تبلیغ کے نتیجے میں صرف ستر آدمی ایمان لائے جن میں چند عورتیں بھی تھیں۔ اور یہی لوگ کشتی میں سوار ہوئے۔ اور اس طوفان کی رُو سے محفوظ رہے۔ اس طوفان کا حال سورۃ ہود کے دو رکوع میں بیان کیا گیا ہے۔ بائبل اور تورات میں بھی اس طوفان سے متعلق روایات ملتی ہیں۔

طوفانِ نوح کی کیفیت

طوفان کی اس قدر کیفیت تو قرآنِ پاک میں بھی موجود ہے۔ کہ اللہ نے زمین سے پانی کو اُبلنے کا حکم دیا تھا، اور اُوپر سے بارش بھی برسائی تھی۔ مگر طوفان کی مدت کا ذکر نہیں ملتا۔ البتہ تورات کی روایت میں میعاد کا ذکر کیا گیا ہے۔ اوپر سے مسلسل موسلادھار شدید قسم کی بارش برس رہی تھی اور نیچے سے زمین کو پانی ابلنے کا حکم تھا اور یہ سلسلہ پورے چالیس دن جاری رہا۔ یہاں اگر بارہ گھنٹے یا چوبیس گھنٹے مسلسل بارش ہو، تو کیا حالت ہوتی ہے اور جہاں مسلسل چالیس روز تک اوپر سے بارش اور نیچے سے پانی ابلتا رہا ہو۔ وہاں کی بستیوں کا کیا حال ہوگا۔ تورات کی روایت کے مطابق پانی بلند ترین پہاڑی سے بھی تیس فٹ اونچا چلا گیا تھا۔

کیا طوفان ساری دنیا آیا تھا؟

اس سلسلے میں دو روائتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ طوفان ساری دنیا پہ آیا تھا۔ اس سے کوئی خطۂ زمین نہیں بچا تھا۔ دوسری روایت یہ بھی ہے کہ اُس زمانے میں ساری دنیا پر آبادی ہی نہیں تھی۔ طوفان صرف اُس علاقے میں آیا تھا جس علاقے میں انسانی آبادی موجود تھی۔

طوفان تھمنے کے بعد نوح علیہ السلام ساٹھ سال تک دنیا میں موجود رہے تو اس طرح نوحؑ کی عمرِ مبارک ایک ہزار پچاس سال بنتی ہے۔ اس سے زیادہ کا ذکر بھی ملتا ہے۔ مگر زیادہ مشہور یہی ہے۔ کہ چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا ہوئی، نو سو پچاس سال وعظ کیا اور ساٹھ سال

Marfat.com

طوفان کے بعد اس دنیا میں قیام کیا۔ اس طرح آپ کی عمر ایک ہزار پچاس سال ہوئی۔

پہلے صاحب شریعت رسول

بخاری اور مسلم شریف کی روایات میں آتا ہے۔ کہ قیامت کے روز جب لوگ نوح علیہ السلام کے پاس سفارش کے لیے جائیں گے تو ان الفاظ سے آپ کو خطاب کریں گے یَانُوْحُ اِنَّکَ اَوَّلُ الرُّسُلِ اِلٰی اَھْلِ الْاَرْضِ یعنی اے نوح علیہ السلام آپ اہل زمین کی طرف سب سے پہلے رسول ہیں۔ آپ سفارش کریں کہ اللہ تعالیٰ حساب کتاب شروع کریں، ہم بڑی تکلیف میں ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام انکار کر دیں گے اور کہیں گے کہ مجھ سے کوتاہی ہوگئی تھی۔ اگر باز پرس ہوگئی تو اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دونگا نَفْسِیْ نَفْسِیْ اِذْھَبُوْا اِلٰی غَیْرِیْ دوسروں کے پاس جاؤ۔ گویا اس طرح وہ لوگوں کو ٹال دیں گے۔

الغرض حضرت نوح علیہ السلام اہل زمین کی طرف پہلے صاحب شریعت رسول تھے۔ اور ایسے رسول کہ جن کی قوم کو تبلیغ کی حجت پوری ہونے پر سزا دی گئی۔ اس سے پہلے نہ کوئی منقل شریعت تھی اور نہ ہی کسی قوم کو سزا دی گئی۔

پورے سال کے روزے

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت ادریس اور حضرت شیث علیہ السلام کے ادوار میں صرف دنیا کی آبادکاری کے قوانین تھے، کوئی مستقل شریعت نہیں تھی۔ البتہ نوح علیہ السلام کے زمانے میں شریعت کا نفاذ ہوا۔ مثلاً مشہور ہے۔ کہ آپ کے زمانے میں پورے سال کے روزے فرض تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ یہ لوگ بہت زیادہ جسمانی رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں روحانیت پیدا کرنے کے لیے سال بھر کے روزے مقرر فرمائے۔ مگر انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کو رد کر دیا۔

عوج بن عنق

اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے نہایت اختصار کے ساتھ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت آپ کی قوم کے انکار اور طوفان کی صورت میں عذاب کا ذکر فرمایا ہے۔ اس طوفان میں کافروں میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچا تھا۔ قصے کہانیوں کی کتابوں میں آتا ہے۔ کہ ایک شخص عوج بن عنق کو زندہ رکھا گیا۔ یہ بھی کافر تھا اور اونچے قد کا آدمی تھا۔ یہ پانی میں نہیں ڈوبا تھا۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے زندہ رکھا تاکہ بعد میں آنے والے لوگوں کو بتا سکے کہ ان کے ساتھیوں کے ساتھ کیا حشر ہوا تھا۔ بعض اوقات مجرموں کو سزا دی جاتی ہے تو کسی کو چھوڑ بھی دیا جاتا ہے۔ تاکہ یہ دوسروں کو جا کر بتائے کہ ان کے ساتھ کیا سلوک ہوا تھا۔ بہرحال یہ تاریخی روایتوں میں بیان آتا ہے۔ قرآن و حدیث یا کوئی اور معتبر روایت نہیں ملتی۔ واللہ اعلم۔ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ غلط ہے یا صحیح۔ ممکن ہے خدا کی قدرت سے ایسا ہی

Marfat.com

ہوا ہو۔ جیسے دجال اور خضر علیہ السلام کے حیرت انگیز واقعات ملتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو بھی عبرت کے لیے زندہ رکھا ہو۔ صحیح بات اتنی ہی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے تمام کافروں کو ہلاک کر دیا تھا۔ صرف وہی بچے تھے جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہو گئے تھے۔ اور پھر انہیں کی اولاد سے نسل انسانی قائم رہی اس لیے اس اعتبار سے حضرت نوحؑ کو آدم ثانی کہا جاتا ہے۔

موجودہ نسل انسانی حضرۃ نوحؑ کی اولاد سے ہے

کشتی نوح میں جو ستر آدمی سوار تھے، اُن کی اولاد بھی آگے نہیں چلی۔ حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے سام، حام اور یافت تھے۔ اس وقت جتنی بھی انسانی نسل دنیا میں موجود ہے، یہ ان تین خاندانوں سے تعلق رکھتی ہے۔ مشرق وسطےٰ کے تمام عرب قبائل، اور ہندوستان پاکستان وغیرہ کے باشندے سامی نسل سے ہیں۔ حبشہ والے اور ارد گرد کے افریقی ممالک کے لوگ حام کی اولاد ہیں۔ اسی طرح روسی اور یورپی ممالک کے باشندے تیسرے بیٹے یافث کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔

بہر حال حضرت نوح علیہ السلام نے جو دعوت حق دی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمایا اور آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو تسلی دی۔ حضرت نوح علیہ السلام کا نمونہ پیش کر کے صبر جمیل کی تلقین کی۔ کہ جس طرح حضرت نوح نے صبر و تحمل سے کام لیا، اسی طرح آپ بھی صبر کریں اور تسلی رکھیں۔

حضرت نوح کی بعثت اور انذار

سورۃ کے ابتدا میں فرمایا اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖٓ ہم نے نوح علیہ السلام کو اُن کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا۔ آپ اسی قوم اور خاندان کے فرد تھے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول بنایا، وحی نازل فرمائی۔ شریعت عطا کی اور دعوت الی الحق کا یوں حکم دیا اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ کہ آپ اپنی قوم کو ڈرائیں، انہیں خواب غفلت سے جگائیں قَبْلَ اَنْ یَّاْتِیَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ پیشتر اس کے کہ ان کے پاس دکھ دینے والا عذاب آجائے عذاب سے مراد وہی طوفان ہے۔ کہ طوفان آنے سے پہلے پہلے آپ ان کو خوف دلائیں۔ گویا یہ اللہ کی طرف سے انذار کا حکم تھا۔

نبیوں کی تعلیم میں بشارت اور انذار دونوں چیزیں داخل ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہر نبی مبشر اور منذر ہوا کرتا ہے۔ رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ وہ اہل ایمان کو خوش خبری بھی دیتے ہیں۔ اور نافرمانوں کو ڈراتے بھی ہیں۔ یہاں پر حضرت نوح علیہ السلام کو انذار کا حکم دیا جا رہا ہے۔ کہ آپ ان کو ڈرائیں شاید یہ راہ راست پر آجائیں۔

انذار کا تقدم

بعض اوقات انذار کو تقدم حاصل ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات بشارت کا ذکر پہلے کیا جاتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی سورۃ مدثر میں آتا ہے۔ قُمْ فَاَنْذِرْ یعنی اے نبی کریم! آپ اٹھ کھڑے ہوں اور ان کو آنے والے بڑے وقت کے خطرناک نتائج سے ڈرائیں۔ یہاں پر نوح علیہ السلام کو حکم دیا جا رہا ہے اَنْذِرْ قَوْمَكَ کہ اپنی قوم کو ڈرائیں۔

انذار کو مقدم لانے کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں اکثر انسان برائی میں ہی مبتلا ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کی اکثریت کی مناسبت سے انذار کو مقدم رکھا گیا۔ کہ آپ ان کو ڈرائیں کہ کفر و شرک کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ آگاہ ہو جاؤ۔ خبردار ہو جاؤ معصیت اور نافرمانی قابلِ مواخذہ ہے اپنے آپ کو بچالو۔ حضرت نوح علیہ السلام نے سب سے پہلے یہی دعوت لوگوں کو دی۔ اس مقام پر اس دعوت کا ذکر نہایت اختصار کے ساتھ کیا گیا ہے۔ دوسری سورتوں میں دوسرے واقعات تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی تعلیم

اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم پاکر نوح علیہ السلام نے قوم سے یوں خطاب کیا قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ اے میری قوم کے لوگو! میں تم کو کھول کر ڈر سنانے والا ہوں۔ کہ اگر کفر و شرک سے باز نہیں آؤ گے تو اس کا بہت برا نتیجہ سامنے آئے گا، لہٰذا سنبھل جاؤ۔ سورۃ یونس میں ہے کہ آپ نے فرمایا اے لوگو! میں جو بات کہتا ہوں، خوب سمجھ لو ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً تمہارے معاملے میں کوئی اشتباہ والی بات نہیں ہونی چاہیئے۔ میں تمہیں صاف صاف کہتا ہوں اِنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ صرف اللہ کی عبادت کرو۔ خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ خدا کے سوا کوئی الٰہ نہیں، الٰہ صرف ایک ہی ہے۔ اسی کی عبادت کرو۔ میرا پیغام اور میری تعلیم یہی ہے۔ اور نیز یہ کہ وَاتَّقُوْهُ اسی سے ڈرو کیونکہ اگر اس کا خوف دل میں ہوگا تو معصیت سے بچ جاؤ گے وَاَطِيْعُوْنِ اور میری بات مانو، میری اطاعت کرو کیونکہ نبی کی اطاعت فرض ہے۔ اور صرف یہی بات نجات کا ذریعہ ہے۔ کہ اللہ کی عبادت کرو اور میری اطاعت کرو۔

مافوق الاسباب استمداد غیر اللہ سے شرک ہے

اسی سورۃ کے دوسرے رکوع میں آتا ہے۔ کہ یہ لوگ خاص قسم کے شرک میں مبتلا تھے۔ اور وہ یہ ہے کہ نیک لوگوں کی روحوں سے امداد طلب کرتے تھے۔ حالانکہ مافوق الاسباب استمداد ماتحتا شرک ہے۔ مافوق الاسباب امداد کرنا صرف خدا تعالیٰ کا کام ہے۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ امداد اسی سے طلب کی جاسکتی ہے۔ اللہ کے سوا کسی کو طاقت نہیں کہ اسباب کے دائرے سے باہر

Marfat.com

کسی کی امداد کرسکے۔ غائبانہ امداد نہ کوئی فرشتہ کرسکتا ہے، نہ جن، نہ انسان، نہ بھوت اور نہ کوئی ظاہری اور باطنی چیز۔ لہٰذا اسی بناء پر قوم نوح شرک میں مبتلا تھی۔ جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

عبادت صرف اللہ ہی کی روا ہے

حکم ہوا کہ اے لوگو! صرف اللہ کی عبادت کرو۔ ہر نبی نے اپنی اپنی قوم کو یہی نصیحت کی ۔ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اے لوگو! صرف اللہ کی عبادت کرو۔ اللہ کے ماسوا کوئی خالق، مالک، مدبّر، مربّی، مستحق عبادت مدد کرنے والا۔ نافع وضار نہیں ہے۔ یہ تمام اختیارات صرف خدا تعالےٰ کے پاس ہیں۔ باقی ساری مخلوق عابد ہے۔ مقرب سے مقرب ہستی بھی عبادت پر ہی فخر کرسکتی ہے اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ میں بھی اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں تم بھی اسی کی عبادت کرو۔ مقربین فرشتے حتیٰ کہ جبرائیل علیہ السلام بھی اسی کی عبادت کرتے ہیں۔

عبادت الٰہی کا صلہ

فرمایا اگر اللہ کی عبادت کروگے، اسی سے ڈروگے اور میری اطاعت کروگے تو يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ اللہ تعالیٰ تمہاری کئی غلطیاں معاف کردے گا۔ یہاں پر مِنْ سے مراد بعض غلطیاں ہیں، ساری غلطیاں معاف نہیں ہوتیں۔ اگر حقوق اللہ میں کوتاہی ہوئی ہے۔ تو معافی مانگنے سے اور استغفار کرنے سے اللہ تعالیٰ معاف فرمادیتے ہیں اور اگر غلطی حقوق العباد یعنی بندوں کے حقوق میں ہے۔ تو متعلقہ بندے ہی معاف کرسکتے ہیں۔ ورنہ معافی نہیں ہوگی۔ اسی لیے يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ فرمایا کہ تمہاری کچھ غلطیاں معاف فرمادے گا۔ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى اور تمہیں مقررہ وقت تک مہلت دے گا۔ اس وقت تک جو اس کی مصلحت میں مقرر ہے۔ زیادہ سے زیادہ طبعی عمر تک کہ جب وہ مقررہ وقت آجاتا ہے تو پھر اس میں تاخیر نہیں ہوتی خواہ وہ وقت سزا کے لیے مقرر ہو یا جزا کے لیے۔ فرمایا اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ جب وہ وقت آجاتا ہے تو پھر ٹلتا نہیں، پورا ہو کر رہتا ہے۔ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اگر تمہیں عقل وشعور اور سمجھ ہے تو یاد رکھو وہ وقت آنے والا ہے۔

حضرت نوح ؑ کی شب وروز دعوت

اللہ تعالےٰ کے ارشاد کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ڈرایا، تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ اُن کو راہِ راست پہ لانے کی کوشش کرتے رہے۔ آپ نے تبلیغ کے وہ تمام طریقے اختیار کیے جو اس سورۃ میں اور دوسرے مقامات پر مذکور ہیں مگر سینکڑوں سال کی محنت کے باوجود وہ قوم راہِ راست پر نہ آئی۔ آخر تھک ہار کر حضرت نوح علیہ السلام نے بارگاہِ رب العزت میں

Marfat.com

دعا کی فَقَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّ نَھَارًا اے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو شب و روز مسلسل دعوت دی فَلَمْ یَزِدْھُمْ دُعَآءِیْٓ اِلَّا فِرَارًا مگر میری دعوت نے ان لوگوں کے لیے کوئی اضافہ نہیں کیا، سوائے بھاگنے کے۔ یعنی یہ لوگ میری دعوت سے راہِ فرار ہی اختیار کرتے رہے ہیں تاکہ ان کے کان میں کلمہ خیر کی آواز تک نہ پڑے۔ میں نے جتنا زیادہ ان کو پکارا، یہ اتنا ہی بگڑے۔

یہاں پر لیل و نہار کا لفظ بتا رہا ہے۔ کہ تبلیغ حق کا فریضہ ادا کرنے کے لیے دن کا ہونا ہی شرط نہیں بلکہ رات اور دن جب بھی موقع میسر آئے تو یہ سلسلہ جاری رہنا چاہیئے۔ اسی لیے میں نے شب و روز ایک کر دیا، ہر آن ان کو دعوت الی الحق دی، زندگی کا کوئی لمحہ ضائع نہیں کیا۔ کیونکہ جو کسی کام میں متفکر ہوتا ہے۔ وہ کسی خاص وقت یعنی دن یا رات کا انتظار نہیں کرتا، بلکہ جب بھی موقع ملے اپنا فرض سرانجام دیتا رہتا ہے۔ میں نے ان کو جس قدر نرمی کے ساتھ بلایا یہ اتنے ہی سخت ہو گئے۔ اے مولا کریم! میں نے ان کو دن کو تبلیغ کی، رات کو تبلیغ کی۔ ان کو عام مجمعے میں بھی بلایا اور تنہائی میں بھی بات کی خوشی کے موقعہ پر بھی توجہ دلائی اور غمی کے حال میں بھی ان کی راہنمائی کی کوشش کی مگر انہوں نے میری ایک نہیں مانی۔ انہوں نے سوائے بھاگنے کے اور کچھ نہیں کیا۔

دعوتِ حق سے بیزاری

وَاِنِّیْ کُلَّمَا دَعَوْتُھُمْ اور جب بھی میں نے ان کو بلایا لِتَغْفِرَ لَھُمْ تاکہ اے پروردگار تو ان کی بخشش فرمادے، یہ ایمان قبول کر لیں اور توحید کو اختیار کر لیں، میری دعوت کا مقصد یہی تھا تو جَعَلُوْٓا اَصَابِعَھُمْ فِیْٓ اٰذَانِھِمْ تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں تاکہ نوح علیہ السلام کی کوئی بات ان کے کانوں تک نہ پہنچ سکے۔ وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَھُمْ اور اپنے کپڑے سمیٹنے لگے۔

کپڑے سمیٹنے کا مقصد کسی کام سے اپنے آپ کو الگ کر لینا ہے کہ یہاں سے کھسک جاؤ کسی کی بات نہ سنو۔ کپڑے سمیٹنے کا یہ معنیٰ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر کان انگلیوں سے بند نہ ہو سکتے ہوں، تو ان میں کپڑا ٹھونس لیا جائے تاکہ کسی صورت بات کان میں نہ پڑ جائے۔ یا کپڑا اوپر ڈال لینا تاکہ رکاوٹ بن جائے اور بات کان تک نہ پہنچ سکے۔ اگر اس سے مراد کپڑا اوڑھ کر لیٹ جانا لیا جائے تو یہ بھی بیزاری کا اظہار ہے۔ نفرت کرنا ہے بھاگنے کی کوشش ہے۔ یہ ساری باتیں اس میں آجاتی ہیں۔

باطل عقیدے پر اصرار اور تکبر

فرمایا کہ انہوں نے کان بند کر لینے پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ وَاَصَرُّوْا انہوں نے اصرار کیا اور ضد

Marfat.com

کی کہ ہم تو اپنا عقیدہ نہیں چھوڑیں گے۔ اور جس کی پرستش ہم کرتے ہیں اس کو ترک نہیں کریں گے۔ گویا انہوں نے کفر و شرک پر اصرار کیا۔ بلکہ اس کے علاوہ وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا۔ انہوں نے بڑا تکبر کیا۔

سورۃ ہود میں ہے کہ وہ نوح علیہ السلام کو کہتے تھے، تو بیوقوف آدمی ہے، جو خواہ مخواہ ہمیں ایسی باتیں کرتا ہے۔ سورۃ اعراف میں ہے اِنَّا لَنَرٰكَ فِیْ سَفَاهَةٍ کہتے تھے کہ تیرے جیسا بیوقوف آدمی ہی ایسی باتیں کرتا ہے۔ کہ صرف ایک خدا کی پرستش کرو، اپنے بزرگوں کو چھوڑ دو، اُن کی روحانیت سے استمداد نہ کرو۔ تو ہمیں اپنے طریقے سے برگشتہ کرنا چاہتا ہے۔ ہم تیری بات نہیں سنتے تو عقل مند آدمی نہیں ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ اے میری قوم کے لوگو! میں بیوقوف نہیں ہوں۔ خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تم غلطی پر ہو اور بیجا اصرار کر رہے ہو۔ تکبر کر رہے ہو، اور یہ تکبر ہی کا اظہار تھا کہ وَمَا نَرٰكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ یعنی تیرے پیچھے لگنے والے تو ہمارے کمی کمین لوگ ہیں۔ فلاں چوہدری نے نہیں مانا، فلاں خانصاحب نے تسلیم نہیں کیا۔ فلاں سردار نے تمہاری دعوت کو قبول نہیں کیا۔ صرف چند مزدور پیشہ لوگ تیرے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ جن کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہی اُن کا تکبر تھا۔ حالانکہ ابتداء میں انبیاء کے متبع ہمیشہ کمزور لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔ سارے نبیوں کی تاریخ یہی ہے۔ بڑے لوگ بعد میں مجبور ہو کر اسلام قبول کرتے ہیں۔

درسِ دوم — آیت ۸ تا ۹

ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ⑧ ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا ⑨

ترجمہ: پھر میں نے اُن کو برملا دعوت دی ⑧ پھر میں نے ان کو علی الاعلان دعوت دی۔ اور میں نے ان کو پوشیدہ طور پر بھی دعوت (توحید) دی ⑨

گذشتہ سے پیوستہ

پہلے رکوع میں اللہ تعالےٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ کا ذکر فرمایا ہے کہ کس طرح انہوں نے اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچایا۔ دوسرے رکوع میں مشرکین کے شرک اور اس کی مختلف صورتوں کا ذکر ہے اور آخر میں پھر منکرین کے لیے سزا کی دعا ہے۔ الغرض اس سورۃ میں نوح علیہ السلام کو بطور نمونہ پیش کیا گیا ہے۔ کہ انہوں نے کس طرح لوگوں تک خدا کا پیغام پہنچایا، اور اُن کی طرف سے دی گئی ایذاؤں اور پریشانیوں کو کس طرح برداشت کیا۔

اس سورۃ میں حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ کے پانچ طریقوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ پہلے درس میں ان پانچ میں سے دو طریقوں یعنی رات اور دن کی تبلیغ کا بیان آچکا ہے اور آئندہ باقی طریقوں کا ذکر ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام اور اُن کے پیروکار خدا کا پیغام اور اس کی وحدانیت کی تعلیم انہیں پانچ طریقوں سے دیتے رہے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے یہ سارے طریقے سینکڑوں سال تک اپنی قوم پر آزمائے مگر سوائے اسی ستر آدمیوں کے جو کشتی پر سوار ہوئے، اور کوئی ایمان نہ لایا سورۃ ہود میں ارشاد ربانی ہے۔ وَأُوحِيَ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَن يُؤْمِنَ مِن قَوْمِكَ إِلَّا مَن قَدْ آمَنَ یعنی اے نوح! تمہاری قوم میں سے سوائے ان اسّی لوگوں کے جو ایمان لاچکے، اور کوئی ایمان لانے والا نہیں ہے۔

اس کے بعد جب اپنی قوم سے بالکل مایوس ہوگئے تو اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں یہ دعا فرمائی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے تبلیغ کے سلسلے میں جس قدر محنت کی، اس کی تفصیل اسی دعا کے اندر ہی آرہی ہے۔ جیسا کہ پہلے درس میں گذر چکا ہے۔ آپ نے اپنی قوم کو دن کو بھی دعوت دی اور رات کو بھی دعوت مگر وہ بھاگتے رہے۔ اب آگے دوسرے ذرائع تبلیغ کا ذکر آرہا ہے۔

Marfat.com

برملا دعوت

دعوت الی الحق کا تیسرا طریقہ آپ نے یہ بتایا کہ ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا پھر میں نے اُن کو برملا دعوت دی۔ تبلیغ کا یہ بھی ایک طریقہ ہے۔ بعض اوقات برملا دعوت مؤثر ثابت ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کی سوچ اس قسم کی ہوتی ہے۔ کہ اگر اُن کو فرداً فرداً کوئی بات سمجھائی جائے تو وہ شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کہ کیا بات ہے، ہمیں اکیلے کیوں بتلایا جا رہا ہے۔ کہیں اس میں کوئی فاسد غرض نہ ہو۔ اس بات کا ذکر برملا کیوں نہیں کیا جا رہا۔ تو اس لیے نوح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی قوم کو برملا بھی دعوت دی۔ جیسا کہ سورۃ یونس میں ہے ثُمَّ لَا یَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَیْكُمْ غُمَّةً اے لوگو! میری بات صاف صاف سمجھ لو، اس کے بعد تمہارے دلوں میں شک و شبہ یا تاریکی نہیں رہنی چاہیئے۔ میری دعوت واضح ہے۔ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِیْعُوْنِ۔ یعنی عبادت صرف اللہ کی کرو۔ اُسی سے ڈرو اور میری بات مانو۔

الغرض حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم پر برملا دعوت کی حجت بھی پوری کر دی، کیونکہ رات کی دعوت میں گھر میں اکیلے آدمی اور علیحدگی کا تصور پایا جاتا ہے اور جہاراً میں عام مجمعہ میں علی الاعلان دعوت مقصود ہے۔ جو جو طریقے حضرت نوح علیہ السلام نے اختیار کیے، وہ سارے طریقے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی استعمال فرمائے۔ یعنی رات کو بھی تبلیغ کی، دن کو بھی، عام مجالس میں بھی کی، بازاروں اور منڈیوں میں دعوت دی، عام اجتماعات میں خدا کا پیغام سنایا۔

علی الاعلان دعوت

دعوت کا چوتھا طریقہ یہ بیان کیا کہ ثُمَّ اِنِّیْ اَعْلَنْتُ لَهُمْ پھر میں نے اُن کو علی الاعلان دعوت دی۔ علی الاعلان سے مراد ہے ڈونڈی پٹوا کر۔ جیسے کوئی اہم معاملہ ہو تو ڈونڈی پٹوائی جاتی ہے۔ اعلان کروایا جاتا ہے۔ اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام نے ڈونڈی پٹوا کر عام اعلان کے ذریعے لوگوں کو توحید کی دعوت دی۔ کہ خبردار ہو جاؤ، پھر نہ کہنا کہ ہمیں پتہ نہ چلا اب کان کھول کر اللہ کا پیغام سُن لو۔ مگر پھر بھی قوم پر کوئی اثر نہ ہوا۔

پوشیدہ طور پر دعوت

بعض لوگ نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اگر انہیں کوئی بات علی الاعلان کہی جائے یا اُن کی کسی خامی کا برملا اظہار کیا جائے تو وہ بُرا مان جاتے ہیں، نصیحت نہیں پکڑتے۔ اِسی حجت کو کو پورا کرنے کے لیے وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا۔ اے مولا کریم! میں نے اُن کو پوشیدہ طور پر بھی دعوت توحید دی۔

Marfat.com

امام احمدؒ کے متعلق مشہور ہے۔ کہ ایک دفعہ انہوں نے لمبی ٹوپی پہن رکھی تھی۔ ایک بے سمجھ آدمی آیا کہنے لگا ایک مسئلہ دریافت کرتا ہوں کہ حضورؐ نے ایسی لمبی ٹوپی پہنی تھی؟ یہ بات اس نے عام مجلس میں کی تاکہ امام صاحب کی خفت ہو جائے اور آپ مجمعے میں رسوا ہوں۔ اس بُری نیت سے سوال کیا۔ تو اس کے جواب میں امام صاحب نے فرمایا نَصَحْتَ اَمْ فَضَحْتَ تو نے نصیحت کی ہے یا رسوا کرنے کی کوشش کی ہے۔ یعنی یہ سوال برملا کر کے تم کیا مقصد حاصل کرنا چاہتے ہو۔ الغرض برملا بات میں بعض اوقات خفت اٹھانا پڑتی ہے۔ لہذا حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو پوشیدہ طور پر بھی تبلیغ کر کے انہیں راہِ راست پر لانے کی کوشش کی۔

تبلیغ کے پانچ اصول

الغرض حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا اللہ! میں نے دعوت الی الحق اور تبلیغ دین کے تمام طریقے استعمال کر لیے میں نے ان کو رات کو بھی دعوت دی اور دن کو بھی دعوت دی غرضیکہ روز میں جب بھی موقع ملا میں نے تیرا پیغام پہنچانے میں سُستی نہیں کی۔ پھر ان کو برملا مجالس میں بھی سمجھایا، اور علی الاعلان بھی خدا کا پیغام پہنچایا۔ میں نے ان کو تنہائی میں فرداً فرداً بھی تیرا پیغام سنایا، مگر ان پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

اصولِ تبلیغ کا اطلاق ہر زمانے پر ہوتا ہے

تبلیغ کے یہ پانچ اصول ہر زمانے کے ہر مبلغ کے لیے کار آمد ہیں۔ اگر کسی کو رات کو موقع ملتا ہے تو رات کو تبلیغ کا فریضہ سرانجام دے، خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچائے۔ مگر اس زمانے میں رات کے وقت تو ساری دنیا کھیل تماشے میں مصروف ہوتی ہے۔ چار ارب کفار و مشرکین کے علاوہ کلمہ گو بھی اسی رَو میں بہ رہے ہیں۔ لہو و لعب میں مصروف رہتے ہیں۔ عبادت کون کرتا ہے اور تبلیغ کون کرتا ہے دن کے وقت لوگوں کی اکثریت پیٹ کی ضروریات میں لگی رہتی ہے۔ ایسے کتنے آدمی ہوں گے جو محض رضائے الٰہی کے لیے لوگوں تک دین پہنچائیں جسے سمجھ کر نجات حاصل کر سکیں۔ حصولِ روزگار، معیشت، ملازمت، محنت یہ سب چیزیں جائز ہیں۔ مگر نوعِ انسانی کے لیے سب سے زیادہ اہم ضرورت کی طرف کوئی توجہ نہیں دے رہا ہے۔ جس سے لوگ فلاح پائیں۔

لاؤڈ سپیکر کا غلط استعمال

اب راتوں کو ہمارے ہاں کیا ہو رہا ہے۔ کیا یہ تبلیغ ہو رہی ہے۔ لاؤڈ سپیکر ایک نئی مصیبت آ گئی ہے۔ رات کو اس پر صلوٰۃ و سلام شروع کر دیا۔ یا مخالفوں کو کچلنے کے لیے بُرا بھلا کہنے لگے نغمہ بازی یا گانا بجانا شروع کر دیا۔ یہ کون سی تبلیغ ہے۔ کوئی پنجابی غزل ہو رہی ہے، کوئی اردو نغمہ گا رہا ہے، کوئی

پھر کر رہا ہے کوئی کچھ کر رہا ہے۔ اس سے کون سی اصلاح ہوتی ہے۔ کسی کے ذہن میں کوئی اچھی بات تو اترتی نہیں۔ جب اترے گی، بُری بات ہی، کیونکہ تبلیغ تو مقصد ہی نہیں محض اپنے فرقے اور اپنی پارٹی کی حمایت مقصود ہے یا پھر پیٹ پروری مطلوب ہے۔

عرب کہتے تھے فِی العِتَابِ حَیٰوۃٌ؟ دوسروں کو برا بھلا کہنے میں زندگی ہے لہٰذا بعض لوگوں کی اللہ تعالےٰ نے روزی ہی علمائے دیوبند کو گالیاں دینے میں رکھی ہے۔ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کو دو سو سال ہو گئے ہیں۔ مگر آج تک لوگ انہیں گالیاں دے کر روزی کھا رہے ہیں۔ تبلیغ کا کوئی پروگرام نہیں۔ بس مخالفین کو گالیاں دو اور اپنا پیٹ بھرو۔ یہ تو ضمناً بات آگئی تھی حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ہاں تبلیغ کا کوئی معقول طریقہ ہی نہیں ہے۔ اگر لاؤڈ سپیکر ہی استعمال کرنا ہے تو کوئی اچھی بات تو کرو۔ یہ کون سی نیکی ہے کہ لاؤڈ سپیکر کھول کر دوسروں کی نمازیں خراب کرو۔ اُدھر نماز ہو رہی ہے، اُدھر وہ درس دے رہے ہیں۔ ایک مسجد میں درس ہو رہا ہے، اور دس بیس مسجدوں میں نمازیں خراب ہو رہی ہیں۔ کسی کو کوئی پرواہ نہیں۔

عبادت میں خلل

حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے، پڑوسی کو مت ستاؤ۔ چہ جائیکہ عبادت کے اندر لوگوں کو ستایا جائے۔ بعض اوقات لاؤڈ سپیکر کے غزغز کی آواز ایسی آتی ہے کہ نمازوں کے دوران پتہ ہی نہیں کہ امام کیا پڑھ رہا ہے اور مقتدی کیا سن رہے ہیں۔ رکوع و سجود میں گڑبڑ ہو جاتی ہے۔ یہ کوئی نیکی نہیں بلکہ مصیبت ہے۔ یہ لوگ عذاب میں مبتلا ہیں۔ کیا خاک ترقی کی ہے۔ کوئی نماز نہیں پڑھ سکتا، کوئی تلاوت نہیں کر سکتا۔ دن میں بھی ہو رہا ہے۔ رات کو بھی بارہ بجے تک جاری ہے۔ کیا دعوتِ لیل و نہار کا یہی مقصد تھا۔ کہ دوسروں کی عبادت میں خلل ڈالا جائے۔ گانا بجانا ہو اور گالیاں دی جائیں۔ دن کو پیٹ کا دھندا ہے اور رات کو لہو و لعب میں مبتلا ہیں۔

عناد و تعصب دین نہیں

جب کہیں جلسہ ہوتا ہے، یا ملا تقریر ہوتی ہے، تو وہاں بھی یہی چیز ہے جس طرح ممکن ہو مخالفین کو ذلیل کرو۔ خدا راضی ہو یا نہ ہو مگر اپنی پارٹی اور اپنے فرقہ کو قائم رکھو۔ کسی کو فائدہ ہو یا نہ ہو، کسی کے عقیدے کے خلاف ہو یا حق میں کوئی جائے جہنم میں، تم اپنا مطلب پورا کرو۔ یہ سمجھتے ہیں کہ دین کی خدمت کر رہے ہیں۔ یاد رکھو تعصب اور عناد کوئی دین نہیں۔ حضور ؐ نے اخلاقِ حسنہ کی تعلیم دی ہے۔ وہ شخص کامل الایمان نہیں، جو پڑوسیوں کو ستاتا ہے یہ نماز کے دوران بھی شور کر رہے ہیں

Marfat.com

ہیں، یہ کون سا دین ہے۔

نمازی کے آگے سے گذرنا سخت گناہ ہے

تبوک کے واقعہ میں آتا ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص آگے سے گذر گیا۔ نماز میں خلل واقع ہوگیا۔ آپ نے اس کے لیے بد دعا فرمائی کہ خدا کرے تو اپنی ٹانگوں سے چل نہ سکے۔ وہ آدمی لنگڑا ہوگیا تھا۔ اُس نے حضورؐ کو ایذا پہنچائی تھی۔ مرتے دم تک ٹھیک نہ ہوا۔ یہ روایت ابوداؤد میں موجود ہے۔

نمازی کے آگے سے گذرنے والا مسئلہ بھی اہم ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ کوئی شخص چالیس سال یا چالیس دن تک کھڑا رہے تو یہ اس کے لیے نمازی کے آگے سے گذرنے سے بہتر ہے۔ ہاں اس طرح نمازی کی نماز میں فرق نہیں آئے گا۔ البتہ گذرنے والا گنہگار ہوگا۔ نماز ہو جائے گی۔ اسی لیے اگر کھلی جگہ میں نماز پڑھ رہا ہے تو آگے سُترہ رکھنے کا حکم ہے تاکہ نماز سکون کے ساتھ ادا کی جا سکے۔

دین قیامت تک قائم رہے گا

اَعْلَنْتُ لَهُمْ کے مطابق تبلیغ دین کا ایک طریقہ علی الاعلان بھی ہے۔ مگر یہاں تبلیغ کی بجائے لہو و لعب، فحاشی اور عریانی کا اعلان ہوتا ہے۔ تانگے کے پیچھے سینما کا اشتہار باندھ کر فحاشی پھیلائی جا رہی ہے تبلیغ دین کا اعلان کون کرتا ہے۔ کیا حکومت یہ فریضہ انجام دے رہی ہے۔ دین ایک سچی حقیقت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے دین قیامت تک مٹے گا نہیں اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو کھڑا کرتا رہے گا۔ جو دین پر خود بھی قائم رہیں گے اور دعوت بھی دیتے رہیں گے۔ مخالفوں کی ایذائیں بھی برداشت کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ قیامت برپا ہو جائے گی۔ مگر اس زمانے میں حکومتیں کیا کر رہی ہیں، پارٹیاں کیا کر رہی ہیں۔ دولتمند یہ خدمت کہاں تک سرانجام دے رہے ہیں۔ دین کی کونسی دعوت دے رہے ہیں۔ کس بات کا اعلان کر رہے ہیں۔ اسی طرح اَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا۔ کے مصداق پوشیدہ طور پر تبلیغ کا کیا حق ادا کر رہے ہیں۔

اُسوۂ حسنہ پر عمل کا فقدان

بہرحال تبلیغ کے یہ پانچوں طریقے نوح علیہ السلام نے اپنی قوم پر آزمائے۔ اور ان کا ذکر اپنی دعا میں کیا۔ یہی پانچ طریقے تمام امتوں پر لاگو ہیں۔ مگر کیا آج کا مسلمان ان پر عمل درآمد کر رہا ہے۔ مناسب تو یہ تھا کہ اَعْلَنْتُ لَهُمْ کے مطابق مسلمان ساری دنیا میں کلمہ حق کا اعلان کرتے مگر یہ منافقت میں مبتلا ہیں۔ کہتے ہیں کہ حضور کا اسوۂ حسنہ سب سے بہتر ہے۔ پھر اسے قبول کیوں نہیں کرتے۔ حضور کا اسوۂ حسنہ عبادت میں پکڑو، نکاح طلاق میں پکڑو۔ سیاست میں

Marfat.com

پکڑو۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طور طریقہ سب سے افضل ہے تو پھر اس پر عمل کیوں نہیں کرتے۔ ہمارے ہاں کیا ہو رہا ہے۔ وزیر اکٹھے ہوئے اسلام کی سربلندی کی باتیں ہوئیں۔ پندرھویں صدی ہجری کی تقریبات کا اعلان ہوا۔ ان تقریبات سے کس قدر فائدہ ہوا۔ جب کہ اسلام کے اصولوں پر عمل ہی نہیں ہے۔ عقیدہ درست نہیں ہے۔ دماغوں میں کفر و شرک بھرا ہوا ہے۔ بدعملی اور عیاشی کا دور دورہ ہے فحاشی پائی جاتی ہے۔ لہو و لعب میں مبتلا ہیں۔ مگر زبان سے کہتے ہیں کہ اسلام سچا مذہب ہے اگر واقعی سچا مذہب ہے تو پھر اس پر عمل کر کے کیوں نہیں دکھاتے۔

قول و فعل میں تضاد

برناڈشا بڑی مشہور انگریز شخصیت ہوئی ہے۔ وہ اسلام کی بڑی تعریف کیا کرتا تھا۔ مولوی ظفر علی خاں مرحوم لندن گئے، برناڈشا سے ملاقات ہوئی تو اس نے اسلام کی بڑی تعریف کی۔ ظفر علیخاں جذباتی آدمی تو تھے ہی، کہنے لگے اگر اسلام ایسا سچا دین ہے تو پھر تم اسلام قبول کیوں نہیں کر لیتے برناڈشا نے مولوی صاحب کو ڈانٹ دیا کہ تم مجھے اسلام کی دعوت دیتے ہو۔ پہلے خود اسلام پر کاربند ہو کر آؤ۔ تمہارا خود اسلام پر عمل نہیں ہے، مجھے کیا دعوت دیتے ہو۔ میں تم سے اسلام کو زیادہ جانتا ہوں۔ پہلے صحابہ کرامؓ جیسے بن کر آؤ۔ پھر مجھے دعوت دینا۔ تمہارے قول و فعل میں تضاد ہے۔

اسلام کے نام پر الحاد کی تبلیغ

مسلمانوں کا فرض تھا کہ وہ ساری دنیا میں توحید کا اعلان کرتے، اسلام کی دعوت دیتے۔ مگر اب تو کوئی اعلان بھی نہیں کر سکتا۔ بیرونی ممالک میں وفد جاتے ہیں۔ طلبار بھی جاتے ہیں۔ مگر لہو و لعب کے لیے۔ شراب نوشی اور رنڈی بازی کے لیے۔ یہ دوسروں کو کیا ٹھیک کریں گے، خود رگ و ریشے میں یہودیت، نصرانیت اور الحاد لبا ہوا ہے۔ نام مسلمانوں جیسے ہوتے ہیں، کام سارا یہود و نصاریٰ اور الحاد کا کرتے ہیں۔ وہاں سے کیا سیکھ کر آتے ہیں۔ یہ کیا اعلان کریں گے۔

پوشیدہ طور پر بھی وہی دعوت دے گا۔ جس کے دل میں کوئی ہمدردی ہے اور جسے اپنے دین کی حقانیت پر یقین ہے کہ اس سے بہتر کوئی دین نہیں، ہم اگر کسی کو سمجھائیں گے، کسی کا بھلا کریں گے، تو ہمیں بھی فائدہ پہنچے گا فَذَكِّرْ إِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى آپ ان کو نصیحت کریں، ان کو خواہ فائدہ دے یا نہ دے، آپ کو ہر حالت میں یہ نصیحت فائدہ پہنچائے گی۔ آپ کا فریضہ ادا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں درجات بلند ہوں گے۔

یہ اُس دعوت کا ذکر ہے جو نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو دی اور جو ان کی دعا کے اندر آئی ہے۔ ۱۰ اگلی آیات میں ان باتوں کا ذکر ہے، جو نوح علیہ السلام نے لوگوں سے کیں۔ اور بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے ہیں کہ میں نے یہ یہ باتیں اپنی قوم کے لوگوں کو سمجھائیں، شاید کہ وہ میری بات سمجھ جائیں۔

درسِ سوم

آیت ۱۰ تا ۲۰

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۖ إِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ﴿١٠﴾ يُّرْسِلِ
السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ﴿١١﴾ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ
وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴿١٢﴾ مَا لَكُمْ
لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿١٣﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿١٤﴾
اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿١٥﴾ وَّجَعَلَ
الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿١٦﴾ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ
مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿١٧﴾ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ
اِخْرَاجًا ﴿١٨﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴿١٩﴾ لِّتَسْلُكُوْا
مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿٢٠﴾ ع ۱ / ۹

ترجمہ: پھر میں نے انہیں کہا۔ اپنے ربّ سے استغفار کرو وہ بہت بخشش کرنے والا ہے
(۱۰) اللہ تعالےٰ چھوڑ دیگا آسمان کو کہ موسلا دھار بارش برسائے (۱۱) اور بڑھا دیگا تمہارے لیے مال اور بیٹے اور تمہارے لیے باغات کے پھل تیار کر دیگا
اور تمہارے لیے نہریں بنا دیگا (۱۲) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالےٰ کے وقار سے خوف نہیں کھاتے
(۱۳) اور اللہ تعالےٰ نے تمہیں مختلف طریقوں (دوروں) میں پیدا کیا (۱۴) کیا تم نہیں دیکھتے
کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو کیسے تہ بر تہ پیدا کیا (۱۵) اور ان آسمانوں کے اندر چاند کو نور
بنایا اور سورج کو روشن چراغ بنایا (۱۶) اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین سے بطور نباتات پیدا کیا (۱۷)
پھر تمہیں زمین میں واپس لوٹائے گا اور پھر اسی سے دوبارہ نکالے گا (۱۸) اور اللہ تعالیٰ نے
تمہارے لیے زمین کو فرش بنا دیا (۱۹) تاکہ اس کے کشادہ راستوں پر تم چل سکو (۲۰)

گذشتہ سے پیوستہ

یہ سورۃ نوح ہے۔ اور ان دروس میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کا ذکر ہے۔ جو انہوں نے تھک ہار کر بارگاہِ الٰہی میں پیش کی کہ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا۔ یعنی اے پروردگار میں نے اپنی قوم کو شب و روز دعوت دی مگر میرے بلانے پر وہ اور زیادہ بھاگنے لگے۔ انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور کپڑے سمیٹ لیے، اصرار اور تکبر کیا۔ میں

نے ان کو برملا بھی دعوت دی اور پوشیدہ طور پر بھی نصیحت کی، علی الاعلان بھی تبلیغ حق کی مگر انہوں نے میری کسی بات کو نہیں مانا۔

استغفار کی ترغیب

آخر میں میں نے انہیں یہ بھی کہا فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اپنے رب سے استغفار کرو، معافی مانگو کیونکہ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا وہ بہت بخشش کرنے والا ہے۔ استغفار کا معنی بخشش مانگنا، ڈھانپ لینا پردہ پوشی کرنا ہے۔ مطلب یہ کہ تم ایمان قبول کر لو، تو اللہ تعالٰے تمہاری کوتاہیوں کو معاف کر دیں گے۔ کفر و شرک کو چھوڑ دو کیونکہ ان کی موجودگی میں معافی کی کوئی گنجائش نہیں۔ جب کفر و شرک سے باز آجاؤ گے تو بخشش کے اہل بن جاؤ گے اللہ تعالٰے تمہاری باقی تمام کوتاہیوں سے درگذر فرما دیگا۔

حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے اَلْاِسْلَامُ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ اسلام لانے سے سابقہ کوتاہیاں معاف ہو جاتی ہیں۔ اسلام لانے سے پہلے کتنا بھی بڑا جرم ہو مگر جب وہ کفر و شرک سے مجتنب ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ تو اس کی سابقہ تمام کوتاہیاں معاف ہو جاتی ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اپنے رب سے معافی مانگو، وہ بڑا بخشنے والا ہے تمہیں معاف فرما دے گا۔

استغفار کی برکات

فرمایا اگر تم استغفار کرو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا اللہ تعالٰی آسمان کو چھوڑ دیگا کہ تم پر موسلا دھار بارش برسائے۔ وَيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ اور بڑھا دے گا تمہارے لیے مال اور اولاد وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ اور تمہارے لیے باغات کے پھل تیار کر دے گا۔ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا اور تمہارے لیے نہریں بنا دیگا۔ یہ تمام چیزیں تمہیں میسر آجائیں گی۔ بشرطیکہ تم اللہ تعالٰے سے معافی مانگ لو

بارش کے لیے استغفار

بارش کے باب میں بھی ایسا ہی آتا ہے۔ بارش رک جائے، قحط پڑ جائے تو استغفار کیا جائے ایک دفعہ لوگوں نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا، قحط سالی ہے، بارش نہیں ہو رہی ہے تو آپ نے استغفار کیا اور لوگوں سے بھی استغفار کرنے کو کہا۔ کسی نے کہا کہ حضور علیہ السلام نے استغفار کیا ہے اور اس کی تعلیم دی ہے۔ تو اس کا کیا مطلب ہے۔ تو آپ نے یہی آیت پڑھی۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے

Marfat.com

ہیں۔ استسقاء کی حقیقت یہ ہے کہ انسان خدا سے گناہوں کی معافی مانگے، اور دعا کرے کہ مولا کریم! ہماری کوتاہیاں معاف فرمادے اور اس کے نتیجے میں ہم پر اپنی رحمت نازل فرما۔

نمازِ استسقاء کی حقیقت

یہ عام طریقہ ہے۔ کہ جب بارش نہ ہو رہی ہو تو کھلے میدان میں نکل کر دو رکعت نماز استسقاء ادا کی جاتی ہے۔ اور اس کے بعد بارش کی دعا کی جاتی ہے۔ تاہم استسقاء کی حقیقت اتنی ہے۔ کہ گناہوں کی معافی طلب کی جائے۔ اگر دو نفل پڑھ لیے جائیں تو فبہا، اگر نفل نہ بھی پڑھے جائیں تو یہ ضروری نہیں ہیں۔ یہ مستحبات میں ہے۔ مقصد استغفار اور دعا ہے۔ بعض اوقات فرض نماز کے بعد بارش کے لیے دعا کر لی جاتی ہے۔ حضور علیہ السلام خطبہ ارشاد فرمارہے تھے۔ ایک آدمی نے آکر شکایت کی کہ حضرت! پانی نہیں مل رہا ہے۔ جانور ہلاک ہو رہے ہیں۔ تو آپ نے خطبے کے دوران ہی بارش کے لیے دعا فرمادی تھی۔

ہر پریشانی کا حل۔ استغفار

حضرت حسن بصریؒ سے ایک روایت منقول ہے۔ کہ ان کے پاس مختلف قسم کے لوگ آئے۔ کسی نے کہا کہ حضرت! قحط سالی ہو رہی ہے۔ آپ نے فرمایا استغفار کرو۔ دوسرے شخص نے کہا کہ میری بیوی بانجھ ہوگئی ہے بچہ نہیں جنتی۔ فرمایا۔ استغفار کرو۔ ایک اور شخص کہنے لگا۔ ہماری کھیتی باڑی خراب ہوگئی، فصل نہیں دیتی۔ آپ نے اس کو بھی فرمایا، استغفار کرو۔

الغرض مختلف قسم کی پریشانی والے لوگوں کو آپ نے ایک ہی جواب دیا کہ استغفار کرو۔ تو ایک شاگرد نے دریافت کیا۔ کہ حضرت آپ نے سب کو ایک ہی جواب دیا۔ تو فرمانے لگے کہ یہ قرآن پاک کا مفہوم ہے۔

کیا حضرت نوح علیہ السلام نے نہیں فرمایا تھا کہ اپنے رب سے استغفار کرو اس کے بدلے میں بارش برسے گی، مال اور اولاد میں برکت ہوگی اور پانی کی سیرابی نصیب ہوگی۔ ان لوگوں نے یہی چیزیں تو طلب کی تھیں، لہذا میں نے ان کو ایک ہی جواب دیا کہ اپنے رب سے استغفار کرو۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

بعض اوقات لوگ ایمان بھی لاتے ہیں، استغفار بھی کرتے ہیں، مگر ان کی پریشانیاں دور نہیں ہوتیں۔ بارش نہیں ہوتی، اولاد نہیں ملتی یا کوئی اور پریشانی دور نہیں ہوتی۔ تو اس اشکال کا جواب کیا ہے؟ حالانکہ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم استغفار کرو تو تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے، بارش ہوگی، اولاد ہوگی، مال کی فراوانی ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ اس ضمن میں مولانا شاہ اشرف علی

Marfat.com

تھانویؒ فرماتے ہیں۔ کہ استغفار کے صلے میں مطلوبہ مقاصد کا حصول محض قوم نوح کے لیے تھا، عام اقوام کے لیے نہیں تھا۔ مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں چالیس سال تک قحط مسلط رکھا، عورتیں بانجھ ہوگئیں اور ان لوگوں کو دیگر پریشانیاں لاحق ہوگئیں تو حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں یہ نسخہ بتایا تھا۔ یہ خصوصیت اسی قوم کے لیے تھی۔

استغفار سے روحانی خوشی

یہ بھی فرماتے ہیں کہ ایمان اور استغفار کا نتیجہ یقیناً اچھا ہوتا ہے اس کے نتیجے میں یا تو مطلوبہ چیز مل جاتی ہے یا اس سے بہتر کوئی چیز حاصل ہو جاتی ہے۔ جو شخص استغفار کرے گا، اسے روحانی خوشی یقیناً حاصل ہوگی۔ یا پھر رضا بالقضا کی صورت میں نہایت اچھا صلہ میسر آئے گا اگر اسے روحانی خوشی حاصل ہو جائے یا اللہ تعالےٰ کے فیصلہ پر راضی ہو جانے کی سعادت نصیب ہو جائے تو یہ مال، اولاد اور بارش سے یقیناً بہتر ہے۔

استغفار کی کثرت کا حکم

اسی لیے کثرت سے استغفار کرنے کا حکم ہے۔ صحابہ کرام بیان فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات ایک ایک مجلس میں سو سو دفعہ استغفار کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ تَوَّابٌ غَفُوْرٌ، تَوَّابٌ رَحِیْمٌ، اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔ فرمایا جو سچے دل سے یہ سید الاستغفار پڑھے گا، تو اس کے گناہ اگر سمندر کی جھاگ کے برابر بھی ہوں گے، تو خدا تعالےٰ معاف فرمائے گا۔ اس میں اسم اعظم بھی ہے۔ اس کے علاوہ جتنے بھی استغفار کے الفاظ ہیں ان کے پڑھنے سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ شرط یہ ہے۔ کہ محض زبانی رٹ نہ لگائے بلکہ دل کی گہرائیوں سے استغفار کے الفاظ پڑھے گا تو اللہ تعالےٰ اس کی کوتاہیوں سے درگذر فرمائیں گے۔

فوت شدہ والدین کے لیے استغفار

بیہقی شریف کی روایت میں ہے۔ کہ مرنے والے لوگ منتظر رہتے ہیں کہ ان کے لیے کوئی دعا کرے یا صدقہ خیرات کرے۔ جب ان چیزوں کا ثواب انہیں پہنچتا ہے تو انہیں بڑی راحت ہوتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ کہ ایک شخص کو اپنے اعمال کی نسبت سے زیادہ بلند درجہ حاصل ہوگا۔ اس کو تعجب ہوگا اور وہ عرض کرے گا، باری تعالےٰ! میرے اعمال تو اس قابل نہیں تھے جس قدر درجہ تو نے مجھے عطا کیا۔ تو اللہ تعالےٰ ارشاد فرمائیں گے بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِکَ لَکَ یہ درجہ تجھے تیرے بیٹے کے استغفار کرنے کے صلے میں عطا ہوا ہے وہ تیرے لیے بخشش

Marfat.com

مانگتا ہے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ اسی لیے حضور علیہ السلام نے تعلیم دی کہ اپنے ماں باپ کے لیے استغفار کیا کرو۔ تاکہ اُن کے گناہ معاف ہوں اور درجات بلند ہوں۔ استغفار ایسا مفید وظیفہ ہے۔ ہر لائق بیٹا اپنے ماں باپ کے لیے استغفار کرتا ہے۔

استغفار گناہوں کی میل دور کرتا ہے

قرآن پاک میں استغفار کا بیان کثرت سے آیا ہے۔ مَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ اللہ کے سوا گناہوں کو کون معاف کرنے والا ہے؟ معافی دینے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے۔ انسان کو عاجزی اور کثرت سے استغفار کرنی چاہیئے۔ بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ استغفار تسبیح وتہلیل سے بھی زیادہ کرنی چاہیئے۔ کیونکہ استغفار انسان کے گناہوں کو اس طرح دور کرتی ہے جس طرح صابن کپڑے کے میل کچیل کو دور کرتا ہے۔ تسبیح تو بمنزلہ خوشبو کے ہے۔ اگر استغفار سے میل کچیل دور ہو جائے تو تسبیح وتہلیل کی تھوڑی سی خوشبو بھی بڑی مفید ثابت ہوگی۔ اور انسان کی روح نکھر جائیگی۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد بھی ہے۔ کہ استغفار کثرت سے کرنی چاہیئے۔ اس کے صلے میں دنیا میں خیر و برکات حاصل ہوں گی۔ اگر یہ نہ مل سکیں تو اس سے بہتر نعمت یعنی روحانی مسرت تو ضرور حاصل ہوگی۔ قیامت میں نیکیوں کا ذخیرہ میسر آئے گا۔ اور اگر رضا بالقضاء کا مقام حاصل ہوگیا تو بندہ بہت بلند مقام پر چلا گیا۔

ہر نبی کا وظیفہ استغفار

حضرت نوح علیہ السلام کی دعا میں بیان کردہ جس طرح تبلیغ کے طریقے تمام لوگوں کے لیے قابلِ عمل ہیں۔ اسی طرح طریقہ استغفار بھی تمام ہی نوع انسان کے لیے واجب العمل ہے۔ تمام انبیاء کرام نے استغفار کا طریقہ اپنایا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس پر عمل کرتے رہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا رَبِّ اغْفِرْلِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ۔ اے پروردگار! فیصلے کے دن میری غلطیوں کو معاف فرمادے تو گویا استغفار کرنے کا۔ معافی مانگنے کا دستور العمل بھی بتایا جارہا ہے کہ تمام انسان اس طرح اپنے پروردگار سے کوتاہیوں کی معافی طلب کریں۔ اس کے بہت مفید نتائج برآمد ہوں گے۔

دلائل توحید

استغفار کی حقیقت اور اس سے حاصل ہونے والے فوائد کا ذکر کرنے کے بعد اگلی آیات میں توحید کے دلائل سمجھائے جارہے ہیں۔ ان میں سے کچھ دلائل کا تعلق انسان کے اپنے وجود سے ہے اور کچھ خارجی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ مقصد ان دلائل سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت

Marfat.com

اور اُس کی قدرتِ تامہ فوراً سمجھ میں آجائے۔ فرمایا۔ مَا لَکُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰہِ وَقَارًا۔ تمہیں کیا ہوگیا ہے۔ کہ اللہ کے وقار سے خوف نہیں کھاتے۔ رجا کا معنیٰ امید بھی ہوتا ہے اور خوف بھی یہاں پر یہ دونوں معنیٰ لگتے ہیں۔ یعنی تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی بزرگی، وقار اور اس کی عظمت سے نا امید رکھتے ہو۔ نہ خوف کھاتے ہو اور نہ ایمان قبول کرتے ہو۔

تخلیقِ انسانی

دلائل توحید کے سلسلے میں پہلے انسان کی پیدائش کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا وَقَدْ خَلَقَکُمْ اَطْوَارًا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں مختلف طریقوں سے پیدا فرمایا۔ ذرا غور کرو کہ تمہاری پیدائش کس طرح ہوئی۔ ایک زمانہ تھا جب تم کچھ بھی نہیں تھے، جیسا کہ سورۃ دھر میں ہے ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّھْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا۔ تم کوئی قابلِ ذکر چیز نہ تھے۔ پھر اللہ تعالےٰ نے ابتدا میں عناصر کی شکل میں انسان کی تخلیق کی۔ یہ غذا جو انسان کھاتا ہے، یا مٹی وغیرہ یہ عناصر (ELEMENTS) ہیں۔ پھر انسان کو غذا ملی۔ اور اللہ تعالےٰ نے اس کے جسم میں مختلف مواد پیدا کیے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا، کیا تم غور نہیں کرتے ا ہم نے تمہیں مٹی سے بنایا۔ اور پھر نسلِ انسانی کو قطرۂ آب سے پیدا کیا۔ پھر قطرۂ آب میں تبدیلیاں پیدا کیں، پھر اس کو گوشت میں تبدیل کیا پھر اس میں ہڈیاں پیدا کیں۔ اور پھر اس کے اوپر چمڑا لگا دیا۔ اعضاء بنا دیئے فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ اب کہاں عناصر اور کہاں انسان جیسی ہستی۔ فَجَعَلْنٰہُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا اسے سننے اور دیکھنے والا بنا دیا۔ قرآن پاک نے جگہ جگہ انسان کی توجہ اُس کی پیدائش کی طرف دلائی ہے۔ فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ۔ انسان اپنی وجہِ تخلیق کی طرف غور کرے کہ وہ کیا تھا اور اللہ تعالےٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے کیا بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل کے طور پر تخلیقِ انسانی ایک بہترین دلیل ہے۔

علاوہ ازیں، انسان کا صرف وجود ہی تخلیق نہیں کیا، بلکہ اس میں ظاہری اور باطنی قویٰ پیدا کیے۔ باطنی قویٰ میں روح، نفس، عقل اور دیگر باطنی حواس رکھے۔ ان میں جتنے لطائف ہیں وہ بلند سے بلند چلے جاتے ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ آخری لطیفہ نور القدس سے بھی بڑھ کر حجرِ بحت ہے جس کے اندر تجلی الٰہی کا نمونہ ہوتا ہے۔ جہاں تک ظاہری قویٰ کا تعلق ہے، قرآن پاک کے الفاظ میں اللہ تعالےٰ نے انسان سے زیادہ حسین و جمیل کوئی چیز پیدا نہیں کی۔ اللہ تعالےٰ

Marfat.com

نے سب سے احسن شکل و صورت انسان کو عطا کی۔ تو گویا یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل ہیں۔

آسمانوں کی تخلیق

انسانی تخلیق کے بعد آسمانوں کی تخلیق کو دوسری دلیل کے طور پر پیش کیا اَلَمْ تَرَوْا کَیْفَ خَلَقَ اللّٰہُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو کیسے تہ بر تہ پیدا کیا۔ جو آسمان ہمیں نظر آتا ہے۔ یہ آسمانِ دنیا ہے جس کو اللہ نے ستاروں اور سیاروں سے مزین فرمایا۔ سورۃ ملک میں ارشاد ہے زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ آسمانِ دنیا کو ہم نے چراغوں سے زینت بخشی۔ اِن کے حسن و جمال کا مشاہدہ کرنا ہو تو رات کے اندھیرے میں کرو۔ باقی چھ آسمان اِس سے اوپر تہ بر تہ ہیں۔ اور سب سے اوپر بہشت ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی واحدنیت کی نشانی ہے۔

شمس و قمر کی ضیا پاشیاں

آسمانوں کا ذکر کرنے کے بعد چاند اور سورج کی تابانیوں کو بطور دلیل پیش کیا ارشاد ہوتا ہے۔ وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِیْهِنَّ نُوْرًا اور اِن آسمانوں کے اندر چاند کو نور بنایا۔ چاند کی دھیمی دھیمی اور میٹھی میٹھی چاندنی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کئی مفاد وابستہ کر رکھے ہیں۔ پھلوں میں رطوبت، رس اور مٹھاس چاند کی مرہونِ منت ہے۔ اور پھر اندھیری راتوں میں روشنی کا مینار بھی ہے۔ اسی طرح سورج کے متعلق فرمایا وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا۔ اور سورج کو روشن چراغ بنایا۔ اس کی روشنی اور حرارت میں بے شمار مفاد ہیں۔ حیوانات، نباتات، جمادات ہر چیز کے لیے سورج کی حرارت اور روشنی لازمی ہے۔ ورنہ کوئی چیز باقی نہیں رہے گی۔

اب تو سائنس کا زمانہ ہے۔ ایٹمی دور ہے۔ انسان سورج کی شعاؤں سے بہت کام لینے لگا ہے۔ جوں جوں تیل کے ذخائر ختم ہو رہے ہیں انسان سائنسی ترقی کی طرف گامزن ہے۔ اب سورج کی شعاؤں سے گھروں میں چولہے گرم کیے جائیں گے۔ کھانا پکایا جائے گا اور بے شمار کام لیے جائیں گے جس دن سے اللہ تعالیٰ نے سورج کو پیدا کیا، اس کا خزانہ برابر چل رہا ہے۔ انسان جن ذخائر کو نکالتا ہے وہ کبھی نہ کبھی ختم ہو جاتے ہیں۔ مگر اللہ نے سورج میں روشنی اور حرارت کا ایسا خزانہ رکھا ہے کہ جب تک نظام شمسی (SOLAR SYSTEM) کو قائم رکھنا منظور ہے، یہ چلتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک دن آئے گا جب سورج کو بے نور کر دیا جائے گا۔ اس کی تمام طاقتیں چھین لی جائیں گی۔ جیسا فرمایا اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ یعنی جب سورج کو لپیٹ دیا جائے گا۔

فرمایا جو شخص چاند اور سورج کی ضیا پاشیاں اور ان سے مستفید ہو کر بھی ان سے دلیل نہیں پکڑتا اور اللہ کی واحدانیت پر ایمان نہیں لاتا، وہ بالکل عقل کا اندھا ہے اُسے ذرا بھی تمیز نہیں۔

انسان ہر حالت میں زمین سے وابستہ ہے

اگلی دلیل کے طور پر فرمایا، ذرا غور کرو وَاللّٰهُ اَنۡۢبَتَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ نَبَاتًا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین سے بطور نباتات پیدا کیا۔ انسان کی ابتدا بھی مٹی سے ہوئی اور پھر اس کی خوراک کا ذریعہ بھی زمین ہی کو بنایا۔ انسان کی غذا کو زمین سے پیدا کیا۔ اگر غذا ہی نہ ہوگی تو مواد کہاں ہوں گے۔ مواد نہیں تو خون پیدا نہیں ہوگا۔ اور انسانی زندگی باقی نہیں رہے گی۔ گویا تخلیق اور زندگی کی بقا کا انحصار زمین پر ہے۔

زمین کی وابستگی یہیں ختم نہیں ہو جاتی، بلکہ ثُمَّ يُعِيۡدُكُمۡ فِيۡهَا پھر تمہیں زمین ہی واپس لوٹائے گا۔ جب مقررہ وقت پر انسان کی موت واقع ہوگی تو زمین میں ہی دفن ہوگا جیسا سورۃ عبس میں فرمایا ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقۡبَرَهٗ۔ پھر موت دی اور قبر میں ڈال دیا۔ تو گویا اس کی واپسی کی جگہ بھی زمین ہی ٹھہری۔ اور پھر قیامت کو اسی زمین سے ہی اٹھایا جائے گا۔ دوسری جگہ وضاحت کے ساتھ فرمایا، مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى۔ یعنی زمین سے تمہیں پیدا کیا، اسی میں لوٹائیں گے اور پھر اسی سے دوبارہ نکالیں گے۔ ایک اور جگہ فرمایا۔ ثُمَّ يُعِيۡدُكُمۡ فِيۡهَا وَيُخۡرِجُكُمۡ اِخۡرَاجًا۔ اسی میں تم کو لوٹائیگا اور پھر اسی سے تم کو نکالے گا۔ تو گویا انسان کی توجہ اس طرف دلائی کہ تم ہر روز لوگوں کو پیدا ہوتے اور مرتے دیکھتے ہو، اسی پر قیاس کر کے دوبارہ اٹھائے جانے پر بھی ایمان لے آؤ۔ اور ان مشاہدات کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل پکڑو۔

زمین سے وابستگی کی ایک اور حقیقت بیان کی۔ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الۡاَرۡضَ بِسَاطًا۔ اللہ نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنا دیا۔ جس پر آرام کرتے ہو۔ نہ بہت سخت ہے، نہ بہت نرم بلکہ اسے انسان کے حسب حال بنایا۔ لِّتَسۡلُكُوۡا مِنۡهَا سُبُلًا فِجَاجًا۔ تاکہ اس کے نشان زدہ کشادہ راستوں پر چل سکو۔ زمین پر بے شمار راستے بنا دیے۔ تاکہ لوگ اپنی معاشی ضروریات کے لیے سفر اور نقل و حمل کر سکیں۔

آسمانی راستے

حضرت علیؓ نے خطبے کے دوران فرمایا۔ کہ اے لوگو! میں زمین کی نسبت آسمانی راستوں

کو زیادہ جانتا ہوں۔ آسمانی راستوں سے مراد ایمان اور نیکی کے راستے ہیں۔ آؤ میں تمہیں بتاؤں جن راستوں پر چل کر تم قرب الٰہی اور رضائے خداوندی حاصل کر سکتے ہو۔ زمینی راستوں سے تو تم واقف ہو جن سے اپنی ضروریات پوری کرتے ہو، مگر آسمان کے راستے مجھ سے پوچھو، جو ایمان، نیکی اور اطاعت کی طرف جاتے ہیں۔

الغرض نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے یہ تمام شاہدات پیش کئے اور توحید کی دعوت دی۔ کہ ان دلائل کی موجودگی میں تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔

Marfat.com

درس چہارم　　　　　　　　　　　　آیت ۲۱

قَالَ نُوحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ یَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾

ترجمہ: ۔ نوح علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار انہوں نے میری نافرمانی کی ہے۔ اور ان لوگوں نے اتباع کیا ان کا جن کے مال اور اولاد نے ان کے لیے سوائے خسارے کے کچھ فائدہ نہ کیا۔ ﴿۲۱﴾

گذشتہ سے پیوستہ

سورۃ نوح میں نبوت اور رسالت، طریقہ تبلیغ، توحید اور قیامت کا ذکر ہے اور بنیادی عقائد ہیں بھی یہی۔ تو گویا اس سورۃ میں منکرین توحید کا رد، مشرکوں اور کافروں کی مذمت اور ساتھ ساتھ جزائے عمل کا بیان ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کا ذکر ہے۔ اور اس میں اُس پیغام کا بیان ہے جو انہوں نے اپنی قوم تک پہنچایا، یعنی اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ۔ عبادت صرف اللہ کی کرو، اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ دنیا و آخرت کا فائدہ اسی میں ہے۔ مگر حضرت نوح علیہ السلام کے اتنا لمبا عرصہ تبلیغ کرنے اور مصائب و تکالیف اٹھانے کے باوجود وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِیْلٌ بہت کم لوگ ایمان لائے، وہی ستر آدمی جو کشتی پر سوار ہوئے۔ باقی ساری قوم ایمان سے خالی گئی۔

آخر کار نوح علیہ السلام نے تنگ آ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کی۔ کہ مولا کریم میں نے اپنی قوم کو صبح اور شام دعوت دی، برملا دعوت دی۔ علی الاعلان دعوت دی اور پوشیدہ طور پر دعوت دی مگر یہ ایمان نہ لائے۔ اس کے بعد اُن دلائل توحید کا ذکر کیا جو انسان کے اپنے وجود سے تعلق رکھتے ہیں اور بعض خارجی دنیا سے متعلق ہیں مگر قوم پر کوئی اثر نہ ہوا۔ آیت زیر درس میں قوم کی نافرمانی اور دولت مند لوگوں کے اتباع کا ذکر ہے۔

نام اور لقب

مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں۔ کہ حضرت نوح علیہ السلام کا نام عبدالغفار تھا۔ اور نوح لقب تھا۔ نوح کا لفظ نوحہ کے مادے سے ہے۔ جس کا معنیٰ رونا اور گریہ و زاری کرنا ہے۔ چونکہ نوح علیہ السلام قوم کی حالتِ زار پر کثرت سے روتے رہے، نوحہ کرتے رہے۔ لہٰذا اُن کا لقب نوح پڑ گیا۔

اتباع رسول فرض ہے

تمام انبیائے کرام کا یہ فرض منصبی رہا ہے۔ کہ وہ قوم کو اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کی دعوت دیں

Marfat.com

اُسی سے ڈرائیں اور اپنے اتباع کا حکم کریں۔ جیسا کہ نوح علیہ السلام نے بھی کیا اور قوم کو دعوت دی۔ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوۡهُ وَاَطِيۡعُوۡنِ۔ اِسی طرح ہر قوم کا فرض ہے کہ وہ اپنے نبی کا اتباع کرے۔ خود قرآن پاک کا ارشاد ہے۔ مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ یعنی جس نے رسول کی اطاعت کی، اُس نے گویا اللہ تعالیٰ کی ہی اطاعت کی۔ کیونکہ نبی خود نہیں آتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوتا ہے۔ اِس لیے اس کی مطلق اطاعت بھی لازم ہے۔ وہ خدا کا نائب ہوتا ہے، اس کا مطیع اور فرمانبردار ہوتا ہے۔ اللہ کی اطاعت اس لیے کہ وہ مالک و معبود ہے۔ اور نبی کی اطاعت اس لیے کہ وہ خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ لہذا نبی کی اطاعت سے سرتابی کرنے والا کافر ہوتا ہے۔ عام صلحاء، اولیاء یا علماء کی اطاعت سے انکار کرنے والا کافر نہیں ہوتا۔ مگر ان کی اطاعت اس لیے کرنی پڑتی ہے کہ وہ تبلیغ رسالت کرتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے باپ سے کہدیا تھا فَاتَّبِعۡنِیۡۤ اَهۡدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا۔ اے میرے باپ! میری بات مان لے، میں تجھے سیدھا راستہ دکھاتا ہوں۔ کہ صراطِ مستقیم میرے پاس ہے۔

اِس ضمن میں اپنے باپ پر واضح کیا کہ قَدۡ جَآءَنِیۡ مِنَ الۡعِلۡمِ۔ میں یہ اس لیے کہتا ہوں کہ میرے پاس اس کا علم ہے۔ یعنی قطعی اور یقینی علم سوائے نبی کے کسی کے پاس نہیں ہوتا۔ اِسی لیے نبی کی اطاعت مطلقاً فرض ہوتی ہے۔ باقیوں کی اطاعت فرض نہیں ہے۔

صاحبِ مال و دولت کا اتباع

الغرض حضرت نوح علیہ السلام اپنی دعا میں اللہ تعالیٰ سے عرض کر رہے ہیں۔ کہ میری قوم نے میرا اتباع کرنے کی بجائے وَاتَّبَعُوۡا مَنۡ لَّمۡ يَزِدۡهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا۔ یعنی میری قوم نے ان لوگوں کا اتباع کیا جن کے مال اور اولاد نے انہیں سوائے خسارے کے کچھ نہ پہنچایا۔ یعنی میرا کہا ماننے کی بجائے دولتمندوں، رئیسوں اور صاحب مال و اولاد کا اتباع کیا۔ جس طرح انہوں نے کہا اُسی طرح میری قوم نے کیا۔ اور اس طرح غلط روش پر چل نکلے۔ اگرچہ مال و اولاد کی کثرت ایک نعمت ہے۔ مگر اکثر و بیشتر اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے کا ذریعہ بھی ہے آخرت کو فراموش کرنے کا ایک قوی سبب ہے۔ دنیا کے اکثر متمولین نے غرور و تکبر کے ساتھ یہی کہا۔ نَحۡنُ اَكۡثَرُ اَمۡوَالًا وَّاَوۡلَادًا۔ ہمارا مال اور اولاد زیادہ ہے۔ ہمیں کون پوچھنے والا ہے۔ کون سزا دینے والا ہے۔ جیسا کہ پچھلی سورۃ میں گذر چکا ہے اَنۡ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيۡنَ۔

یہ بدبخت رئیس محض اس لیے انکار کرتا ہے کہ اللہ نے اسے مال اور اولاد دے رکھا ہے۔ ولید بن مغیرہ کے دس بیٹے تھے۔ آگے بھی آئے گا وَبَنِيْنَ شُهُوْدًا۔ جب بیٹے مجلس میں حاضر ہوتے تھے تو بڑی رونق ہوتی تھی۔ حدیث شریف میں ایک دوسرے شخص ابوالرجال کا ذکر آتا ہے۔ اُس کے بھی دس جوان بیٹے تھے۔ مجلس میں آتے تھے۔ مشاورت میں حصہ لیتے تھے، صلح وجنگ میں شریک ہوتے تھے اور وہ اس پر اتراتا تھا۔ تو گویا اولاد کی کثرت اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے کا بھی ایک ذریعہ ہے۔ بہت کم لوگ ہیں جو مال واولاد کی کثرت کے باوجود اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کریں۔ کوئی خال خال ہی ایسا ملے گا۔ ورنہ نو ہزار نو سو ننانوے معزور ہی ہونگے۔

سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام معیشت

وہ مال جس کی بدولت لوگ تکبر کرتے ہیں، سرمایہ دارانہ نظام معیشت کا مرہون منت ہے۔ اور یہ نظام ہی سب سے بڑی مصیبت ہے۔ جس میں نہ مال جمع کرنے پر کوئی پابندی ہے اور نہ خرچ کرتے میں۔ جس ذریعے سے چاہو مال کماؤ۔ اس میں حلال وحرام کی کوئی تمیز نہیں۔ اسی طرح جس کام میں چاہو خرچ کرو، کوئی رکاوٹ نہیں۔ سود کی کمائی ہو یا شراب کے ٹھیکہ کی، خنزیر کی تجارت ہو یا تھیٹر کی آمدنی، اس میں کوئی پابندی نہیں۔ خرچ کرنے میں حقوق العباد کی پرواہ نہیں، یتامیٰ ومساکین کا خیال نہیں۔ زکوٰۃ اور صدقہ خیرات کی طرف توجہ نہیں، محض اپنی عیش وعشرت سے غرض ہے۔ یہ اسی سرمایہ دارانہ نظام کی لائی ہوئی لعنت ہے۔

اشتراکی نظام معیشت بھی ویسا ہی لعنتی ہے جیسے روس، چین اور ویت نام کا نظام۔ وہ تو آسمانی شریعت کو مانتے ہی نہیں، وہ تو خدا کی ہستی کا ہی انکار کرتے ہیں۔ ان کا تو یاجوج ماجوج والا نظریہ ہے۔ کہ زمین والوں کو ہم نے مغلوب کر دیا ہے۔ اور اب آسمان والے کو مارتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا کی وحدانیت کا عقیدہ مذہبی لوگوں نے اپنا کام چلانے کے لیے ایجاد کیا ہے۔ سٹالن کے کلام میں موجود ہے کہ خدا کا عقیدہ ہوّا ہے۔ اور ہم اس ہوّے کو مٹانا چاہتے ہیں۔ الغرض اشتراکی اور سرمایہ دارانہ دونوں نظام لعنت ہیں۔ اسلام کا نظام معیشت ہی فطری نظام ہے۔ جو کمانے اور خرچ کرنے میں حلال وحرام کی تمیز سکھاتا ہے۔

سوسائٹی کے اعضائے فاسدہ

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں۔ کہ اعضائے فاسدہ کو کاٹنا ضروری ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو آدمی چوتھی دفعہ چوری کرے اُسے قتل کر دو۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں، یہ ٹھیک ہے۔ اور

Marfat.com

یہ تعزیر اً قتل ہے۔ ایک دفعہ، دو دفعہ، تین دفعہ، اب جو باز نہیں آتا، اُسے شوٹ کر دو۔ یہ سوسائٹی کے لیے پھوڑا ہے۔ اگر اس کو باقی رکھا گیا، تو سارے جسم کو خراب کرے گا۔ لہٰذا ہر عقلمند ڈاکٹر اُسے کاٹ دینے کا ہی مشورہ دیگا۔ جس طرح کسی انسانی جسم کا پاؤں یا ران یا بازو کاٹنا ضروری ہو جاتا ہے اسی طرح سوسائٹی کے عضو فاسد کو بھی ختم کرنا ضروری ہے۔ تاکہ باقی سوسائٹی میں گندگی نہ پھیلنے پائے آج کل ایران والے بھی یہی کچھ تو کر رہے ہیں۔ یہ منشیات کی سمگلنگ کرنے والے بھنگ، چرس، شراب کا کاروبار کرنے والے، پچیس تیس آدمی اُڑا دیئے کہ یہ باز نہیں آتے تھے، سوسائٹی کے لیے بمنزلہ ناسور تھے۔ انہوں نے کمائی میں حلال وحرام کی پرواہ نہیں کی، انہیں باقی نہیں رہنا چاہیئے۔

لائسنس یافتہ رنڈیاں

سرمایہ داری نظام میں اسی قبیل کا ایک دوسرا ذریعہ معاش ہے۔ رنڈیاں لائسنس لے کر چکلے میں بیٹھ جاتی ہیں۔ حکومت خود سرپرستی کرتی ہے۔ اُسے آمدنی سے غرض ہے، چاہے کسی راستے سے آئے۔ امام حلبیؒ نے سیرت میں لکھا ہے کہ پہلی صدی کے آخر تک مسلمانوں کے زیر تسلط کسی بھی علاقے میں کوئی ایک بھی قحبہ خانہ نہیں تھا۔ مسلمان آدھی دنیا سے زیادہ حصے پر چھائے ہوئے تھے، مگر کسی جگہ کوئی ایک لائسنس یافتہ رنڈی نہیں تھی۔ برخلاف اس کے انگریز کے زمانے میں یہاں پچھتر فیصد کنجریاں مسلمان تھیں۔ کلکتہ، بمبئی، مصر، ہر جگہ یہ لعنت مسلمان عورتوں نے اپنے گلے میں ڈال رکھی تھی۔ ایران کا تو معاملہ ہی دوسرا ہے۔ وہ شیعہ ہیں اور متعہ کر لیتے ہیں۔ ہندو ہو، سکھ ہو، سب کے سب متعہ کر لیتے ہیں۔ پیسہ کمانے سے غرض ہے۔ حلال وحرام کی کوئی تمیز نہیں۔ اس نظام کی یہی خصوصیت ہے۔

حلال وحرام کی تمیز

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ اِتَّقُوا اللّٰہَ وَاَجۡمِلُوۡا فِی الطَّلَبِ۔ اللہ سے ڈرو اور طلب رزق میں صحیح راستے پر چلو۔ برے راستے سے کمانا حرام ہے۔ ایسی کمائی میں برکت نہیں ہوگی عبادت قبول نہیں ہوگی۔ اس سے صدقہ وخیرات منظور نہیں ہوگا اور آگے جہنم کا توشہ بنے گا۔ مسند احمد کی روایت میں ہے۔ کہ حرام مال چھوڑ جانا، جہنم کے راستے کا توشہ ہے۔ کپڑا حرام مال سے پہنا نماز قبول نہیں ہوگی، خوراک حرام مال سے کھائی دعا قبول نہیں ہوگی۔ یہ الگ بات ہے۔ کہ مفتی اور قاضی نماز کی ادائیگی کا فتویٰ دے دیں مگر قبولیت دوسری چیز ہے۔ اگر غسل کر کے صاف جسم اور پاک کپڑے کے ساتھ نماز ادا کی گئی تو مفتی یہ تو نہیں کہے گا کہ نماز ادا نہیں

Marfat.com

ہوئی، مگر نماز کا مقبول ہونا اور چیز ہے۔

ابودرداؓ کہتے ہیں کہ اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ میری یہ دو رکعت نماز بارگاہِ الٰہی میں قبول ہو گئی ہے تو بخدا میرے نزدیک یہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ کیونکہ قبولیت کا معیار یہ ہے کہ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ۔ مقبول اس کی ہوگی جو متقی ہوگا۔ کفر و شرک سے بچنے والا اور خدا سے ڈرنے والا ہوگا۔

شادی بیاہ کی رسوم

جس طرح طلب رزق میں جائز ناجائز کا خیال نہیں رکھا جاتا، اسی طرح خرچ کرنے میں بھی کسی بات کی پروا نہیں کی جاتی۔ دولت مند لہو لعب میں مشغول ہیں، رسومات پر بلا وجہ بھاری رقوم خرچ کر رہے ہیں۔ پچھلے جمعہ میں ایک بزرگ نے بتایا کہ ایک منگنی کی رسم میں چالیس جوڑے کپڑے تو برادری کے لوگوں کو دئے ہیں اور دس جوڑے خاص قسم کے خاص عورتوں کو دیے گئے۔ اور کھانا صرف نو دیگیں پکائی گئیں۔ یہ صرف منگنی ہے۔ اور شادی پر کیا ہوگا۔ یہ ہمارے ملک کا رواج ہے۔ دولت مند کے ہاں شادی ہوتی ہے۔ مکانات روشن ہوتے ہیں، سینکڑوں قمقمے جلتے ہیں۔ کیا یہ اسراف و تبذیر نہیں کیا اس پر لعنت نہیں برستی۔ اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ دوسروں کے لیے مشکلات پیدا کی جا رہی ہیں۔ دیکھا دیکھی دوسرے بھی رسومات کی ادائیگی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ نتیجہ سوائے تباہی اور بربادی کے کچھ نہیں۔ یہ محاورہ بالکل درست ہے۔ "مال حرام بود بجائے حرام رفت" حرام کی کمائی حرام کے راستے ہی خرچ ہوگی۔ کھیل تماشے میں جائے گی۔ جوئے اور شراب میں جائے گی یا فحاشی کے کاموں میں صرف ہوگی۔

فوتیدگی کی رسوم

اسی طرح مرنے کی رسومات میں بھی بے جا اسراف کیا جاتا ہے۔ یہ تیجا ہے، یہ دسواں ہے۔ یہ چالیسواں ہے، مردہ چاہے عذاب میں مبتلا ہو جائے، رسوم ادا ہونی چاہئیں۔ ہمارے ملنے والے ایک صاحب نے بیان کیا کہ ایک شخص کی لاہور میں شادی ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد بیوی ایک چھوٹا بچہ چھوڑ کر فوت ہو گئی۔ بیچارہ عذاب میں مبتلا ہو گیا۔ تین دن کے بعد جانے لگا کہ کوئی مزدوری کروں، بچے کی پرورش بھی ذمے ہے۔ تو ساس اور سسر کہنے لگے، الّو کے پٹھے اکدھر جاتے ہو، آگے چہلم آ رہا ہے، وہ کون کرے گا۔ اس کے لیے رقم ادا کر کے جاؤ۔ بیچارے کے پاس کچھ نہیں تھا۔ ناچار گھر کے برتن بیچ کر تین سو روپے سسرال والوں کو دیے تاکہ چہلم کی رسم ادا کر سکیں تب کہیں جا کر اس کی جان

Marfat.com

چھوٹی اور محنت مزدوری کے لیے جا سکا۔ یہ ہے مال و دولت جس نے انسان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا

مال اچھا ساتھی ہے

ہاں تو ذکر یہ ہو رہا تھا کہ مال و دولت کی محبت میں انسان کس حد تک اپنے مالک سے دُور ہو جاتا ہے۔ مگر اس کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے۔ یہی مال ایک اچھا ساتھی بھی ثابت ہو سکتا ہے حضورؐ کا ارشاد گرامی ہے۔ کہ مال اُس شخص کے لیے اچھا ساتھی ہے لِمَنْ اَدّٰى حَقَّ اللّٰهِ۔ جو اللہ اور اس کے بندوں کا حق ادا کرتا ہے۔ ورنہ یہی مال وبالِ جان ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کی دیوار کے سامنے بیٹھے تھے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ آئے۔ آپ نے فرمایا هُمُ الْاَقَلُّوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا مَنْ قَالَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا۔ جو لوگ دنیا میں بہت مال و دولت رکھتے تھے، کل قیامت کو اُن کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہوگا۔ ہاں جس نے دائیں بائیں ہر طرف حقوق ادا کئے، وہ وہاں بھی دولت مند ہوں گے۔ ورنہ عام طور پہ آج کا دولت مند کل کا قلاش ہوگا۔ اُس نے حقوق ادا نہیں کئے۔ دولت عیاشی اور فحاشی میں لٹائی۔ کمائی بھی ناجائز طریقے سے کی۔ خرچ بھی ناجائز کیا۔

اسلامی نظام معیشت

اسلامی نظام میں کمانے پر بھی پابندی ہے۔ اور خرچ کرنے پر بھی۔ اسلام حرام ذرائع سے مال اکٹھا کرنے سے منع کرتا ہے، اور حلال ذرائع کی ترغیب دیتا ہے۔ جب حلال راستے سے مال آجائے تو پھر سارے حقوق ادا کرو، اس کے بعد جو بچ رہے اُسے اپنے مصرف میں لاؤ۔ کوئی جائداد خریدو، کوئی اور چیز خریدو، تمہارے لیے مباح ہے۔ اور اگر حقوق ادا نہیں کئے صرف دولت جمع ہی کرتے رہے۔ بیلنس برابر کرتے رہے، ذرائع آمدنی کی حلت و حرمت کا خیال نہیں کیا تو پھر خرچ کرنے میں کون سی پابندی قبول کرو گے۔ بلڈنگ بازی پر خرچ ہو گا۔ ایک ایک بلڈنگ کے نقشہ تیار کرتے پر ستر ستر ہزار کی رقم اٹھ رہی ہے۔ کیا یہ اسراف و تبذیر کی حد نہیں ہے۔

اس سلسلے میں حکومت ہماری راہنمائی کر رہی ہے۔ وہ خود سر بفلک عمارات کی تعمیر میں لگی ہوئی ہے۔ قصر صدارت کی تعمیر پہ پنتالیس کروڑ روپے خرچ ہوئے۔ اب اندازہ لگاؤ کہ اسلام کا نام لینے والی مملکت میں قصر صدارت پہ اٹھنے والے اس قدر بھاری اخراجات کہاں تک جائز ہیں۔

وفاقی سیکریٹریٹ کی تعمیر پہ اربوں روپے خرچ کئے گئے اس کی تزئین کے لیے ستر ستر ہزار روپے کے قالین عمارات کے راستوں پر بچھے ہوئے ہیں۔ جن پر لوگ جوتوں سمیت چلتے ہیں۔ خدا کا

Marfat.com

غضب، اس قدر اسراف، جس ملک کے اسی فیصدی لوگوں کو دو وقت کی پیٹ بھر کر روٹی بھی نصیب نہ ہو، صرف بیس فیصدی لوگوں کے پاس کوئی توازن یا وسائل ہیں، اُس ملک میں اتنا عالیشان قصرِ صدارت اور سیکرٹریٹ بنانا کہاں جائز ہے۔ کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ قریش کو زمین نہیں خرید نے دیتے تھے کہ تم لوگوں کے لیے بڑا نمونہ قائم کرو گے۔ لہذا ضرورت سے زیادہ ضروریاتِ زندگی مت حاصل کرو۔

الغرض موجودہ زمانے کے سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکی نظامِ معیشت دونوں باطل ہیں، سرمایہ دارانہ نظام کے حامیین خدا کی ہستی کو مانتے ہوئے، انجیل کو برحق تسلیم کرتے ہوئے اِس نظامِ باطل کو اپنائے ہوئے ہیں۔ جس میں چند آدمی عیش کرتے ہیں۔ اور دوسرے غربت کی چکی میں پستے رہتے ہیں۔ اشتراکی نظام انکارِ خدا اور انکارِ شریعت کی بنا پر لعنتی ہے۔ اسلامی نظامِ معیشت ہی واحد نظام ہے جو آمد و خرچ کے حدود مقرر کر کے مخلوقِ خدا کے درمیان توازن قائم رکھتا ہے۔

معیارِ اتباع

آیت زیرِ درس میں حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی اس بنیادی خامی کی شکایت کی ہے۔ جس کی رُو سے انہوں نے مال و دولت کے زعم میں مبتلا ہو کر نبی کے اتباع کے بجائے سرمایہ دارانہ ذہنیت کا اتباع کیا۔ عرض کیا۔ قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي اے میرے پروردگار انہوں نے میری نافرمانی کی وَاتَّبَعُوا مَن لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا اور ان لوگوں کا اتباع کیا جن کے مال و اولاد نے سوائے خسارے کے کچھ فائدہ نہ کیا۔ مال و دولت والے لوگوں نے اپنے مال کی بدولت غلط نمونے قائم کئے۔ یہ رسوماتِ باطلہ پر عمل پیرا ہے۔ دوسروں کو بھی اسی راستے پر چلاتے رہے انہوں نے نبی کے اتباع کے بجائے مال و دولت کو قابلِ تقلید جانا۔ کہتے تھے نبی کے پاس کیا ہے جو ہم اس کی پیروی کریں۔ یہ انسان ہو کر نبوت کا دعوے کرتا ہے نہ اس کے پاس مال و دولت ہے، نہ کوٹھی ہے، نہ فوج ہے، نہ باغات ہیں۔ ہم اس کا اتباع کیوں کریں۔ اتباع تو ان لوگوں کا ہونا چاہیئے جن کے پاس یہ سارے لوازمات موجود ہیں۔ تو گویا نوح علیہ السلام کے عدمِ اتباع کی وجہ یہ تھی اور اس قوم کا معیارِ اتباع نبوت کے بجائے سرمایہ داری تھا۔ اس آیت میں نوح علیہ السلام نے اپنے رب کے حضور یہی شکایت پیش کی۔

Marfat.com

درسِ پنجم — آیت ۲۲ تا ۲۴

وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ
وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ
اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾

ترجمہ:۔ اور انہوں نے تدبیر کی بہت بڑی تدبیر ﴿۲۲﴾ اور ان کی قوم کے سرکردہ لوگوں نے کہا کہ نوح (علیہ السلام) کی باتوں میں آکر اپنے معبودوں کو نہ چھوڑ بیٹھنا اور ود، سواع، یغوث یعوق اور نسر کو نہ چھوڑنا ﴿۲۳﴾ اور تحقیق انہوں نے بہتوں کو گمراہ کیا۔ اور ان ظالموں کے لیے سوائے گمراہی کے کچھ زیادہ نہ کر ﴿۲۴﴾

گذشتہ سے پیوستہ

گذشتہ درس میں نوح علیہ السلام کی قوم کی حالت کا بیان تھا، جو انہوں نے اپنی دعا میں اپنے رب کے حضور پیش کی۔ اور نہایت دکھ کے ساتھ عرض کیا رَبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ یعنی اے اللہ! میری قوم نے میری نافرمانی کی اور وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا اور ان لوگوں کا اتباع کیا جن کے مال و اولاد نے انہیں سوائے نقصان کے کچھ اضافہ نہ کیا۔ یعنی مال و اولاد کی کثرت نے انہیں خود بھی دین سے محروم رکھا اور دوسروں کو بھی محروم کیا۔

اس درس کی آیات میں سے پہلی آیت میں قوم نوح علیہ السلام کے ان داؤ پیچوں کا تذکرہ ہے جو انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کو جھٹلانے کے لیے آزمائے۔ دوسری آیت میں ان کے پانچ معبودانِ باطلہ کا بیان ہے جن کی پرستش پر وہ جمے رہے اور تیسری آیت میں نوح علیہ السلام نے اس گمراہی کا حال بیان کیا ہے جس میں قوم کے لوگ خود بھی مبتلا رہے اور دوسروں کو بھی بھٹکاتے رہے۔

قومِ نوح کے داؤ پیچ

عرض کیا کہ میری قوم نے نہ صرف یہ کہ میری نافرمانی کی اور دولت مندوں کا اتباع کیا۔ بلکہ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا۔ انہوں نے تدبیر کی، بہت بڑی تدبیر۔ یعنی میری دعوت کو پھیلنے سے روکنے کے لیے انہوں نے بڑا داؤ پیچ کھیلا۔ کہ لوگ میری بات کو نہ مانیں۔ مکر کا معنی مخفی تدبیر ہوتا ہے۔ اور کُبّار مبالغہ کا صیغہ ہے۔ عظام اور قرّاء کے وزن پر مثلاً کبیر بڑے کو کہتے ہیں، کُبار اوسط درجے کو اور زیادہ مبالغہ کرنا ہو تو کُبّار بولتے ہیں یعنی ادنیٰ درجہ، اوسط درجہ اور اعلیٰ درجہ۔ یہ کُبّار مبالغہ کا

Marfat.com

صیغہ ہے اور اس کا معنیٰ ہوا بہت بڑا داؤ۔ تو گویا اس قوم نے نبی کی مخالفت میں بہت سے داؤ چلائے جن کی تفصیل شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اس طرح بیان کی ہے۔

نبوت میں شبہات پیدا کرنا

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ پہلی تدبیر انہوں نے یہ کی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی نبوت کے متعلق شبہات پیدا کیے۔ کہ یہ نبی نہیں ہو سکتا۔ بالکل اسی طرح جس طرح دوسرے انبیاء کی نبوت کے متعلق مشرکین نے شک و شبہات پیدا کیے، قرآن پاک میں ان کی تفصیل موجود ہے۔ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوا۔ اور نوح علیہ السلام کی بھی اسی طرح تکذیب کی گئی۔ یہ تو ہمارا بھائی ہے، ہماری برادری کا آدمی ہے، فلاں کا بیٹا ہے، کھاتا پیتا ہے، کاروبار کرتا ہے، اس کے بیوی بچے ہیں، یہ کیسے رسول ہو سکتا ہے۔ مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِىْ فِى الْاَسْوَاقِ۔ یہ کھانا کھانے والا اور گلیوں بازاروں میں چلنے پھرنے والا کیسے رسول ہو سکتا ہے گویا انہوں نے بشریت اور انسانیت کو رسالت کے خلاف سمجھا۔ سورۃ قمر میں حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق بھی ایسا ہی آتا ہے اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗ کیا ہم اپنے میں سے ایک انسان کا اتباع کریں۔ اگر ایسا کریں گے تو اِنَّا اِذًا لَّفِىْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ۔ ہم پاگل ہوں گے جو ایسا کریں گے۔ اسی طرح نوح علیہ السلام کے متعلق کہتے تھے اِنَّا لَنَرٰىكَ فِىْ سَفَاهَةٍ ہم تو تمہیں بیوقوف خیال کرتے ہیں جو تمام معبودان کو چھوڑ کر ایک خدا کی عبادت کی طرف بلاتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے جواب میں کہا يٰقَوْمِ لَيْسَ بِىْ سَفَاهَةٌ اے میری قوم! میں بیوقوف نہیں ہوں بلکہ وَلٰكِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں تو رب العلمین کی طرف سے بھیجا ہوا ہوں تاکہ اس کا پیغام تم تک پہنچاؤں۔

تو گویا قوم نوح کی پہلی مکاری یہ تھی کہ وہ آپ کی نبوت کے متعلق لوگوں میں شک و شبہات پیدا کرتے تھے۔ تاکہ لوگ آپ پر ایمان نہ لائیں۔

اللہ تعالیٰ کی الوہیت سے انکار

قوم نوح کا دوسرا داؤ یہ تھا کہ وہ خدا کی وحدانیت اور بعض اوقات اس کے وجود کا ہی انکار کر دیتے تھے۔ جیسے کہ قرآن پاک میں فرعون کے متعلق موجود ہے کہ وہ کہتا تھا۔ مَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ یہ رب العلمین کیا چیز ہے۔ کوئی رب نہیں۔ وہ اس قدر مغرور تھا۔ کہ کہتا تھا مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِىْ میں اپنے علاوہ تمہارا اور کوئی معبود نہیں جانتا۔ تو اس طرح گویا حضرت نوح کی قوم کے لوگ بھی اللہ

Marfat.com

تعالیٰ کے وجود اور اس کی الوہیت کا انکار کرتے تھے کہ جب خدا کی ذات کا انکار ہو جائے گا تو اس کو بھیجنے والے نبی کی خود بخود ہی تکذیب ہو گی۔ تو گویا مَکرًا کُبَّارًا کی یہ بھی ایک صورت تھی۔

مظہر خدا کا عقیدہ

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جب نبوت میں شبہات پیدا کر کے یا خدا کا انکار کر کے بھی اُن کی چال کامیاب نہ ہوتی، تو وہ ایک اور حربہ استعمال کرتے۔ کہتے ہم مان لیتے ہیں کہ خدا ایک ہے اور آپ اس کے رسول بھی ہیں مگر جن کی ہم پوجا کرتے ہیں، ان کے اندر بھی خدا کا ہی وجود ہے تو ہمیں ان کی پوجا سے کیوں ہٹاتا ہے۔ یہ بھی تو مظہر خدا ہیں۔ اس پراپگنڈا کی بنا پر جاہل لوگ سمجھتے تھے کہ یہ معبودان بھی خدا کے مقرب ہیں ان کی عبادت کرنے سے خدا راضی ہو گا، ان کے اندر خدا جلوہ گر ہے۔ یہ بھی انکی ایک چال تھی کہ لوگ نوح علیہ السلام کا کہنا نہ مانیں۔

مظہر خدا کا عقیدہ ہندوؤں کے اوتار والے عقیدے سے مشابہ ہے۔ یہ عقیدہ عیسائیوں، پرانے بابلیوں، مشرکوں اور مصریوں میں بھی پایا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کسی اور کے روپ میں جلوہ گر ہوتا ہے بعض کلمہ گو مشرک بھی اس عقیدہ باطل میں مبتلا ہیں۔ جیسا کہتے ہیں۔ ؎

وہی جو عرش پر تھا خدا ہو کر
اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفےٰ ہو کر

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جلوہ گری سے اگر یہ مراد لیا جائے کہ اِن میں الوہیت کی کوئی صفت آگئی ہے تو یہ تو باطل ہے۔ کیونکہ کسی مخلوق میں الوہیت کی کوئی بات نہیں آتی۔ الوہیت اور مخلوق متضاد چیزیں ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ معبودانِ باطلہ اور خدا تعالےٰ میں وجود قدرِ مشترک ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ خدا کا وجود واجب ہے یعنی اپنی ذات سے ہے۔ جب کہ ان کا وجود اللہ تعالےٰ کا پیدا کردہ ہے۔ ایک واجب الوجود ہے اور دوسروں کا وجود ممکن ہے۔ اور ممکن الٰہ نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہونے میں نبی، جبرئیل، بزرگ اور ساری مخلوق برابر ہیں تو ایک مخلوق دوسری مخلوق کا معبود نہیں بن سکتی۔ جب کہ وہ سارے اپنے وجود میں خدا کی طرف محتاج ہیں۔ لہذا یہ اوتار یا مظہر خدا کا عقیدہ سرے سے ہی باطل ہے۔ یہ عقیدہ سخت ظالمانہ اور بدترین شرک والا عقیدہ ہے۔

اپنے علم پر تکبر

نبوت کے انکار کی ایک وجہ اُن کا وہ محدود علم تھا، جس پر غرور و تکبر کرتے تھے۔ قرآن پاک نے بعض بدبخت قوموں کا حال یوں بیان کیا کہ فَلَمَّا جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَرِحُوۡا بِمَا عِنۡدَهُمۡ

Marfat.com

مِنَ الْعِلْمِ اللہ کے رسول جب واضح باتیں لے کر آئے تو بعض مشرکین اپنے علم پر اترانے لگے اور نبی کی تعلیم کا انکار کر دیا۔ کہنے لگے ہمارے پاس علم موجود ہے۔ تم ہمیں کیا سبق پڑھاؤ گے، ہم خوب جانتے ہیں۔ پرانے رومی کہتے تھے کہ نبیوں کا وعظ و نصیحت عام لوگوں کے لیے ہوتا ہے، ہم تو صاحب علم ہیں، حکمت و دانائی کے مالک ہیں، ہمیں ایسی تعلیم کی کیا ضرورت ہے۔ اسی طرح یونانی حکما کہتے تھے کہ ہم مہذب، شائستہ، اور ہدایت یافتہ ہیں۔ ہمیں نبیوں کے اتباع کی ضرورت نہیں ہے۔ افلاطون اور دوسرے فلاسفر بھی یہی کہتے ہیے کہ ہم عیسٰی علیہ السلام کا اتباع کیوں کریں، ہمارے پاس علم و حکمت کا خزانہ ہے نبی کا اتباع تو وہ کریں جو جاہل ہیں، جن کے پاس علم نہیں ہے۔ تو گویا اس طرح انہوں نے نبی کی پیروی سے انکار کیا۔ آج بھی اس قسم کے لوگ موجود ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ یہ مُلّا لوگ دقیانوسی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ ان کے پاس کیا ہے۔ ہمارے پاس سائنس اور ٹیکنالوجی ہے، فلسفہ و حکمت ہے، علوم و فنون ہیں، ہمارے لیے ان کی پرانی باتیں کیا معنیٰ رکھتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا کا جتنا بھی علم ہے وہ تجربات اور مشاہدات پر مبنی ہے۔ یہ قطعی اور یقینی علم تو نہیں ہے۔ کیونکہ قطعی علم صرف نبی کے پاس ہوتا ہے، جو منجانب اللہ ہوتا ہے۔ باقی سارا ظن اور گمان ہے۔ سائنسی تجربات یا مشاہدات کو علم نہیں کہ سکتے، نہ صنعت و حرفت اس شمار میں آتا ہے۔ بلکہ حقیقی علم اللہ تعالےٰ کی جانب سے نبی کے پاس آتا ہے۔ اور اُسی کا یہ انکار کرتے ہیں۔ نبی کی رسالت میں شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں تو گویا یہ ساری صورتیں مَکَرُوا مَکْرًا کُبَّارًا کے تحت آتی ہیں۔

معبودانِ باطلہ پر اصرار

تمام انبیاء علیہم السلام کی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی تعلیم کا مرکزی نقطہ یہی تھا کہ سارے معبودانِ باطلہ کو ترک کر کے صرف ایک خدا کی پوجا کرو۔ اس تبلیغ کے جواب میں حضرت نوح کی قوم کے سرکردہ لوگوں نے کہا وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی باتوں میں آکر اپنے معبودوں کو نہ چھوڑ بیٹھنا۔ یہ شخص تم سے تمہارے معبود چھڑانا چاہتا ہے مگر تم ایسا نہ کرنا بلکہ خاص طور پر وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۔ وَدّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو نہ چھوڑنا۔ قوم نوح کے اور بھی معبود تھے، مگر یہ پانچ خاص معبود تھے، جن کو نہ چھوڑنے کی تلقین کرتے تھے، حضور علیہ السلام کے متعلق

بھی مشرکین نے کہا اَجَعَلَ الْاٰلِھَۃَ اِلٰھًا وَّاحِدًا ؕ کیا تمام معبودان کو چھوڑ کر صرف ایک خدا پر قناعت کرلیں اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۔ یہ تو عجیب بات ہے۔

شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ قوم نوح (علیہ السلام) ہر مقصد کے لیے الگ الگ معبود مقرر کر رکھے تھے۔ ان پانچ معبودانِ باطلہ کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں۔

وَدّ

ود :۔ وَدّ مودت سے ہے۔ عربی میں مودّت، محبت کو کہتے ہیں۔ تو وَدّ گویا محبت کا دیوتا تھا۔ اسے مرد کی شکل میں بناتے تھے، جو کہ بڑا قوی اور حسین وجمیل ہو مرد کو فطرتاً عورت کی خواہش ہوتی ہے۔ اس سے مقاربت کرتا ہے تو نسل پیدا ہوتا ہے۔ تو یہ وَدّ محبت کا دیوتا تھا۔ اس کی پرستش کرتے تھے، ہندو اس کو برہماجی مہاراج کہتے ہیں، جس کا مطلب ہے کائنات کو ایجاد کرنے والا۔

سواع

سواع عربی زبان میں سکون و استقرار پر بولا جاتا ہے۔ اس کو حسن وجمال کی دیوی کہتے تھے۔ اور عورت کی شکل میں بناتے تھے۔ جس طرح عورت گھر کو چلاتی ہے، امور خانہ داری سرانجام دیتی ہے۔ اسی طرح یہ دیوی کائنات کو چلاتی ہے ان کا خیال تھا کہ دنیا کی قیومیت، استقرار اور ثبات اسی کے دم سے ہے۔ یہ دنیا کے کاروبار کو چلاتی ہے اور تھامتی ہے۔ ہندو اسے لشن جی کہتے ہیں۔

یغوث

یغوث، غوث کے مادے سے ہے۔ جس کا معنیٰ ہے۔ فریاد رس۔ اس کو گھوڑے کی شکل میں بناتے تھے۔ گھوڑا بڑا تیز رفتار جانور ہے۔ جہاں ضرورت ہو تیزی سے مدد کے لیے پہنچ جاتا ہے غوث کا عقیدہ بھی ایسا ہی ہے کہ جب مصیبت میں غائبانہ طور پر پکارو، غوث صاحب فوراً مدد کے لیے پہنچ جاتے ہیں۔ انسانوں کی فریاد رسی کرتے ہیں۔ اسی لیے قوم نوح کے لوگ یغوث کی پرستش کرتے تھے کہ وہ اُن کی فریاد رسی کرتا تھا۔

یعوق

یعوق، عوق کے مادے سے ہے، جس کا معنیٰ ہے حفاظت کرنے والا۔ تکلیف کو دور کرنے والا یہ شیر کی شکل میں بناتے تھے۔ یہ عقیدہ آج بھی موجود ہے۔ شیرِ خدا مشکل کشا کو آج بھی لوگ غائبانہ طور پر پکار رہے ہیں۔ دکن میں جگہ جگہ حضرت علیؓ کے نام پر شیر بنائے ہوئے ہیں۔ تو یہ مشکل کشائی والا عقیدہ قوم نوح میں بھی تھا۔ حالانکہ قرآن پاک میں صاف طور پر موجود ہے۔ مَنْ یَّکْشِفُ السُّوْٓءَ اِلَّا اللّٰہُ اللہ کے سوا تکلیف کو کون دُور کرسکتا ہے۔ تکلیف ہٹانے والا صرف اللہ ہے۔ تم بے شک پکارتے رہو، یہ بھی اس کی رضا پر منحصر ہے، اگر چاہے گا تو تکلیف کو رفع کردے گا، وگرنہ پابند نہیں ہے، وہ اگر

Marfat.com

کسی کو تکلیف پہنچانا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا۔ اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِقَوْمٍ سُوْٓءً فَلَا مَرَدَّ لَہٗ۔ اگر خدا کسی قوم کو ذلیل کرنا چاہتا ہے، مغلوب و محکوم کرنا چاہتا ہے تو ساری دنیا مل کر بھی اُس کے فیصلے کو ٹال نہیں سکتی۔

غوث کا عقیدہ اس زمانے میں بھی عام ہے۔ خواجہ بہاؤ الدینؒ کے بارے میں غوث بہاؤ الدین کہتے ہیں۔ غوث الاعظم حضرت پیران پیر شیخ عبد القادر جیلانیؒ ہیں۔ یہ بھی غائبانہ امداد کرتے ہیں، لوگوں کی فریاد رسی کرتے ہیں۔ ذرا غور کرو کہ قوم نوح اور ان لوگوں کے عقیدے میں کیا فرق ہے شیخ عبد القادر جیلانیؒ ولی اللہ تھے، اُن کے ہاتھ پر سوا لاکھ آدمیوں نے توبہ کی۔ انہوں نے کفر شرک کی بیخ کنی کی۔ اُن کے بارے میں یہ عقیدہ کہ وہ غائبانہ فریاد رسی کرتے ہیں کہاں کا انصاف ہے ؟ جس قدر توحید کی تبلیغ انہوں نے کی، اُس زمانے میں اور کسی بزرگ نے نہیں کی۔ اُس کے اثرات آج تک موجود ہیں آپ ہفتے میں ایک دن جمعرات کو وعظ فرمایا کرتے تھے۔ ان کے مواعظ حسنہ موجود ہیں ایک ایک حرف کو پڑھ کر ایمان تازہ ہوتا ہے۔ ان کے مقالات میں توحید ہی توحید ہے۔ ان کی تصنیف فتوح الغیب پڑھ کر دیکھو، شرک کی جتنی تردید انہوں نے کی ہے، اُس دور میں کسی بزرگ نے نہیں کی۔ آج وہی پیران پیر غوث ہیں۔ انہیں فریاد رس بنا لیا گیا ہے۔ بزرگوں کے بارے میں حسن ظن رکھنا چاہیئے۔ عقیدت ہو کہ وہ بھی بندے تھے، خدا کی توحید کا درس دیتے تھے۔ لوگوں کو کفر و شرک سے ہٹاتے تھے، اُن کی وجہ سے لوگوں کو ایمان کی دولت نصیب ہوئی۔

خواجہ بہاؤ الدین ذکریاؒ اپنے زمانے کے بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے اب اُن کی قبر پر کتنا اونچا گنبد بنا ہوا ہے۔ قبر پر ہر منٹ میں پانچ آدمی سجدہ کرتے ہیں۔ کیا وہ یہی کام کرتے تھے، العیاذ باللہ۔ انہوں نے تو مشرکانہ عقائد کو جڑ سے اکھاڑ کر رکھ دیا۔ کیا وہ کہہ گئے تھے کہ میری قبر پر گنبد بنا لینا؟ یہ تو بعد میں بادشاہوں نے بنا ڈالے اور یہ اڈے قائم ہو گئے۔

کیا خواجہ معین الدین اجمیریؒ کہہ گئے تھے کہ میرا گنبد بنانا، قبر کو پختہ کرنا، چپس لگانا اور پر جگہ جگہ لائٹ جلائی جارہی ہے۔ ——— قبر پر پنکھے چلائے جارہے ہیں۔ عقل کا تو بالکل ہی دیوالہ نکل گیا۔ قبر کے اوپر ہوا کے پنکھے لگانے کا کیا فائدہ۔ عجیب عقیدہ ہے جو ملنگ مر گیا، اس کی قبر بنالی، گنبد بنالیا۔ یہاں وہ دیوانہ بیچارہ مر گیا۔ مجذوب تھا یا پاگل تھا۔ اب

Marfat.com

اُس کا گنبد بنا لیا ہے، پوجا شروع ہو گئی ہے۔ حکومت ایسی خرافات کی سرپرستی کرتی ہے، خود گنبد بناتی ہے اور لوگوں کو خرافات کی ترغیب دیتی ہے۔ حالانکہ حکومت کا کام ان چیزوں کو مٹانا تھا۔ مگر ہو کیا رہا ہے۔ چادریں چڑھاؤ، گلاب کے پانی سے قبروں کو غسل دو۔ عرس جماؤ۔ قوالی کراؤ، اسراف کرو۔ لوگ سجدے کرتے ہیں، کرتے رہیں، جہنم میں جائیں، حکومت کو ٹیکس سے غرض ہے۔ ان اٹھوں کی آمدنی حکومت اپنی مدوں میں خرچ کرتی ہے۔ کچھ کلرک کھا جاتے ہیں، کچھ نوکر کھاتے ہیں۔

نسر — نسر گدھ کو کہتے ہیں۔ گدھ کی عمر بڑی لمبی ہوتی ہے۔ یہ بڑا طاقتور پرندہ ہے۔ اس کی نگاہ بھی بڑی تیز ہوتی ہے۔ تو یہ معبود گدھ کی شکل میں بناتے تھے۔ کہتے تھے یہ بڑی تیزی سے مدد کے لیے پہنچتا ہے یہ عمر کا دیوتا ہے۔ اس کی وجہ سے عمر لمبی ہوتی ہے۔

معبود کیسے بنے؟ — مذکورہ پانچ قسم کے معبود قوم نوح میں پائے جاتے تھے۔ حضرت عروہؓ بن زبیرؓ کی روایت میں ہے کہ یہ پانچوں آدم علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ وَدّ ان میں بڑا تھا۔ یہ سارے نیک اور صالح لوگ تھے۔ جب یہ مر گئے اور کچھ زمانہ گزر گیا۔ تو شیطان نے لوگوں کو اس طرف راغب کیا اور انہوں نے ان کے مجسمے بنا لیے۔

بخاری شریف میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ وَدّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر پانچ بزرگوں کے نام ہیں (یہ حضرات ادریس علیہ السلام، شیث علیہ السلام یا آدم علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ جب آدم علیہ السلام قریب المرگ تھے تو یہ پانچوں بیٹے اُن کے پاس موجود تھے) قوم نوح کے نیک آدمی تھے، جب یہ مر گئے تو لوگوں کو بڑا افسوس ہوا۔ کیونکہ ان کی نیکی کی وجہ سے لوگوں کو ہدایت نصیب ہوتی تھی۔ شیطان نے اُن کے دلوں میں رغبت ڈالی کہ ان کے مجسمے اور تصویریں بنا لو اور جہاں تم عبادت کرتے ہو انہیں وہاں رکھ لو تاکہ انہیں دیکھ کر تم عبادت کی طرف زیادہ راغب ہو سکو۔ کہ یہ بزرگ ایسی عبادت کرتے تھے نوافل ادا کرتے تھے، ورد کرتے تھے۔

کچھ وقت اور گزرا تو یہ بزرگ خود معبود بن گئے۔ شیطان نے سبق پڑھایا کہ ان کی پرستش ہونی چاہیے چنانچہ ایسا ہی ہونے لگا۔ اس کے بعد طوفان نوح میں یہ سب عابد و معبود ڈوب گئے۔ عربوں میں پھر سے شیطان نے ان کو تازہ کیا۔ لوگوں کو ان کی طرف رغبت دلائی، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں شیر اور گدھ اور دوسری صورتوں میں معبود موجود تھے اور مختلف قبیلوں میں انکی پوجا ہوتی تھی

Marfat.com

اسی طرح لات ایک نیک آدمی تھا۔ بخاری شریف میں ہے کہ حج کے زمانے میں لوگوں کو ستو پلایا کرتا تھا۔ اس کی موت کے کچھ عرصہ بعد اس کا مجسمہ بنایا گیا اور عبادت شروع ہوگئی۔ عزیٰ ایک درخت تھا۔ اس کے نیچے کوئی بزرگ بیٹھا ہوگا۔ لہٰذا اس کی پوجا شروع ہوگئی۔ مناۃ بڑا سرکش تھا۔ مشلل کے مقام پر اس کا عظیم مجسمہ رکھا ہوا تھا۔ لوگ مدینے سے اس کے نام پر احرام باندھتے تھے۔ اور صفا اور مروہ کے درمیان دوڑ لگاتے تھے۔

الغرض نوح علیہ السلام نے اپنی دعا میں بیان کیا کہ میری قوم نے لوگوں کو بہکانے کے لیے بڑے داؤ پیچ کھیلے۔ اور معبودانِ باطلہ کی پرستش پر خود بھی مصر ہے اور دوسروں کو ترغیب دی کہ اپنے معبودان خاص طور پر پانچ کو کسی حالت میں بھی ترک نہ کرنا۔

گمراہی کی طرف دعوت

اس کے بعد نوح علیہ السلام نے عرض کیا۔ کہ ان لوگوں کے کفر و شرک پر اصرار کا نتیجہ یہ ہوا کہ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا کہ انہوں نے بہتوں کو گمراہ کیا۔ اور خود بھی گمراہ ہوئے۔ بالکل اسی طرح جیسے مکے والوں کے متعلق ہے کہ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ یعنی خود بھی دور ہٹتے ہیں اور دوسروں کو بھی ایمان پیغمبر اور قرآن سے روکتے ہیں۔ اس زمانے میں بھی عیسائی مشنریاں لالچ دے کر گمراہ کر رہی ہیں، ہسپتال بناتے ہیں اسکول چلاتے ہیں، پیسے کا لالچ دیتے ہیں، دودھ اور کھلونے بھیج کر گمراہی کی طرف بلاتے ہیں۔ اور جہاں ضرورت ہوتی ہے دباؤ ڈال کر بھی لوگوں کو عیسائی بنایا جاتا ہے۔ عیسائیوں نے اندلس میں کیا کیا۔ بعض کو مار دیا گیا۔ بعض بھاگ گئے اور بعض کو جبراً عیسائی بنا لیا گیا۔ چین کے صوبہ ختن میں مسلمانوں کی سات کروڑ کی آبادی تھی جہاں صرف ایک کروڑ مسلمان رہ گئے ہیں۔ یہ کمیونسٹوں کی کارروائی ہے۔ مار دیا۔ دبا دیا۔ تقسیم کر دیا یا کمیونسٹ بنا لیا۔

بخارا میں چالیس ہزار مسجدیں تھیں اور ملک میں چار سو سے زیادہ مدارس تھے۔ مگر آج وہاں دو ہزار مسجدیں بھی نہیں ہیں۔ یہاں بھی گمراہی کے لیے ہر حربہ استعمال کیا گیا۔

اعشیٰ شاعر کا واقعہ کتابوں میں ملتا ہے۔ وہ نبی کریمؐ سے ملنا چاہتا تھا۔ مگر کفار نے اُسے ایک سو اونٹ اناج کا دیا کہ وہ آپ کے پاس نہ جائے۔ وہ سمجھتے تھے۔ کہ وہ صناجۃ العرب یعنی عربوں کا باجہ کہلاتا ہے۔ اگر اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں ایک قصیدہ پڑھ دیا تو سارا عرب فریفتہ ہو جائے گا۔ لہٰذا اسے لالچ دے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جانے سے روکا۔

Marfat.com

اس کے متعلق مشہور ہے۔ کہ ایک غریب آدمی کی پانچ سات جوان لڑکیاں تھیں مگر انہیں کوئی پوچھتا تک نہیں تھا۔ اس شخص نے اعشیٰ کو اپنے ہاں دعوت دی، اس کی خوب خاطر تواضع کی۔ اونٹ ذبح کیا، کھانا کھلایا، شراب پلائی۔ اس نے موج میں آکر اس غریب آدمی کی مدح میں قصیدہ کہہ دیا۔ پھر کیا تھا آناً فاناً اس شخص کے چرچے ہونے لگے اور بڑے بڑے رئیسوں کی طرف سے اس کی لڑکیوں کے لیے نکاح کے پیغام آنے لگے۔ تو اس طرح اُسے گمراہ کیا گیا۔ اگرچہ سو اونٹ اناج اُس کے کام نہ آیا وہ راستے ہی میں اونٹنی سے گر کر مر گیا۔ تاہم گمراہ ہو گیا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے اللہ! ان کو گمراہی کی سزا یہ دے کہ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا ضَلٰلًا یعنی ان ظالموں کے لیے سوائے گمراہی کے کچھ زیادہ نہ کر۔ ان کو تباہی کی طرف بڑھا۔ اگلی آیت میں حضرت نوح کی بددعا ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ سے عرض کیا گیا ہے۔ کہ یہ قوم کا گلا سڑا پھوڑا ہے۔ اسے کاٹ کر تباہ و برباد کر دے۔

Marfat.com

درسِ ششم

آیت ۲۵ تا ۲۸

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾ ع ۲ ۱۰

ترجمہ: وہ لوگ (قومِ نوح) اپنی کوتاہیوں کے سبب غرق کیے گئے اور پھر آگ میں داخل کیے گئے۔ پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو مددگار نہ پایا ﴿۲۵﴾ اور نوح (علیہ السلام) نے عرض کیا اے میرے پروردگار زمین پر کسی کافر کو زندہ نہ رہنے دے ﴿۲۶﴾ اگر تو ان کو چھوڑ دے گا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے۔ اور یہ نہیں جنیں گے مگر ڈھیٹھ کافر ﴿۲۷﴾ اے پروردگار مجھے اور میرے والدین کو بخش دے اور جو میرے گھر میں مومن بن کر داخل ہو۔ اور عام مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بھی (بخش دے) اور ظالموں کے لیے تباہی کے سوا کچھ زیادہ نہ کر ﴿۲۸﴾

گذشتہ سے پیوستہ

گذشتہ درس میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کے دوران اُن داؤ پیچوں کا ذکر تھا جو آپ کی قوم نے آپ کی دعوت کے خلاف آزمائے۔ نبوت میں شبہات پیدا کیے لوگوں کو تلقین کی کہ اپنے معبودوں کو مت چھوڑنا۔ خاص طور پر ودّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر سے وابستگی پر آمادہ رکھا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ قومِ نوح کے لوگ ایسے سخت اور بدوضع تھے کہ بوڑھے مرتے وقت اپنی اولاد کو وصیت کر جاتے تھے کہ نوح علیہ السلام کی بات نہ ماننا بلکہ اپنے معبودوں پر جمے رہنا۔ سابقہ درس میں یہ بھی گزر چکا ہے۔ کہ قومِ نوح کے معبودانِ باطلہ کی پرستش نبی علیہ السلام کے زمانے کے مشرکین بھی کرتے تھے اور انہوں نے بھی انہیں ناموں سے مجسمے بنا رکھے تھے۔ یہ تصور ہندوستان میں بھی برہما، بشن، وشنو، اندر دیوتا اور ہنومان کے نام سے پایا جاتا ہے۔ جس طرح نوح علیہ السلام کے زمانے میں ان پانچ معبودوں سے مختلف اغراض وابستہ کی ہوئی تھیں، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک

Marfat.com

اور پھر ہندوؤں کے تصورات میں بھی یہ چیزیں ملتی ہیں۔

انسان کے اندرونی معبود

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔ کہ قوم نوح علیہ السلام کے جن پانچ معبودان کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ تو انسان کے خارجی معبود ہیں۔ جن کی مشرک پرستش کرتے ہیں بلکہ ہر شخص کے اندر بھی یہ پانچوں چیزیں پائی جاتی ہیں۔ جب تک آدمی ان کے پھندے سے آزاد نہ ہو، اس کی عبادت صحیح نہیں ہوتی ان اندرونی معبودان کی تفصیل شاہ صاحبؒ اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

ودّ

جس طرح خارجی دنیا میں مشرکین نے وَدّ کو محبت کا دیوتا بنا رکھا ہے۔ اسی طرح اندرونی طور پر انسان کا اپنا جسم وَدّ ہے۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ کہ ہر انسان اپنے جسم کے بناؤ سنگھار میں مصروف نظر آتا ہے۔ حجاب طبع بھی یہی ہے کہ انسان اپنے جسم کی پرورش، زیب و زینت، ترو تازگی میں لگا ہوا ہے اور ساری عمر لگا رہتا ہے حتیٰ کہ ختم ہو جاتا ہے۔ تو شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ انسان کا جسم اُس کا وَدّ ہے جس کی پرستش ساری عمر کرتا رہتا ہے۔

سواع

انسان کا نفس اندرونی طور پر اس کے لیے سواع ہے۔ جس کی رضا انسان کو ہر حالت میں مطلوب ہوتی ہے۔ انسان تقویٰ و طہارت اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے حکم کو اپنے نفس کے مقابلے میں ٹھکراتا رہتا ہے اور اپنے نفس کی بات مانتا ہے اُس کی پوجا کرتا ہے۔ ایسے بہت کم لوگ ہوں گے جن کو اس بات کا احساس ہو، کہ نفس کو اُس حد تک راضی رکھنا چاہیئے جس حد تک خدا تعالےٰ کی ناراضگی کا پہلو نہ نکلے۔ شریعت کا ابطال نہ آئے اور اطاعت میں فرق نہ آئے۔ اگر خدا کی اطاعت اور اس کی رضا کو نفس پر قربان کر رہا ہے۔ تو یہی انسان کا سواع ہے جس کی وہ پرستش کر رہا ہے۔

یغوث

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ کہ یغوث انسان کا خاندان ہے جس میں باپ، بیٹا، بھائی اور دیگر افراد شامل ہیں۔ انسان ان کو راضی رکھنے کی فکر میں رہتا ہے۔ تاکہ یہ بھی بوقت ضرورت اس سے تعاون کریں۔ خاندان کے یغوث کو خوش کرنے کے لیے ہر قسم کی رسومات ادا کرتا ہے۔ سمجھتا ہے۔ کہ اگر برادری بگڑ گئی تو میرا تمام معاملہ خراب ہو جائے گا، لہٰذا ان کو ہر حالت میں خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور ان کے مقابلے میں اللہ تعالےٰ کی رضا اور شریعت کے قانون کو بھی ترک کر دیتا ہے لہٰذا یہ خاندان ہی اس کا یغوث ہے۔ ساری عمر اسی کو خوش کرنے میں لگا رہتا ہے۔

یعوق

انسان کا مال اس کے لیے بمنزلہ یعوق کے ہے۔ انسان مال کی محبت میں کم و بیش بڑا شدید

ہے وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ۔ مال کے متعلق انسان سمجھتا ہے۔ کہ یہ اس کی تکلیف کو دور کریگا یہ اس کے لیے عوق ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ آتا ہے یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗ اَخْلَدَهٗ یعنی سمجھتا ہے کہ مال اس کو قائم رکھیگا۔ اس لیے انسان مال جمع کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ یہ مال کی محبت کا نتیجہ ہے کہ اس کے فرائض بھی ادا نہیں کرتا۔ نہ زکوٰۃ ادا کرتا ہے نہ صدقہ خیرات کرتا ہے۔ بلکہ اسے سنبھال کر رکھتا ہے۔ کہ مشکل وقت میں کام آئے گا۔ لہذا یہ انسان کے لیے عوق ہے۔

نسر

شیطان انسان کے لیے نسر ہے، جو اسے ہر وقت بہکاتا رہتا ہے۔ یہ حرص اور غصے کے بازوں کے ساتھ انسان پر حملہ آور ہوتا ہے اور ایسے ایسے وسوسے ڈالتا ہے۔ جس سے انسان کا عقیدہ خراب ہو جائے۔ جیسا کہ پہلے شرک کرنے والوں کا حال بیان ہوا۔ شیطان کے بہکاوے میں آنا گویا نسر کی پرستش کرنا ہے۔

الغرض یہ اندرونی پانچ معبودانِ باطلہ ہیں، جن سے ہر آدمی کو واسطہ پڑتا ہے۔ اور جو اس کے لیے رکاوٹ کا باعث بنتے ہیں۔

قومِ نوح کی غرقابی کا سبب

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ کہ پچھلی آیات میں حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی قوم کی شکایت کی تھی کہ انہوں نے اپنے نبی کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اب اگلی آیت میں اُس قوم کی زیادتیوں کی سزا کا ذکر ہے۔ مِمَّا خَطِيْٓئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا یعنی وہ لوگ اپنی کوتاہیوں کے سبب غرق کیے گئے۔

یہاں پر مِمَّا کا لفظ سببیہ ہے۔ یعنی وہ قوم بہ سبب اپنی کوتاہیوں کے تباہ برباد ہوئی۔ قرآن پاک میں جگہ جگہ موجود ہے کہ تباہی ہمیشہ کسی گناہ کی پاداش میں آتی ہے۔ اور تکلیفیں اور پریشانیاں یقیناً کسی کوتاہی کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ تو قوم نوح کی غرقابی انکے گناہوں کی وجہ سے تھی۔

یہاں پر خَطِيْٓئٰت جمع کا لفظ آیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اُس قوم میں کوئی ایک کوتاہی نہ تھی بلکہ وہ لوگ بہت سے گناہوں میں ملوث تھے۔ مثلاً اُن کی اعتقادی خطا یہ تھی کہ وہ توحید کا نام بھی سننے کے لیے تیار نہ تھے، بلکہ اپنی اولاد کو بھی وصیت کرتے تھے کہ نوح علیہ السلام کی بات نہ ماننا اور اپنے معبودوں کو ترک نہ کرنا۔ رسالت کے متعلق ان کی خطا یہ تھی کہ وہ نوح علیہ السلام کے ساتھ انتہائی بدسلوکی سے پیش آتے تھے۔ جہاں چاہا آپ کو پکڑ لیا، گلا دبا دیا۔ بے ہوش ہو گئے پتھر مارتے تھے، گالیاں دیتے تھے، بیوقوف اور پاگل کا خطاب دیتے تھے مگر نوح علیہ السلام اس دور

Marfat.com

میں یہی دعا کرتے تھے رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمِی فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔ یعنی اے پروردگار میری قوم کو معاف کر دے کیونکہ وہ سمجھتے نہیں۔ نادان ہیں۔ مگر وہ لوگ آپ کو ایذا پہنچانے میں کوئی موقع ضائع نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ نبی کو اذیت پہنچانا اللہ تعالےٰ کی شدید ناراضگی مول لینا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے مَنْ اٰذٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ بَارَزْتُہٗ بِالْحَرْبِ۔ یعنی جو میرے کسی دوست کو تکلیف پہنچائے گا، اس کے لیے میرا چیلنج ہے کہ اُسے ذلیل اور تباہ کر دوں گا۔ ہاں یہ ضرور ہے۔ کہ ہر کام اپنے مقررہ وقت پر سرزد ہوتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ انتقام ضرور لیتے ہیں۔

قوم نوح کی ایک خطا یہ بھی تھی کہ وہ جزائے عمل کا انکار کرتے تھے۔ اس کے علاوہ باقی حقوق میں بھی کوتاہی کے مرتکب ہوتے تھے۔ تو یہ سارے کے سارے اُن کے جرائم تھے۔ جن کی بنا پر خطیئات جمع کا لفظ فرمایا۔ کہ وہ اپنی خطاؤں کے سبب غرق کیے گئے۔

اور پھر اُن کی غرقابی کے لیے پانی عذاب الٰہی کی صورت میں آیا۔ آسمان کی طرف سے بھی پانی کو چھوڑ دیا گیا یعنی چالیس دن تک مسلسل موسلا دھار بارش ہوتی رہی اور زمین سے بھی پانی کے چشمے جاری ہو گئے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ پانی کی اس قدر بہتات ہو گئی کہ اونچے سے اونچے پہاڑ سے بھی اس کی سطح تیس فٹ تک بلند ہو گئی۔ اور اس طرح وہ قوم اپنے گناہوں کی پاداش میں کیفر کردار تک پہنچی۔

تمام منکرین غرق ہو گئے

جیسا کہ اگلی آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعا آئے گی کہ اے مولا کریم! زمین پر ایک بھی کافر کو باقی نہ چھوڑ۔ تو یہاں اُغْرِقُوْا کا مطلب یہی ہے۔ کہ اُس قوم کے تمام کفار غرق ہو گئے۔ اور ان میں سے ایک بھی باقی نہ رہا۔ صرف وہی ستر آدمی بچے تھے جو ایمان لائے اور کشتی میں سوار ہو گئے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا بھی اس عذاب سے نہ بچ سکا حالانکہ وہ کہتا تھا سَاٰوِیْٓ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ یعنی پہاڑ پر چڑھ کر پانی کے عذاب سے بچ جاؤں گا۔ مگر وہ بھی غرق ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ابن ابی حاتمؒ کی روایت ہے جسے ابن کثیرؒ نے بھی بیان کیا ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ قوم نوح میں سے اگر خدا تعالیٰ کسی پر رحم کرتا تو یقیناً اس بچے پر کرتا، جسے اُس کی ماں لے کر پہاڑ پر چڑھ گئی تھی۔ جب پانی اُس عورت کے کندھے تک پہنچا تو اُس نے بچے

Marfat.com

کو سر پر اٹھا لیا۔ اور جب پانی سر تک پہنچ گیا تو اُس نے بچے کو اور اوپر بازوؤں پر اٹھا لیا کہ کسی طرح وہ بچ جائے مگر پھر بھی وہ نہ بچ سکا اور اپنی ماں کے ساتھ ہی ڈوب گیا۔ تو اس طرح گویا تمام کفار غرق ہو گئے اور اُن میں سے کوئی بھی نہ بچ سکا۔

آگ کی سزا

تو فرمایا کہ وہ لوگ دنیا میں تو پانی میں غرق ہوئے اور موت کے بعد عالم برزخ میں پہنچے تو آگ میں داخل کیے گئے فَاُدْخِلُوْا نَارًا۔ مفسرین نے اس سے یہ اخذ کیا ہے۔ کہ پانی کی سزا تو انہیں دنیا میں ملی، مگر آگ کی سزا برزخ میں مل رہی ہے اور یہ سزا بھی برحق ہے۔ اگرچہ یہ مکمل سزا نہیں ہے کیونکہ مکمل سزا تو قیامت کو ملے گی تاہم برزخ میں بھی اس کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ملتا ہے۔ آلِ فرعون کے متعلق بھی ایسے ہی الفاظ آتے ہیں کہ انہیں صبح شام آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔

مرنے والا چاہے کسی شکل میں مرے، قبر اور برزخ کا عذاب اس سے ٹل نہیں سکتا۔ اُس کے جسم اور روح کا کوئی نہ کوئی حصہ ایسا ضرور ہوتا ہے۔ جسے تکلیف یا راحت محسوس ہوتی ہے۔ ہاں البتہ عالم برزخ میں وقت کا احساس نہیں ہوتا، جب حشر میں اٹھیں گے تو کہیں گے مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ہمیں ہماری قبروں سے کس نے نکال لیا۔

الغرض قوم نوح کے لوگ ادھر پانی میں ڈبوئے گئے، اُدھر آگ میں داخل کیے گئے فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا مگر انہوں نے اللہ کے سوا کسی کو مددگار نہ پایا۔ نہ وَدّ صاحب آئے نہ سواع نے مدد کی، نہ یغوث نے فریاد رسی کی نہ یعوق کسی کام آیا اور نہ نسر سے کچھ بن پڑا۔ خدا کے سوا کوئی بھی مافوق الاسباب مددگار نہ آیا۔ آج بھی صورت حال یہی ہے۔ کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا، لوگ خواہ مخواہ وہم میں مبتلا رہتے ہیں اور شرک میں ڈوبے رہتے ہیں۔ طرح طرح سے اپنا عقیدہ گندہ کرتے ہیں۔

نوح علیہ السلام کی بددعا

سورۃ کے آخری حصے میں حضرت نوح کی تین دعاؤں کا ذکر ہے۔ پہلی بددعا کی۔ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا۔ نوح علیہ السلام نے عرض کیا، اے میرے پروردگار! زمین پر کسی کافر کو زندہ نہ رہنے دے۔ دَيَّار دوران سے ہو سکتا ہے۔ یہ دونوں معنے لگتے ہیں۔ یعنی کسی چلنے پھرنے والے یا کسی گھر میں رہنے والے کو زندہ نہ چھوڑ۔ یہ قہرِ الٰہی کا ظہور ہے۔ یہ غَضَبًا لِّلّٰهِ ہے یعنی اللہ کے لیے ناراضگی پیدا ہو گئی ہے۔ اور سزا شروع ہو چکی ہے۔

Marfat.com

حضرت نوح نے مزید عرض کیا۔ اِنَّکَ اِنْ تَذَرْھُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَکَ اگر تو ان کو زندہ چھوڑیگا تو تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے۔ وَلَا یَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا اور یہ نہیں جنیں گے مگر ڈھیٹھ کافر یعنی ان کی اولادیں بھی ایسی ہی ہوں گی۔ سورۃ ہود میں حضرت نوح علیہ السلام کو بتلا دیا گیا تھا کہ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِکَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ یعنی تیری قوم میں سے جو ایمان لا چکے، بس وہی ایماندار رہیں گے، ان کے علاوہ اور کوئی ایمان نہیں لائیں گے۔ لہٰذا حضرت نوح نے ان کی تباہی و بربادی کی بد دعا ہی کی۔

شاہ ولی اللہؒ کی زبان میں یہ گلا سڑا عضو ہے، اس کو کاٹ دینا ہی ضروری ہے۔ ورنہ یہ ایک عضو فاسد باقی جسم کو بھی فاسد کر دے گا۔ ان لوگوں کا اعدام اوفق من الوجود ہے۔ ان کا خاتمہ ان کے زندہ رہنے سے زیادہ قرین مصلحت ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی دعائے مغفرت

نوح علیہ السلام نے دوسری دعا یہ کی کہ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ اے پروردگار مجھے اور میرے والدین کو بخش دے کہ وہ بھی نیک اور صالح تھے۔ لوگوں کو شرک سے منع کرتے تھے۔ نوح علیہ السلام کی یہ دعا بھی اپنے منصب کے مطابق تھی پیغمبر سے صغیرہ یا کبیرہ گناہ سرزد نہیں ہوتا۔ البتہ بعض اوقات چھوٹی موٹی لغزشیں ہو جاتی ہیں، جن سے وہ پریشان ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ مقربین بارگاہ الٰہی ہوتے ہیں انہیں معمولی لغزش پر بھی بڑی بے چینی لاحق ہو جاتی ہے۔ اسی لیے عرض کیا کہ اے اللہ! مجھے اور میرے والدین کی مغفرت فرما دے۔

نیز فرمایا کہ اس کی بھی بخشش فرما دے۔ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا جو میرے گھر میں مومن کی حیثیت سے داخل ہو۔ گھر میں آنے والے کے لیے مومن ہونا شرط ہے۔ کیونکہ کافروں کے لیے تو تباہی و بربادی کی بد دعا ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ فرمایا وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ یعنی گھر میں آنے والوں کے علاوہ عام مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بھی اُن کے ایمان کی بدولت معاف فرما دے یہ عام دعا ہے جو اللہ کے اس نیک بندے نے مانگی، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس کا مصداق بنائے۔ ہر مسلمان کے لیے بھی یہی حکم ہے۔ کہ اپنی دعا میں عام مومنین اور مومنات کو یاد کیا کرے۔ ان کی بخشش کی دعا کیا کرے۔ یعنی یوں کہے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ الْاَحْیَاءِ مِنْھُمْ وَالْاَمْوَاتِ۔

Marfat.com

ظالموں کے لیے تباہی کی بددعا

دعا کا تیسرا حصہ نوح علیہ السلام نے یہ عرض کیا وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا یعنی ظالموں کے لیے تباہی کے سوا کچھ زیادہ نہ کر۔ یہ بھی جوش اور غضب الٰہی ہے۔ یہ ظالم ہر حالت میں کفر و شرک میں ڈوبے ہوئے ہیں اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ظالم جب تک ظلم پر قائم رہے گا، اللہ تعالےٰ معاف نہیں کرے گا۔ اُسے ہدایت نہیں دے گا سب سے بڑے ظالم تو کافر ہیں جیسا فرمایا وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ اسی طرح مشرکوں کے متعلق فرمایا اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ شرک سے بڑا ظلم کون سا ہو سکتا ہے۔ جو لوگ کفر و شرک کے ظلم پر ڈٹے ہوئے ہیں، اُن کے لیے سوائے تباہی کے اور کچھ اضافہ نہ کر۔

الغرض حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی دعا کے تیسرے حصے میں ظالموں کی مکمل تباہی کی درخواست کی۔ آپ کی دعا منظور ہوئی اور پوری قوم ماسوائے ستر مومنین کے غرق ہو گئی۔

واللہ اعلم بالصواب

خوش خبری

دورِ جدید سائنسی دور ہے، سائنس اور جدید انکشافات اپنے عروج پر ہیں۔ لوگ بھی نئی چیز کے شائق ہوتے ہیں۔ اگر آپ "دروس القرآن" کتابی شکل کے ساتھ ساتھ صاحب درس کی اصلی آواز میں سننا چاہیں تو بغیر کسی منافع کے اصلی لاگت پر کیسٹ بھی مہیا کی جا سکتی ہیں۔ صاحب ذوق حضرات اپنے گھروں میں، دوکانوں پر سن سکتے ہیں۔ بالخصوص غیر تعلیم یافتہ اور ناخواندہ حضرات کے لیے یہ نعمت غیر مترقبہ ہوگی۔ دوسروں کو بھی سنا سکتے ہیں۔ دوست احباب کو تحفہ اور ہدیہ کے طور پر بھیج سکتے ہیں۔ ملک اور بیرونِ ملک بھی اس پروگرام کو وسیع کیا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم کی تبلیغ کے سلسلہ کو پھیلایا جا سکتا ہے۔ اس لیے قارئین کرام اور شائقین مضامین قرآن کی خدمت میں عرض ہے کہ اگر وہ استفادہ کرنا چاہتے ہوں تو اطلاع کرنے پر کیسٹ بھی مہیا کیے جا سکتے ہیں۔

Marfat.com